اسلامیات (اختیاری)

برائے بارہویں جماعت

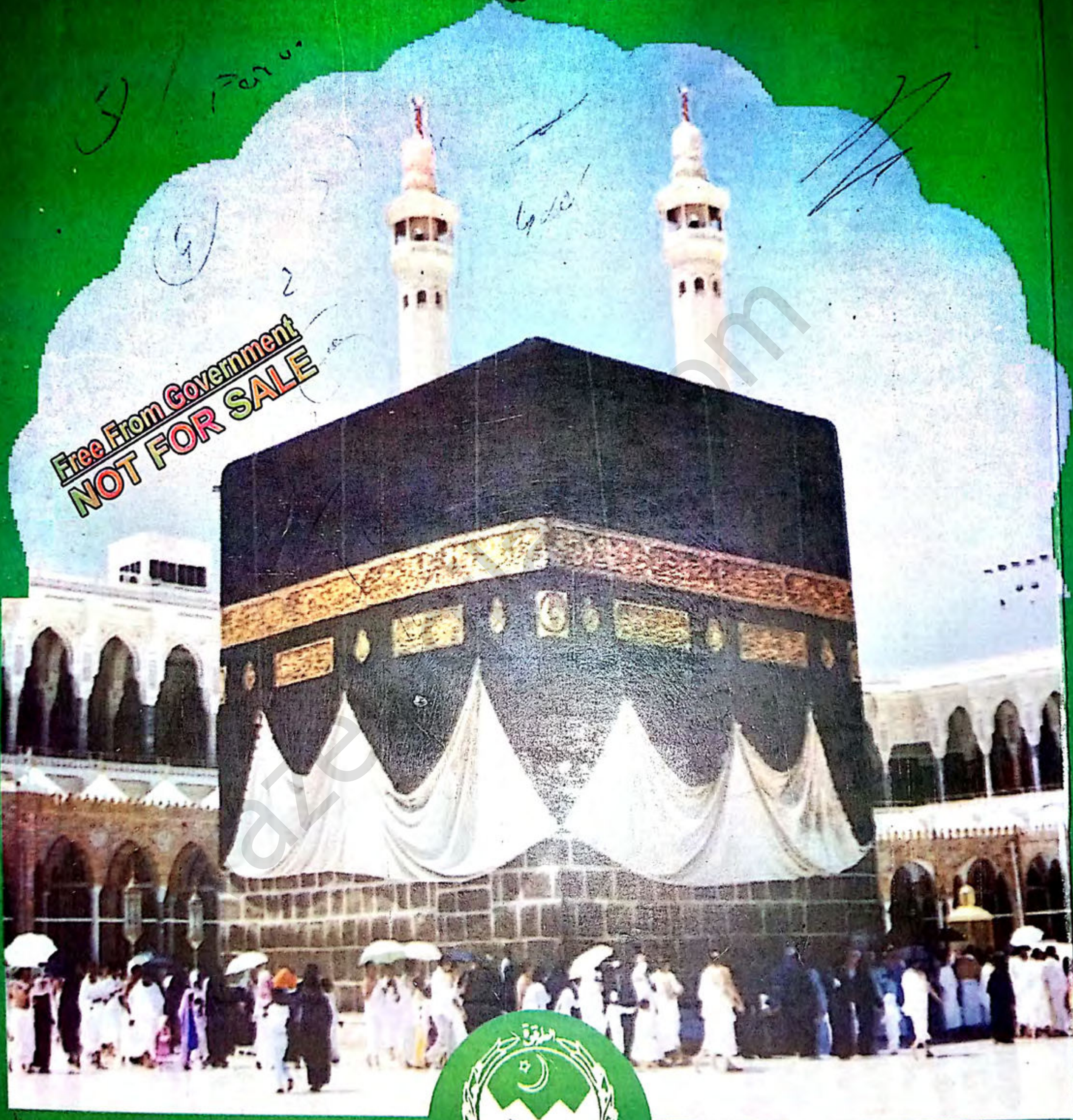

Free From Government
NOT FOR SALE

خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور

Download PDF MCQs, Books and Notes for any
subject from the Largest website for free

awazeinqilab.com آوازانقلاب ڈاٹ کام

and also Available in Play Store

Primary (5th) Level

Middle (8th) Level

Matric (10th) Level

F. Sc (12th) Level

BS (16th) Level

Urdu Grammar

Curriculum (Govt Books)

Past Papers

English Grammar

Readymade CV

NTS, FTS, CSS, PMS, ETEA, KPPSC, PPSC, SPSC, AJKPSC, BPSC, KPTA ETC

Available Subjects

- Agriculture
- Computer Science
- Economics
- English
- Biology
- Chemistry
- Geology
- Management Sciences
- Microbiology
- PCRS/ Pak Study
- Pharmacy
- Sociology
- Zoology
- Chemistry
- Statistics
- Physics
- Mathematics
- Law
- Environmental Sciences
- Botany
- Biotechnology
- Library & Information Sciences
- Journalism & Mass Communication
- Political Science
- Geography
- General Science
- Education
- Tourism & Hotel Management
- Urdu
- Pashto
- Islamic & Arabic Studies
- Electrical Engineering
- Civil Engineering
- Mechanical Engineering
- Chemical Engineering
- Software Engineering
- Election Officer
- General Knowledge
- Pedagogy
- Current Affairs
- Medical Subjects
- Judiciary & Law
- other

ہر Subject کے Notes اور MCQS فری ڈاون لوڈ کریں۔ نیز CV کے MS word تیار Templates ڈاون لوڈ کر کے اپنے حساب سے Modify کریں۔

جملہ حقوق بحق لیڈنگ بکس پبلشر محفوظ ہیں

منظور کردہ: نظامت نصاب و تعلیمِ اساتذہ خیبر پختونخوا، ایبٹ آباد

بمطابق: قومی نصاب 2006

مراسلہ نمبر 8324-26/F.03/Vol-I/Is.Ele.(Urdu)-XII مورخہ 27.10.2017

مصنفین: ڈاکٹر شفقت علی جنجوعہ
احمد سعید
نیاز محمد

نگرانِ نظرثانی: گوہر علی خان، ڈائریکٹر ڈی۔سی۔ٹی۔ای، ایبٹ آباد۔

نظرثانی:
ڈاکٹر مفتی عبدالوہاب ایسوسی ایٹ پروفیسر گورنمنٹ ڈگری کالج منڈیاں ایبٹ آباد
صفدر رحمان نظامت نصاب و تعلیم اساتذہ ایبٹ آباد
پروفیسر عبدالصبور گورنمنٹ کالج نمبر 1 ایبٹ آباد
پروفیسر احمد جان اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج نمبر 1، ایبٹ آباد
سید رفاقت علی شاہ ماہر مضمون، ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور

دوبارہ نظرثانی:
ڈاکٹر مفتی عبدالوہاب۔ پروفیسر۔ وائس پرنسپل گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج نمبر 1، ایبٹ آباد۔
قاری عبدالشکور، سینئر معلم اسلامیات، گورنمنٹ ہائی سکول جھنگی، ایبٹ آباد۔
اعزاز اللہ، ماہر مضمون (اسلامیات)، خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ، پشاور۔
ہدایت اللہ، ایڈیشنل ڈائریکٹر، نظامت نصاب و تعلیم اساتذہ خیبر پختونخوا، ایبٹ آباد

ایڈیٹر: ڈاکٹر ساجد الرحمن اورکزئی، ماہر مضمون، خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ، پشاور۔

طباعت زیرِ نگرانی: عصمت اللہ خان گنڈاپور، چیئرمین
سعید الرحمن (ممبر ای اینڈ پی)
خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ، پشاور

2020-21
www.kptbb.gov.pk
membertbb@yahoo.com
091-9217159-60

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

مملکت پاکستان بنانے میں یہ عظیم مقصد کارفرما تھا کہ پاکستان میں اسلامی احکام نافذ کیے جائیں گے اور مسلمانوں کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقصد میں کامیابی عطا فرمائی اور 1947ء میں پاکستان کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اسلامی ملک ہونے کے سبب اس کا نظریہ حیات اسلام ہے اور مسلمان ہونے کے ناطے ہماری کوشش ہے کہ ہم اپنے طلبہ و طالبات میں اسلامی اقدار سے محبت و الفت پیدا کریں تاکہ وہ اپنی شخصیت و کردار کو اسلامی سانچے میں ڈھالیں اسی مقصد کو پورا کرنے کے لیے حکومت خیبر پختونخوا نے اسلامیات (اختیاری) کو موثر اور مفید بنانے کے لیے کوشش کی ہے کہ نصاب متوازن، بامقصد اور جدید دور کے تقاضوں کے مطابق ہو اور طلبہ اور طالبات کو حصول مقاصد میں کامیابی ہو اور غیر ضروری بوجھ میں الجھنے نہ پائیں۔

زیر نظر کتاب بارہویں جماعت کے طلبہ کے ذہنی سطح کے مطابق ہے اور ان کی دینی تشنگی دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کتاب میں اسلام کے ماخذ اول قرآن کی حقانیت، عالمگیریت اور اعجاز کے بارے میں بتایا گیا ہے یہ بھی واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ قرآن نہ صرف اعتقادات اور عبادات پر زور دیتا ہے بلکہ یہ معاملات اور اخلاقیات کا بھی احاطہ کرتا ہے۔ اجمالی طور پر اہم تفاسیر کا بھی تعارف کرایا گیا ہے۔ اولین مسلم معاشرے کے اصول بھی بتائے گئے ہیں۔ منتخب قرآنی آیات اور احادیث کو نہ صرف شاملِ کتاب کیا گیا ہے بلکہ مفاہیم اور وضاحت کے لیے تشریح بھی کی گئی ہے۔ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ احادیث کی اصطلاحات، ان کا تعارف اور احادیث کی چند اقسام مختصر طور پر شامل کی گئیں ہیں۔

سائنسی علوم میں مسلمانوں کی ترقی اور ان کے تنزل کے اسباب کو نہ صرف آسان پیرائے میں بیان کیا گیا ہے بلکہ ایک ایسی شاہراہ کی بھی نشاندہی کر دی گئی ہے جس پر چل کر وہ اپنی کھوئی ہوئی عظمت رفتہ کو بحال کر سکتے ہیں۔ کتاب کے آخر میں طلبہ کو عربی زبان و ادب سے روشناس کرنے کے لیے خطبات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خطوط خلفائے راشدین کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

awazeinqilab.com

فہرست عنوانات

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	باب اول: قرآن مجید	1
	الف۔ اعجاز القرآن، فصاحت وبلاغت، ہمہ گیریت اور تنوع، دوام/ دائمی ضابطۂ حیات	1
	ب۔ ترجمہ وتفسیر قرآن	12
	• تفسیر قرآن کی شرائط اور حدود	12
	• اصولِ تفسیرِ قرآن (الفوز الکبیر سے انتخاب)	14
	• تفسیری ادب اور چند مشہور تراجم و تفاسیر کا اجمالی تعارف	15
	ج۔ قران مجید کی اساسی مباحث	20
	• معاشی مسائل	20
	• قصص الانبیاء۔ اندازِ بیان اور مقاصد	29
	• تزکیہ نفس، تدبیر منزل اور سیاستِ مدنیہ	34
	د۔ عبادات	44
	• انفاق: زکوٰۃ، صدقات اور خیرات، بنیادی ضابطے اور اصول، معاشرتی اہمیت، معاشی استحکام	44
	• فرد اور معاشرہ کی ذمہ داریاں اور ریاست کے فرائض	51
	ہ۔ سیرۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قرآن مجید کی روشنی میں مطالعہ	61
	• آزادیٔ فکر، احترام آدمیت، تعلقات باہمی کی اساس	61
	• اولین مسلم معاشرہ کے راہنما اصول	66
	د۔ منتخب آیات قرآن۔ ترجمہ وتفسیر	71
	• سورۃ البقرۃ	71
	باب دوم: حدیث	97
	• حدیث بطورِ ماخذ احکام، حدیث کی تشریعی حیثیت، حجیتِ حدیث	97
	• اصولِ حدیث۔ نخبۃ الفکر کے منتخب مباحث کا مطالعہ	111
	• امام بخاری اور امام مسلم کا انتخاب حدیث میں رویہ اور نمایاں اصول	114
	• منتخب احادیث کا خصوصی مطالعہ ترجمہ وتشریح	118
	باب سوم: علمی پیش رفت میں مسلمانوں کی خدمات	149
	• چند نمایاں علوم کا تذکرہ اور مسلمانوں کی خدمات	150
	• دینی علوم	150
	• معاشرتی علوم	154
	• معاشی علوم	160
	• سائنسی علوم	168
	• اندلس میں علوم کی ترقی۔ خدمات اور اثرات	171

awazeinqilab.com

• دورِانحطاط میں مسلم دنیا میں علم کی حالت، بے توجہی کے اسباب اور اثرات	176
• عصرِ حاضر اور مستقبل میں علمی پیش رفت کے حوالے سے مسلمان امت کی ذمہ داریاں	178
• اشاعتِ علم کے لیے افراد اور اجتماع کی ممکنہ کاوشیں۔ مستقبل کا نقشہ اور امت کا رویہ	183
باب چہارم: اسلام کا نظام حکومت و ریاست	186
• اسلامی نظامِ حکومت کا تصور اور دورِ جدید میں اس کی ممکنہ کوششیں	186
باب پنجم: عصرِ حاضر اور اسلامی ریاستیں	200
• غیر مسلم ریاستوں میں مسلمانوں کی دینی، سماجی اور ثقافتی مشکلات اور ان کا حل	200
• پاکستان۔ بطور مسلم ریاست	203
• تحریک، تشکیل اور سیاسی حالت	204
• پاکستان: بحیثیت اسلامی فلاحی ریاست	207
باب ششم: عربی زبان وادب	215
عربی ادب کا مطالعہ	215
• عربی ادب کے حوالے سے چند آیات کا مطالعہ	216
• ادبی عظمت کے حوالے سے مطالعہ: خطباتِ رسولؐ،	224
• خلفائے راشدین کے خطوط	227
• فقہی عبارات وادب	235

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

باب اول

قرآنِ مجید

تدریسی مقاصد

اس سبق کا مقصد طلبہ اور طالبات کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ:

۱۔ وحی کا مفہوم جان سکیں اور الہامی کتب سے آشنا ہوسکیں۔

۲۔ قرآن مجید کی کتابت، رسم الخط کو جان سکیں اور قرآن مجید میں رموز اوقاف سے واقفیت کے ذریعے قرآن مجید کو درست طریقے سے پڑھ سکیں نیز وہ آدابِ تلاوت اور اس سے متعلق امور کی پابندی کرسکیں۔

۳۔ قرآن مجید کو اس کی فصاحت و بلاغت کے ادراک اور اس کے مضامین کی ہمہ گیریت وتنوع کے فہم کے ساتھ اس طرح مطالعہ کرسکیں کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ قرآن مجید دائمی ضابطہ حیات ہے۔

۱۔ اعجاز القرآن:

قرآنِ مجید میں سائنسی ارتقاء، انسانوں کی مادی، معاشرتی، معاشی، اخلاقی، سیاسی، تمدنی اور روحانی ضرورتوں کی رہنمائی کے لیے ہدایات موجود ہیں۔ سائنسی ارتقاء کے ساتھ ساتھ یہ ہدایات مزید نکھر کر سامنے آرہی ہیں۔ جیسے جیسے انسانی سوچ وفکر میں استحکام اور استحسان آرہا ہے ویسے ویسے اس ضابطۂ کامل کی معنویت کی گہرائی سامنے آرہی ہے۔ یوں تو قرآنِ مجید کئی لحاظ سے معجزے کی حیثیت رکھتا ہے، مثلاً: یہ واحد کتاب ہے جو ہر زمانے میں لاکھوں انسانوں کے سینوں میں محفوظ رہی، محفوظ ہے اور محفوظ رہے گی۔ اسی طرح یہ واحد کتاب ہے جو روئے زمین پر ہر زمانے میں سب سے زیادہ پڑھی جاتی رہی ہے۔

NOT FOR SALE

awazeinqilab.com

قرآنِ مجید واحد کتاب ہے جو ہر زمانے میں سب سے زیادہ کتابی شکل میں موجود رہی ہے یعنی اشاعت کے لحاظ سے یہ معجزے سے کم نہیں۔ قرآنِ حکیم اس لحاظ سے بھی معجزہ ہے کہ دنیا کی ہر قابلِ ذکر زبان میں اس کا ترجمہ کیا جاچکا ہے لیکن درج ذیل اعتبارات سے اس کی حقانیت اس کے اعجاز کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

i۔ فصاحت و بلاغت

ii۔ ہمہ گیریت

iii۔ تنوع

iv۔ دائمی ضابطۂ حیات

i۔ فصاحت و بلاغت:

قرآنِ حکیم وہ مقدس الہامی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر نازل کی۔ قرآنِ پاک کے اسلوب اور انداز میں اتنی فصاحت و بلاغت ہے کہ جس کی نظیر نہیں ملتی۔ اسی لیے فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بھی قرآنِ مجید کو معجزہ کہا جاتا ہے۔ یہ ایسا زندہ معجزہ ہے کہ جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ قرآنِ مجید کا اندازِ بیاں، اسلوب اور معیارِ فصاحت و بلاغت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام انسانوں کے لیے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا ہے۔ قرآنِ حکیم واضح طور پر سورۃ بقرہ میں یہ چیلنج کرتا ہے۔

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ ۖ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۲۳﴾

(البقرۃ:23)

ترجمہ: اور اگر تم کو اس کتاب میں جو ہم نے اپنے بندے پر نازل فرمائی ہے کچھ شک ہو تو اس طرح کی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں انکو بھی بلا لو اگر تم سچے ہو۔

قرآنِ مجید کے لفظی و معنوی محاسن ذوقِ سلیم رکھنے والوں کی تسکین کرتے ہیں اور اہلِ دل کے لیے پیغامِ حیات ہیں۔ قرآن کا طرزِ استدلال اور اندازِ تخاطب ایسا ہے کہ دل میں اتر جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اپنے لیے درج ذیل لاجواب الفاظ استعمال کیے ہیں۔

i۔	الکتاب	خاص کتاب
ii۔	الفرقان	حق و باطل میں تمیز کرنے والی کتاب
iii۔	النور	روشنی
iv۔	الشفاء	پیغامِ صحت

قرآنِ حکیم بار بار اس بات کو دہراتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی ہدایت کے لیے آیات کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے تاکہ کسی قسم کا ابہام باقی نہ رہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمۡ اَنۡ تَكُوۡنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنۡ نَّخِيۡلٍ وَّاَعۡنَابٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ۙ لَهٗ فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الۡكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۖۚ فَاَصَابَهَاۤ اِعۡصَارٌ فِيۡهِ نَارٌ فَاحۡتَرَقَتۡ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الۡاٰيٰتِ لَعَلَّكُمۡ تَتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۲۶۶﴾

(البقرۃ:266)

ترجمہ: بھلا تم میں کوئی یہ چاہتا ہے کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس میں نہریں بہہ رہی ہوں اور اس میں اس کے لیے ہر قسم کے میوے موجود ہوں اور اسے بڑھاپا آ پکڑے اور اس کے ننھے ننھے بچے بھی ہوں تو ناگہاں اس باغ پر آگ کا بھرا ہوا بگولا چلے پس وہ جل جائے اس طرح اللہ تم سے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم سوچو اور سمجھو۔

قرآنِ حکیم نے اپنے منتخب رسولوں سے ہمیشہ اس جیسے جملے کہلوائے تاکہ اتمام حجت ہو جائے۔

وَمَا عَلَيْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ

(یٰسین:17)

ترجمہ: اور ہمارے ذمے تو صاف صاف پیغام پہنچا دینا ہے اور بس۔

قرآنِ حکیم اپنی بات سمجھانے کے لیے کبھی تو تشبیہ کا اسلوب اختیار کرتا ہے، کبھی موازنے کا اور کبھی سوالات کا۔ اپنے قاری کی توجہ بار بار مشاہدے اور عملی زندگی کے تجربے کی طرف دلاتا ہے تاکہ وہ اچھی طرح بات کو سمجھ جائے۔ مثلاً درج ذیل مثالیں فصاحت و بلاغت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

i۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ (الفیل:1)

ii۔ اَرَاَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ (الماعون:1)

iii۔ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (الزمر:9)

قرآنِ کریم نے **لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ** اور **لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ** جیسے الفاظ کے ذریعے بات کو اتنے موثر انداز میں بیان کیا ہے کہ پڑھنے اور سننے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآنِ مجید نے فصاحت و بلاغت کے لیے درج ذیل اسلوب اختیار کیے:

i۔ تشبیہات کے ذریعے بات سمجھائی۔

ii۔ سوالات کا انداز اختیار کر کے بات واضح فرمائی۔

iii۔ قسم کھا کر بات کی اہمیت واضح کی۔

iv۔ براہِ راست مخاطب ہو کر بات کی وضاحت کی۔

v۔ سابقہ امتوں کے احوال بیان کر کے نتیجہ اخذ کرنے کی دعوت دی۔

vi۔ بار بار ایک بات کر کے اس کی اہمیت کا اظہار کیا۔

vii۔ جانوروں، پرندوں اور حشرات الارض کی مثالیں دے کر بات ذہن نشیں کروائی۔

viii۔ اشاروں کنایوں سے دعوتِ غور و فکر کو ابھارا۔

ix۔ حروفِ مقطعات کے ذریعے انسانی عقل کی کم مائیگی کا احساس دلایا۔

x۔ دعائیں سکھا کر ہدایت حاصل کرنے کی تدبیر سکھائی۔

قرآنِ حکیم جس زمانے میں نازل ہوا تھا اس وقت عرب معاشرے میں شعر و شاعری اور فصاحت و بلاغت کا بڑا چرچا تھا۔ عرب والے خود کو اتنے بڑے فصیح و بلیغ سمجھتے تھے کہ وہ دوسروں کو "عجمی" یعنی گونگا کہہ کر پکارنے کے عادی تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چالیس سال اسی معاشرے میں گذارے تھے اور کبھی شعر نہیں کہا تھا اور نہ ہی کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے تھے۔ لیکن اعلانِ نبوت کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ اقدس پر ایسا کلام آیا جسے سن کر بڑے بڑے فصحا ششدر رہ گئے۔ اگرچہ ناعاقبت اندیشوں نے بظاہر کھل کر اعتراف نہ کیا لیکن اپنی خلوتوں میں حیران و پریشان تھے کہ یہ کیسا کلام ہے جو نہ شاعری ہے نہ نثر ہے، نہ کبھی پہلے ایسا کلام سنا نہ کوئی ایسا کلام بنا سکتا ہے۔ گویا قرآنِ پاک کے معجزہ ہونے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس جیسی ادبی زبان، اس جیسی فصاحت و بلاغت اور اس جیسا اسلوب کسی اور کتاب میں نہیں۔

ii۔ **ہمہ گیریت:**

قرآن پاک اپنی ہمہ گیریت اور عالمگیریت کے لحاظ سے بھی معجزہ ہے۔ قرآنی تعلیمات ہمہ گیر ہیں۔ یہ کسی خاص علاقے، نسل یا زمانے کے لیے نہیں ہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان کے لیے ہیں۔ اس کی تعلیمات میں آفاقیت پائی جاتی ہے جو تمام زمانوں اور مکانوں پر محیط ہے۔ یہ واحد کتاب ہے جو ہر علاقے، ہر زمانے اور قوم کے لیے ہے۔ چونکہ انسانی فطرت ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک ایک ہی ہے اور قیامت تک ایک ہی رہے گی اس لیے قرآنی تعلیمات فطری ہیں۔ ہر دور کا انسان یوں محسوس کرتا ہے جیسے یہ اسی دور کے لیے نازل کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی تعلیمات ہر دور، ہر علاقے اور ہر قسم کے ماحول میں بسنے والوں کے لیے اپنے اندر شفا، روشنی اور ہدایت لیے ہوئے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

awazeinqilab.com

قرآنِ حکیم کی تعلیمات و ہدایات پوری انسانی زندگی پر محیط ہیں۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے بارے میں واضح ہدایات نہ دی گئی ہوں ۔ہمیں چاہیے کہ ہم ان ہدایات کو اچھی طرح سمجھیں اور پھر ان پر عمل کریں۔

iii- تنوع

قرآنِ حکیم کی تعلیمات چونکہ انسانی زندگی کے ہمہ گیر پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہیں اس لیے اس کی رشد و ہدایت میں تنوع کا عنصر بھی موجود ہے۔ قرآنِ حکیم صرف ایمانیات اور عبادات تک محدود نہیں ہے بلکہ معاملات اور اخلاق و کردار کے بارے میں بڑی صراحت سے ہدایات دے دی گئی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قران کہتا ہے کہ **اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً** یعنی اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ قرآنی تعلیمات و ہدایات کو درج ذیل شعبوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

i- اعتقادات/ایمانیات

ii- عبادات

iii- معاملات

iv- اخلاقیات

قرآنِ پاک نے ایک ہی موضوع کو مختلف انداز اور پیرائے میں بیان کر کے عقل انسانی کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ مثلاً: ذاتِ باری تعالیٰ کے اوصافِ حمیدہ اور قدرتِ کاملہ کے محاسن پورے قرآنِ پاک میں مختلف انداز سے بیان کیے گئے ہیں۔ اسی طرح اتباع و اطاعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آدابِ رسالت کو انتہائی متنوع انداز میں بیان کیا ہے۔ سود، صدقات وخیرات اور انفاق فی سبیل اللہ کے بارے میں بھی تنوع کا اسلوب بیان اختیار کیا گیا ہے، حضرت آدم علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے ایک سے زیادہ بار مختلف انداز سے بیان کیے گئے ہیں۔ تخلیقِ آدم سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت تک، انسانی پیدائش کے مختلف مراحل سے لے کر دوبارہ جی اٹھنے کے مراحل تک، آسمانوں کی وسعتوں سے لے کر زمین کی گہرائیوں تک اور مابعد الطبیعیات کے تصورات سے لے کر اپنے ہی گھر میں داخل ہونے کے آداب تک سکھا دیے گئے ہیں تا کہ انسانی سوچ اور شعور کی گہرائیوں میں یہ بات بخوبی رچ بس جائے کہ جتنی متنوع کتاب، قرآنِ حکیم ہے اس جیسی کسی بھی لحاظ سے کوئی کتاب نہیں ہے۔ اسی بنا پر ہی فرمایا گیا:

یٰٓاَیُّہَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ وَھُدًی وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۵۷﴾

(یونس:57)

ترجمہ: لوگو تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفا اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت آ پہنچی ہے۔

یہ قرآنِ حکیم کا اعجاز ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تقریباً تیئس سالوں کے دورانیے میں تھوڑا تھوڑا کر کے ضرورت کے مطابق نازل فرمایا۔ اس وقت انسانی ضرورتیں اور ترجیحات کچھ اور تھیں اور آج کے دور کی انسانی ضرورتیں بالکل مختلف نوعیت کی ہوگئی ہیں لیکن قرآنی تعلیمات آج بھی ہر صاحبِ ایمان کی رشد و ہدایت کا سامان بہم پہنچا رہی ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ضروریات و ترجیحات بدلنے سے قرآنی تعلیمات بدل گئی ہوں یا مکمل رہنمائی نہ فراہم کرتی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک مسلمان قرآنِ پاک کی ہدایات پر عمل پیرا رہے اور اس کی عظمت وفضیلت کو پہچانا تو انہوں نے زمانے میں عروج حاصل کیا۔ اور جب قرآن کی ہمہ گیر تعلیمات سے روگردانی کی تو تنزلی کا شکار ہو گئے۔ جناب رسالتمآب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ

اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَاماً وَّ یَضَعُ بِہٖ آخَرِیْنَ (صحیح مسلم)

بے شک اللہ تعالیٰ اس (قرآن) کے ذریعے بہت سی قوموں کو عزت اور سربلندی عطا کرتا ہے اور بہت سی قوموں کو اس (قرآن) سے غفلت کی وجہ سے رسوائی سے ہمکنار کر دیتا ہے۔

حضرت علامہ اقبالؒ نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ِۨالَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۞ سورۃ الاعراف آیت نمبر 158

ترجمہ: اے نبی! کہدو کہ لوگو میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا ہوں جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے۔ اسکے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندگانی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ تو اللہ پر اور اسکے رسول پیغمبر امی پر جو اللہ پر اور اسکے تمام کلام پر ایمان رکھتے ہیں ایمان لاؤ اور انکی پیروی کرو تاکہ ہدایت پاؤ۔

قرآن حکیم میں اس دور کا بھی ذکر ہے جب حضرت انسان زمین پر خلیفہ بنا کر نہیں بھیجا گیا تھا۔ اس میں ہزاروں سال پرانی امتوں کے احوال بھی ہیں اور مختلف فرمانرواؤں کی کارستانیاں بھی ہیں۔ اس میں افلاک کی وسعتوں کا تذکرہ بھی ملتا ہے اور سمندروں کی تہوں میں پڑے ہیرے جواہرات کی تفصیلات کا بھی، رحمان کے بندوں کے اوصاف بھی بیان ہوئے ہیں اور شیطان کی پیروی کرنے والوں کی نشانیاں بھی بتادی گئی ہیں۔ غرض ہر ذی روح کے تذکرہ سے لے کر معدنیات اور جمادات کے احوال تک قرآنِ کریم میں موجود ہیں۔

iv۔ دائمی ضابطہ حیات:

قرآنِ حکیم مسلمانوں کے دنیاوی عروج اور اخروی فلاح کی ضمانت دیتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے قرآنِ حکیم مسلمانوں سے عملِ صالح کا مطالبہ کرتا ہے۔ جیسے ارشاد ہے۔

وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ سورۃ آل عمران آیت نمبر 139

ترجمہ: تم ہی برتر رہو گے اگر تم مومن ہوئے۔

قرآن مجید ہمیشہ محفوظ رہنے والی کتاب ہے۔ چودہ سو سال سے زیادہ کا عرصہ گزر جانے کے باوجود آج تک قرآن کا ایک ایک لفظ محفوظ ہے۔ قیامت تک کے انسانوں کی رشد و ہدایت کے لیے اسے محفوظ اور دائمی ضابطۂ حیات بنا دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۞

(الحجر:9)

ترجمہ: بیشک یہ کتاب نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے اور یقیناً ہم اسکے نگہبان ہیں۔

چونکہ قرآن مجید رہتی دنیا تک کے انسانوں کے لیے محفوظ کر دیا گیا ہے اس لیے اس کی تعلیمات دائمی ہیں۔ اس کے جو احکامات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانے کے لیے تھے وہی احکامات آج بھی ہر مسلمان پر لاگو ہوتے ہیں اور قیامت تک کے لوگوں کے لیے وہی احکامات چلیں گے۔ ان میں کسی بھی قسم کی تبدیلی نہیں ہوسکتی ہے نہ کوئی کرنے کی جرأت کرسکتا ہے یہی اس کا حسن ہے اور یہی اس کا اعجاز ہے۔

قرآنِ مجید کا دائمی ضابطۂ حیات ہونا اس بات سے بھی ثابت ہے کہ قرآنِ پاک کی پیشین گوئیوں اور غیب کی خبروں کی صداقت نے اسے بے مثل و بے نظیر بنا دیا ہے۔

قرآنِ حکیم نے تمام علوم کا احاطہ کیا ہے جو تمام انسانوں کی تمام ضروریات کے لیے کافی ہیں۔ قرآنِ حکیم کو اس لیے دائمی کتاب کہا جاتا ہے کہ اس میں شخصی اور خاندانی زندگی کے مسائل سے لے کر اجتماعی اور بین الاقوامی اصول وضوابط موجود ہیں۔ قرآنِ مجید میں معاشرتی فلاح و بہبود اور امن وسکون کے قیام کے لیے مکمل ضابطۂ معاشرت موجود ہے۔ اسی طرح معاشی، سیاسی، روحانی اور اخلاقی ضابطے جامع انداز میں بیان کر دیے گئے ہیں۔

قرآنِ حکیم نے صرف تاریخی واقعات بیان نہیں کیے بلکہ سائنسی معلومات بھی فراہم کی ہیں۔ موجودہ دور میں بے پناہ سائنسی ترقی کے باوجود کوئی بھی سائنسدان کسی بھی قرآنی معلومات کی نفی نہیں کرسکا۔ یہی وجہ ہے کہ کئی سائنسدانوں نے

awazeinqilab.com

جب تحقیق کر کے کسی قرآنی حقیقت کی تصدیق کی تو وہ دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ قرآن حکیم اس لیے بھی دائمی ضابطۂ حیات ہے کہ اس میں علم و حکمت کے ایسے ایسے خزانے پوشیدہ ہیں جن تک تاحال انسانی تحقیق کی رسائی حاصل نہیں ہو سکی۔ ممکن ہے آنے والے وقتوں میں علمی تحقیق قرآنِ پاک کے معجزانہ خزانوں کو لوگوں کے سامنے لے آئے گی

مشق

سوال: درج ذیل سوالات کے تفصیلی جواب تحریر کریں۔

i- قرآنِ مجید کی فصاحت و بلاغت پر نوٹ لکھیں۔

ii- قرآنِ مجید کی عالمگیریت اور ہمہ گیریت پر بحث کریں۔

iii- تنوع کے لحاظ سے آپ قرآنِ مجید کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟

iv- ہم کیسے ثابت کر سکتے ہیں کہ قرآنِ مجید دائمی ضابطۂ حیات ہے؟

سوال 2: مناسب الفاظ لگا کر خالی جگہ پر کریں۔

(اسلوب، الفرقان، فارسی، قرآنِ مجید، خزانے، عجمی، تصورات)

i- روئے زمین پر سب سے زیادہ چھپنے والی کتاب ______ ہے۔

ii- حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب کی وجہ سے قرآنِ پاک کو ______ بھی کہا جاتا ہے۔

iii- قرآنِ مجید نے استفہامیہ انداز اختیار کر کے ______ کو سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔

iv- قسم کھا کر بات کا آغاز کرنا، قرآنِ مجید کا خاص ______ ہے۔

v- عرب لوگ غیر عرب کو ______ کہہ کر پکارتے تھے۔

vi- قرآن مجید میں علم و حکمت کے ______ پوشیدہ ہیں۔

vii- مابعد الطبیعیات کے ______ قرآن مجید میں موجود ہیں۔

سرگرمیاں

i- قرآنِ حکیم نے سورۃ البقرہ میں سود خور کے بارے میں کیسی مثال دی ہے؟

ii- سورۃ الحجرات میں معاشرتی تعلیمات کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیں۔

iii- سورہ نور میں سے کوئی سے پانچ احکام لکھیں۔

iv- تیسویں پارے میں چند ایسی آیات تلاش کریں جس میں اللہ رب العزت نے قسم کھائی ہے۔

v- سورۃ نمل کا مطالعہ کر کے بتائیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اور ہد ہد میں کیا مکالمہ ہوا؟

awazeinqilab.com

ب۔ ترجمہ و تفسیر قرآن

تفسیر قرآن کی شرائط اور حدود

تفسیر کے لغوی معنی بیان اور کشف کے ہیں۔ اصطلاح میں تفسیر سے مراد وہ علم ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آخری کتاب قرآنِ مجید کی اس انداز میں تشریح کی جائے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اصل روح معلوم کی جاسکے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پہلے شارح اور مفسر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قول و عمل سے قرآنِ حکیم کی تفسیر فرمائی۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تفسیرِ قرآن کا فریضہ سرانجام دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد یہ فریضہ تابعینِ کرام رحمھم اللہ ، تبع تابعین اور علمائے امتِ مسلمہ نے جاری رکھا اور یہ سلسلہ آج تک جاری وساری ہے۔

- تفسیرِ قرآن کے لیے کچھ حدود و قیود مقرر کی گئی ہیں۔ ہر آدمی قرآن کی تفسیر لکھنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآنِ حکیم کی تفسیر لکھنے کے لیے درج ذیل پندرہ علوم کا جاننا ضروری قرار دیا ہے۔ ان علوم پر دسترس حاصل کیے بغیر قرآنِ حکیم کی تفسیر نہیں کی جاسکتی۔

i۔ کلاسیکی عربی زبان پر عبور: کلاسیکی عربی زبان و ادب میں مہارت کے بغیر قرآنِ حکیم کی تفسیر ممکن نہیں۔

ii۔ علم نحو پر دسترس: علمِ نحو میں مہارت کے بغیر قرآن کی تشریح ممکن نہیں ہے۔ اس لیے کہ اعراب پر ہی معانی کا انحصار ہوتا ہے۔

iii۔ علم صرف: مختلف کلمات اور صیغوں کا علم رکھے بغیر قرآن کی تفسیر نہیں کی جاسکتی۔ جب تک کسی کو یہ علم ہی نہ ہو کہ صیغہ کون سا ہے وہ کلام کی مراد کیسے سمجھ سکتا ہے۔

iv۔ علم اشتقاق: یہ کلمہ کے اصل مادہ کو سمجھنے کا علم ہے۔ بعض اوقات لفظ ایک جیسا ہوتا ہے لیکن مادے میں اختلاف کی وجہ سے معانی میں نمایاں فرق آجاتا ہے۔

v۔ علم المعانی: یہ ایسا علم ہے جس میں جملوں کی ساخت کے لحاظ سے معانی مرتب کیے جاتے ہیں۔

vi۔ علم البیان: یہ ایسا علم ہے جس میں تشبیہات، محاورات، استعارات وغیرہ کو سمجھ کر معانی و مراد کو سمجھا جاتا ہے۔

vii۔ علم البدیع: یہ ایسا علم ہے جس میں کسی زبان کی خوبصورتی اور اس کے بولنے اور لکھنے کے ارتقاء کو سمجھ کر معانی مراد لیے جاتے ہیں۔

viii۔ علم القرأت: قرآنِ حکیم کی مختلف قرأتوں کا علم رکھے بغیر قرآن حکیم کی تفسیر ممکن نہیں اس لیے کہ ایک قرأت میں ایک لفظ کے معنی دوسری قرأت سے مختلف ہو سکتے ہیں۔

ix۔ علم اصولِ دین: احکاماتِ دین یعنی حلال و حرام، فرض، واجب کا علم رکھنا مفسرِ قرآن کے لیے ازحد ضروری ہے۔

x۔ علم اسباب نزول: مختلف آیات کے شانِ نزول کا علم رکھے بغیر کوئی بھی قرآن کے منشا کو نہیں سمجھ سکتا۔

xi۔ علم النسخ: ناسخ و منسوخ کا علم رکھے بغیر کوئی بھی قرآنِ حکیم کی تفسیر لکھنے کے قابل نہیں ہوسکتا۔

xii۔ اصولِ فقہ: فقہی اصول وضوابط کا ماہر ہونا مفسرِ قرآن کے لیے شرط ہے تا کہ وہ قرآنی نصوص اور سنتِ رسول سے استنباط کر سکے۔

xiii۔ علم الحدیث: قرآنِ حکیم کی اصل تشریح حدیثِ مبارکہ سے ہی ہوتی ہے اس لیے حدیث کا علم ہونا، مفسّر قرآن کے لیے ضروری ہے۔

xiv۔ فقہ: یعنی ایسا علم جس میں احکامِ شریعت سے متعلق جزئیات اور فروع کے بارے میں مہارت ہو تا کہ قرآنی مقصود و مطلوب تک پہنچا جاسکے۔

xv۔ علم لدنی: یہ وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے خاص الخاص بندوں کو عنایت فرماتا ہے اور چیزوں کی معرفت عطا کر دیتا ہے۔ اسرارِ قرآنی کو سمجھنا اس کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ یہ وہ باطنی نور ہے جس سے رموزِ قرآنی کو سمجھا جاسکتا ہے۔

ان علوم کے علاوہ دیگر بہت سارے علوم کا جاننا بھی ازحد ضروری ہے جس میں سائنس، تاریخ، جغرافیہ، حساب اور منطق زیادہ نمایاں ہیں۔ بعض علماء نے علم الکلام، علم الجدل والخلاف، علم السیر اور علم الحقائق کا جاننا بھی مستحسن قرار دیا ہے۔

- قرآنِ حکیم کی تفسیر کے لیے چند عمومی شرائط و قیود بھی ہیں جن پر مفسرِ قرآن کا عمل کرنا ضروری ہے۔

ا۔ تفسیرِ قرآن اس نیت سے کی جائے کہ اس سے امتِ مسلمہ کی دینی، اخلاقی، معاشرتی، سیاسی، معاشی اور روحانی ضرورتیں پوری ہوں گی اور انہیں ان تمام شعبہ ہائے زندگی میں رہنمائی ملے گی۔

ب۔ قرآنِ حکیم کی تفسیر سے مطلوب دنیاوی جاہ و عزت نہ ہو بلکہ اخروی فلاح ہو اور خالصتاً اللہ کی رضا و خوشنودی کے لیے کام کرے۔

ج۔ تفسیر کرتے وقت تقویٰ کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے، ہر قسم کے تعصب، لالچ، حرص اور خوف وغیرہ سے بے نیاز ہو کر قرآن کے مطالب و مفاہیم کو کھول کھول کر بیان کرے۔

د۔ مفسر کے لیے ضروری ہے کہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہے کہ اس پر قرآنِ حکیم کے اسرار و رموز کھلتے رہیں۔ اپنے علم میں اضافے کے لیے دعا کرے اور یہ ہمہ وقت ذہن میں رکھے کہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

اصولِ تفسیرِ قرآن

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر قرآن کے کچھ اصول بیان فرمائے ہیں۔ اس ضمن میں انہوں نے الفوز الکبیر فی اصول التفسیر لکھی، جو عالم اسلام میں بالعموم اور برصغیر پاک و ہند میں بالخصوص بے حد مقبول ہوئی۔

اس کتاب کی روشنی میں درج ذیل اصولِ تفسیرِ قرآن بیان کیے جاتے ہیں:

i- قرآنِ حکیم میں مذکور تمام مضامین کو پانچ علوم میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، اس لیے تفسیر بھی ان کے مطابق ہونی چاہیے۔ وہ علوم یہ ہیں۔

ا۔ علم احکام: واجب، مستحب، مکروہ، حرام وغیرہ

ب۔ علم مناظرہ: یہود، نصاریٰ، مشرکین، منافقین کے لیے

ج۔ علم تذکیر بآلاء اللہ: زمین و آسمان و مافیھا کا بیان نیز اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کا ذکر

د۔ علم تذکیر بایام اللہ: اطاعت کرنے والوں کے لیے جزا اور مجرموں کے لیے سزا وغیرہ کا ذکر

ہ۔ علم تذکیر بالموت: جنت دوزخ یومِ حساب کا ذکر

ii- قرآنِ حکیم میں دو قسم کی آیات ہیں، محکمات اور متشابہات۔ متشابہات وہ آیات کہلاتی ہیں جن کے ایک سے زیادہ مفہوم ہوسکتے ہیں۔ اس لیے کسی متشابہ آیت کا مفہوم متعین کرنے کے لیے محکم آیات کو سامنے رکھنا چاہیے۔

iii- قرآنِ حکیم کی ہر آیت کا دوسری آیت کے ساتھ گہرا تعلق ہے اور ہر سورت کا دوسری سورت سے ربط ہے۔ قرآنِ حکیم کی تفسیر کرتے وقت اس ربط کی روشنی میں مفہوم متعین ہو تو زیادہ بہتر ہوگا۔

iv- قرآنِ حکیم کے سب سے بڑے مفسر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود تھے۔ جن لوگوں نے قرآن کو حدیث اور سنت کے بغیر سمجھنے کی کوشش کی، وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کی گمراہی کا بھی سبب بنے، اس لیے تفسیرِ قرآن کے لیے حدیث و سنت پر عبور ضروری ہے۔

v- قرآن مجید میں ایک ہی مسئلے کا ذکر ایک سے زیادہ مقامات پر آیا ہوتا ہے۔ کسی جگہ اختصار کے ساتھ اور کسی جگہ تفصیل کے ساتھ اس لیے ایسے مسائل کو مجموعی انداز میں سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔

vi- قرآن فہمی میں اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال نہایت اہم ہیں کیونکہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے براہِ راست قرآن سیکھا تھا۔ اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کو تفسیرِ قرآن کے وقت مدِ نظر رکھا جانا چاہیے۔

vii- قرآن فہمی کے لیے طہارتِ نفس کو بھی ضروری قرار دیا گیا ہے۔ خود پسندی اور غرور ایسی صفات ہیں جو فہم قرآن میں حائل رہتی ہیں اس لیے ان صفات سے پاک ہونا از حد ضروری ہوتا ہے۔

viii- تفسیر کرتے وقت قرآنِ حکیم کے مجموعی مقاصد کو پیشِ نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔

ix- قرآنِ حکیم کی ایسی تفسیر نہیں ہونی چاہیے جو کسی بھی طرح سننِ الٰہیہ کے خلاف ہو یا جس میں ایسا شائبہ پایا جائے جو قانونِ قدرت کے برعکس ہو۔

x- قرآنِ مجید کی تفسیر کرتے وقت احکامِ شرعیہ، معاملات اور عبادات کی حکمت پر بحث کی جانی چاہیے۔

xi- قران کی تفسیر اس انداز سے ہونی چاہیے کہ قاری قرآن کے سامنے کلام الٰہی کی عظمت واضح ہو جائے۔

xii- اصول تفسیر میں یہ امر بھی مضمر ہوتا ہے کہ اس سے احکاماتِ الٰہی کو عقلی اور منطقی انداز میں سمجھایا جائے۔

xiii- ناسخ ومنسوخ کی معرفت فنِ تفسیر میں نہایت بنیادی اصول ہے چونکہ اس ضمن میں اختلاف ہے اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین کے اقوال سے استفادہ کیا جائے۔

xiv- تفسیر کرتے وقت مشہور ومعروف عرب فصحاء کے قصائد کا علم بھی ضروری ہے کیونکہ اس سے قرآن کریم کے مشکل الفاظ کے سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔

چند مشہور تفاسیر کا اجمالی جائزہ

علمائے امت نے ہر دور میں تفسیری ادب میں اضافہ کیا ہے۔ قرآن حکیم کی مختلف انداز اور زاویۂ نگاہ سے تفسیریں کی جاتی رہی ہیں اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔ علماء کرام نے تفاسیر کے مختلف طبقات بھی بنائے ہیں، جن میں آثاری تفسیر، فقہی تفسیر، ادبی تفسیر، کلامی تفسیر، تاریخی تفسیر، تقلیدی اور تجدد پسندانہ تفسیریں زیادہ مشہور ہیں۔

ذیل میں چند مشہور تفاسیر کا اجمالی جائزہ لیا جاتا ہے۔

i۔ تفسیر ابنِ جریر:

یہ تفسیر محمد بن جریر بن یزید الامام ابوجعفر طبری نے کی تھی۔ یہ چوتھی صدی کی مشہور تفسیر ہے۔ اس کی کل گیارہ جلدیں اور تیس حصے ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے اس تفسیر کی بہت تعریف کی ہے۔ اس تفسیر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات اور صحابہ وتابعین کرام کے بہت سے اقوال کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اپنے عہد میں یہ مقبول تفسیر سمجھی جاتی تھی۔

ii۔ تفسیر ثعلبی:

یہ تفسیر ابو اسحٰق احمد بن ابراہیم نے کی تھی۔ ابنِ خلکان نے اس تفسیر کی بہت تعریف کی ہے تاہم ابن تیمیہ کا قول ہے کہ ثعلبی ایماندار اور متقی تھا مگر اس نے اپنی تفسیر میں رطب و یابس کو جمع کر دیا ہے۔ چونکہ ابو اسحٰق کا شمار نیشاپور کے جید علماء میں ہوتا تھا اس لیے ان کی تفسیر کو معتبر سمجھا جاتا تھا۔ بعض لوگوں نے اس تفسیر پر اس لیے تنقید کی کہ اس میں موضوع احادیث اور بے سند قصے بھی بیان کر دیے گئے تھے۔

iii۔ تفسیر انوار التنزیل:

اس تفسیر کو تفسیرِ بیضاوی بھی کہا جاتا ہے اس کے مصنف کا نام قاضی ناصر الدین ہے۔ آپ کی جائے پیدائش شیراز کے قریب ایک قصبے بیضاء میں ہوئی۔ اسی نسبت سے آپ بیضاوی کہلائے اور آپ کی تفسیر کو بھی یہی نام دے دیا گیا۔ اس تفسیر کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ پورے عالمِ اسلام میں پڑھی گئی۔ کئی لوگوں نے اس کے حاشیے اور شرحیں لکھیں۔ قاضی بیضاوی نے اپنے زمانے سے پہلے لکھی جانے والی تمام مشہور تفاسیر سے استفادہ کیا اور نہایت عمدہ انداز میں تفسیر رقم کی۔

iv۔ تفسیر القرآن:

اس تفسیر کے مصنف کا نام تقی الدین ابو العباس احمد بن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ فقہی لحاظ سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکار تھے۔ آپ کو فقہ، حدیث اور تفسیرِ قرآن میں مہارت حاصل تھی، مولانا شبلی نعمانی نے علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کو مجدد مانا ہے۔ ابنِ بطوطہ کے بقول اس تفسیر کی تیس جلدیں ہیں۔

v۔ البحر المحیط:

یہ تفسیر شیخ اثیر الدین ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی کی ہے۔ اس تفسیر کے کئی محاسن ہیں۔ انہوں نے پہلے مشکل الفاظ کی لغت بیان کی ہے۔ اس کے بعد آیات کا شانِ نزول لکھا ہے۔معنی کی وضاحت کے لیے سلف صالحین کے اقوال سے استفادہ کیا ہے۔ مفصل اندازِ بیان اپنایا ہے اور پھر اس کی تلخیص کی ہے۔

vi۔ تفسیر ابنِ کثیر:

یہ تفسیر امام عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی نے لکھی۔ اس تفسیر کو یہ اعزاز حاصل رہا ہے کہ یہ ہر دور میں مقبول رہی ہے۔ اس تفسیر کی دس جلدیں ہیں۔ اس تفسیر کی خوبی یہ ہے کہ اس میں احادیث اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو نہایت التزام کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

vii۔ تفسیر جلالین:

یہ تفسیر شیخ جلال الدین محمد بن محلی کی تصنیف ہے۔ شیخ جلال الدین اسے مکمل کرنے سے پہلے ہی وفات پا گئے۔ بعد میں اسے امام جلال الدین سیوطی نے مکمل کیا۔ اسی لیے اسے جلالین کہا جاتا ہے۔ یہ تفسیر بے حد مقبول ہے۔ نہایت آسان طرز پر آیات کا مفہوم بیان کیا گیا ہے۔

viii۔ روح المعانی:

یہ تفسیر علامہ محمود آلوسی بغدادی نے لکھی۔ اس تفسیر کا شمار تیرہویں صدی کی بہترین تفاسیر میں کیا جاتا ہے۔ روح المعانی کو علمائے امتِ مسلمہ آج بھی نہایت اہتمام سے پڑھتے ہیں۔ یہ تفسیر چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ انہوں نے سابقہ تفاسیر کے مطالعے سے کسبِ فیض کے بعد یہ تفسیر لکھی جس بنا پر اس میں کئی خوبیاں پیدا ہوئیں۔

ix۔ موضح القرآن:

یہ تفسیر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے فرزند عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی۔ اردو میں لکھی جانے والی چند ابتدائی تفاسیر میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

x- **تفہیم القرآن**

یہ تفسیر سید ابو الاعلیٰ مودودی نے لکھی۔ اسے اردو زبان میں نہایت آسان زبان میں لکھی جانے والی تفسیر کا درجہ حاصل ہے۔ دورِ جدید میں اسے اچھی کاوش سمجھا جاتا ہے۔

xi- **ضیاء القرآن:**

یہ تفسیر پیر محمد کرم شاہ الازہری کی تصنیف ہے۔ دورِ حاضر میں لکھی جانے والی یہ تفسیر لوگوں میں بے حد مقبول ہو رہی ہے۔ یہ تفسیر ادبی محاسن اور عظمتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے ایک شاہکار تفسیر سمجھی جاتی ہے۔

xii. **معارف القرآن:**

یہ مفتی محمد شفیع جن کو مفتی اعظم پاکستان بھی کہا جاتا ہے، کی تصنیف ہے معارف القرآن آٹھ جلدوں میں ہے۔ اس میں ترجمہ شیخ الھند اور خلاصۃ التفسیر بیان القرآن سے لیا ہے۔ اس کے بعد متعلقہ آیات کی تفسیر (معارف و مسائل) کے عنوان سے لکھی ہے۔ اس تفسیر میں اسرائیلی روایات سے احتراز کیا گیا ہے اور تفسیر ماثور ہی کو لیا ہے۔ انداز داعیانہ اور ناصحانہ ہے۔ عصر حاضر کے مسائل اور مستشرقین کے اعتراضات اور ان کے جوابات کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اس تفسیر کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں متعلقہ آیات کے تحت فقہی مسائل کو تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

xiii. **تفسیر عثمانی:**

یہ تفسیر شیخ الھند مولانا محمود الحسن نے شروع کی تھی لیکن آپ وفات ہو گئے اور تفسیر نامکمل رہ گئی۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے شاگرد مولانا شبیر احمد عثمانی نے اسے مکمل کیا اس سے لیے یہ تفسیر عثمانی کہلایا۔ اس کا پشتو ترجمہ "تفسیر کابلی" کے نام سے مشہور ہے۔ اس تفسیر کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں آیات کے تحت مختلف آراء کے درمیان جامع تطبیق کردی گئی ہے۔ جدید ذہن کے اشکالات کو آسان طریقے سے حل کیا گیا ہے۔

xiv. **بیان القرآن:**

اس تفسیر کو مولانا اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے۔ یہ مختصر تفسیر صرف ایک جلد پر مشتمل ہے۔ یہ متوسط علمی درجے کے لوگوں کے لیے سودمند ہے۔ تصوف اس تفسیر کا خاص موضوع ہے۔

xv. **تیسیر القرآن:**

لاہور کے مشہور عالم، کاتب اور ماہر فلکیات مولانا عبدالرحمان گیلانی کے قلم سے نکلی یہ تفسیر بالحدیث اور جدید دور کے مسائل کا قرآن کی روشنی میں احاطہ کرتی نظر آتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ فقہی تعصب سے پاک اعتدال پر مبنی آراء ملتی ہیں۔ صحیح احادیث کے التزام پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔

مشق

سوال 1: سبق کے مطابق درج ذیل سوالوں کے تفصیلی جواب لکھیں:

i- علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے مفسرِ قرآن کے لیے جن علوم کا جاننا ضروری قرار دیا ہے ان میں سے پانچ علوم کا ذکر کریں۔

ii- تفسیرِ قرآن کے لیے عمومی شرائط کیا ہیں؟

iii- شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے قرآنی علوم کو کون کون سے علوم میں تقسیم کیا ہے؟

iv- تفسیر ابن جریر اور تفسیر ابن کثیر کا اجمالی جائزہ پیش کریں۔

سوال 2: مختصر جواب تحریر کریں۔

i- اصطلاحی لحاظ سے تفسیر کی تعریف لکھیں۔

ii- تفسیر کے لیے علم اسباب نزول کیوں ضروری ہے؟

iii- علم البیان سے کیا مراد ہے؟

iv- علم لدنی کسے کہتے ہیں؟

v- متشابہات آیات کون سی ہیں؟

vi- تفسیر جلالین کو "جلالین" کیوں کہتے ہیں؟

vii- روح المعانی کا تعارف بیان کریں۔

viii- تفسیر بیضاوی کس نے لکھی؟

ix- دورِ حاضر کی ایک معروف تفسیر کا تعارف لکھیں۔

سرگرمی

طلبہ کو لائبریری لے جا کر مختلف تفاسیر دکھائی جائیں اور کوئی ایسا کام تفویض کیا جائے جس کی وجہ سے انہیں کسی ایک تفسیر کا کچھ حصہ ضرور پڑھنا پڑے۔

awazeinqilab.com

ج۔ قرآنِ مجید کے اساسی مباحث

ا۔ معاشی مسائل:

قرآن مجید نے زندگی کے ہر شعبے سے متعلق ایسی ہدایات دی ہیں، جن پر عمل کرنے سے انسانی زندگی میں سکون، ترقی اور خوشحالی آسکتی ہے۔ چونکہ قرآنِ مجید آخری کتابِ ہدایت ہے اس لیے اس کی تعلیمات بھی ابدی ہیں اور ان کے اندر ایسی عالمگیریت پائی جاتی ہے، جو انسانی فلاح کی ضامن ہے۔ معاشی مسائل کے حوالے سے قرآنِ مجید کی درج ذیل آیات ہمارے لیے رشد و ہدایت کا مینار ہیں۔

سورۃ البقرۃ آیت نمبر188

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَآ إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١٨٨﴾

ترجمہ: اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اس کو رشوت کے طور پر حاکموں کے پاس پہنچاؤ تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طور پر کھا جاؤ اور اسے تم جانتے بھی ہو۔

تشریح

اس آیت مبارکہ میں بڑی صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے کہ ناجائز طریقے سے ایک دوسرے کا مال نہ کھایا کرو۔ مزید یہ کہ رشوت کے طور پر کچھ مال حکمرانوں تک پہنچا کر دوسروں کے مال پر قبضہ نہ کر لیا کرو اور تم اچھی طرح جانتے

ہو کہ یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے۔ معانی اور مفہوم کے لحاظ سے اس آیت میں تمام معاشی برائیاں بیان کر دی گئی ہیں اور ان سے بچنے کی تاکید بھی۔ اس آیت کے مفہوم میں ملاوٹ، رشوت، چوری، ڈاکہ، دھوکا، فریب، دھاندلی ناجائز منافع خوری اور سود شامل ہے۔ اس لیے کہ یہ تمام طریقے ناحق ہیں اور ان طریقوں سے حاصل کی گئی دولت بھی ناجائز ہوگی۔

سورۃ البقرہ آیت نمبر195

وَأَنفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَأَحْسِنُوا ۛ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٩٥﴾

(البقرۃ:195)

ترجمہ: اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو۔ بیشک اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

تشریح

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا بیان ہے۔ اسلام ارتکازِ دولت کے سخت خلاف ہے اور گردشِ دولت کی تاکید کرتا ہے۔ گردشِ دولت کے بہترین طریقے زکوٰۃ، صدقات اور خیرات ہیں۔ اس آیتِ کریمہ میں اللہ کے راستے میں خرچ نہ کرنے کو ہلاکت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ گویا جو لوگ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ وسائل میں سے اس کی راہ میں خرچ نہیں کرتے وہ خود کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ نیکی کا راستہ اختیار کریں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اللہ کے راستے میں دل کھول کر خرچ کریں۔ بخل و کنجوسی سے بچیں اور راہِ خدا میں صدقہ و خیرات کے ذریعے اللہ کے محبوب بندے بن جائیں۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۱۹

ترجمہ: لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کونسا مال خرچ کریں۔ کہہ دو کہ جو ضرورت سے زیادہ ہو۔ اس طرح اللہ تمہارے لئے اپنے احکام کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم سوچو۔

تشریح:

اس آیتِ کریمہ میں ان لوگوں کے اس سوال کا جواب ہے کہ جس میں وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے دریافت کیا کرتے تھے کہ وہ راہِ خدا میں کیا خرچ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبیؐ ان سے کہہ دیں کہ جو کچھ ان کی ضروریاتِ زندگی سے زیادہ ہے اسے راہِ خدا میں لٹا دیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ ضرورت سے زائد مال اللہ کی بتائی ہوئی جگہوں میں خرچ کرنا ضروری ہے۔ یہ امر منافقین کے لیے تو ہچکچاہٹ کا باعث ہو سکتا ہے مومنین کے لیے نہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ کے راستے میں زیادہ سے زیادہ خرچ کریں تاکہ ہمارے معاشرے سے غربت کا خاتمہ ہو سکے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۪
وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ؕ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ
اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝۲۶۷

ترجمہ: مومنو! جو پاکیزہ اور عمدہ مال تم کماتے ہو اور جو چیزیں ہم تمہارے لئے زمین سے نکالتے ہیں ان میں سے اللہ کی راہ میں بھی خرچ کرو۔ اور بری اور ناپاک چیزیں دینے کا قصد نہ کرنا کہ اگر وہ چیزیں تمہیں دی جائیں تو بجز اس کے کہ لیتے وقت آنکھیں بند کر لو ان کو کبھی نہ لو۔ اور جان رکھو کہ اللہ بے نیاز ہے خوبیوں والا ہے۔

تشریح

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں عمدہ اور پاک چیزیں خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ناقص اور ناپسندیدہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینے کی ممانعت بھی کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے کہ اصل مومن وہ ہیں جو اس کی راہ میں بہترین چیزیں خرچ کرتے ہیں۔ انسان جو مال بھی کماتا ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قابلیتوں اور طاقتوں کے بل بوتے پر ہی کماتا ہے۔ اسی طرح زمین جو کچھ بھی پیدا کرتی ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ ہی کی بدولت ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس کی مرضی اور منشا کے بغیر تو ایک پتا بھی نہیں ہل سکتا۔ لہٰذا مومنوں کو تلقین کی جا رہی ہے کہ راہِ خدا میں خرچ کرنے سے پہلے اچھی طرح دیکھ لو کہ مال عمدہ ہونا چاہیے۔ ایسا مال یا چیزیں جو لیتے وقت تمھیں خود اچھی نہ لگیں انہیں فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے بھی گریز کرو۔

انفاق فی سبیل اللہ کا مجموعی فلسفہ یہی ہے کہ ہم جو کچھ بھی کمائیں اس کا کچھ حصہ زکوٰۃ، خیرات اور صدقے کی صورت میں اللہ کے ان بندوں کو بھی دیں جو کسی وجہ سے محتاج ہو گئے ہیں یا کسی سبب سے معاشی دوڑ میں ہم سے پیچھے رہ گئے ہیں۔

awazeinqilab.com

سورۃ الانعام آیت نمبر152

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ترجمہ: اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریق سے جو بہت ہی پسندیدہ ہو۔

یعنی جس یتیم کی کفالت کسی مسلمان کی ذمہ داری قرار پائے، تو اس کی ہر طرح سے خیر خواہی کرنا اس کا فرض ہے۔ اس خیر خواہی کا تقاضا ہے کہ اگر اس کے اس مال سے یعنی وراثت میں سے اس کو جو حصہ ملا ہے، چاہے وہ نقدی کی صورت میں ہو یا زمین اور جائیداد کی صورت میں، تاہم ابھی وہ اس کی حفاظت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا تو اس کے مال کی اس وقت تک پورے خلوص سے حفاظت کی جائے جب تک وہ بلوغت اور شعور کی عمر کو نہ پہنچ جائے۔ یہ نہ ہو کہ کفالت کے نام پر، اس کی عمر شعور سے پہلے ہی اس کے مال یا جائیداد کو ٹھکانے لگا دیا جائے۔

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ترجمہ: اور ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پورا پورا کیا کرو۔

یعنی ناپ تول میں کمی کرنا، لیتے وقت پورا ناپ تول لینا، مگر دیتے وقت ایسا نہ کرنا، بلکہ ڈنڈی مار کر دوسرے کو کم دینا۔ یہ نہایت پست اور اخلاق سے گری ہوئی بات ہے۔ قوم شعیب علیہ السلام میں یہی اخلاقی بیماری تھی جو ان کی تباہی کا سبب بنی۔

لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ترجمہ: ہم کسی کو تکلیف نہیں دیتے مگر اُس کی طاقت کے مطابق۔

یعنی جن باتوں کی ہم تاکید کر رہے ہیں۔ یہ ایسی نہیں ہیں کہ جن پر عمل کرنا مشکل ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم ان کا حکم ہی نہ دیتے، اس لیے کہ طاقت سے بڑھ کر ہم کسی کو مکلف ہی نہیں ٹھہراتے۔

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ترجمہ: اور جب (کسی کی نسبت) کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو، گو وہ تمہارا رشتہ دار ہی ہو۔

یعنی جب مقدمات کا فیصلہ کرو تو عدل اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو۔

وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ترجمہ: اور اللہ کے عہد کو پورا کرو۔

اللہ تعالیٰ نے عہد توڑنے کو حرام قرار دیا ہے، چاہے وہ اللہ کے ساتھ ہو یا کسی انسان کے ساتھ۔

سورۃ الحشر آیت نمبر 7

مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۚ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

ترجمہ: اور جو مال اللہ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بستیوں والوں سے دلوایا ہے وہ اللہ کے اور پیغمبر کے اور پیغمبر کے قرابت والوں کے اور یتیموں کے اور حاجتمندوں کے اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ جو لوگ تم میں دولت مند ہیں دولت انہی کے ہاتھوں میں گردش نہ کرتا رہے اور جو چیز تم کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیں وہ لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے باز رہو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

تشریح

اس آیتِ مبارکہ میں مالِ غنیمت کی تقسیم کا ذکر ہے اور ساتھ ہی اس تقسیم کی حکمت کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے تاکہ کسی کے دل ودماغ میں کوئی فتور نہ آنے پائے۔ زمانہ جاہلیت میں جنگ کے بعد جو مال ہاتھ آتا تھا اس کا زیادہ تر حصہ قوم کے سردار لے لیتے تھے اور عام لوگوں کے حصے میں بہت کم آتا تھا۔ اس آیت میں مالِ غنیمت کی تقسیم کا اختیار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا گیا۔ مالِ غنیمت میں درج ذیل لوگ شامل ہوں گے۔ (۱) اللہ اور اس کا رسول (۲) نبی کریمؐ کے رشتہ دار (۳) یتیم (۴) مسکین (۵) مسافر

مالِ غنیمت کی اس طرح کی تقسیم کی حکمت یہ بتائی گئی ہے کہ اس طرح مال چند ہاتھوں میں مرکوز ہو کر نہیں رہے گا بلکہ اس کی گردش زیادہ وسیع ہو جائے گی نیز معاشرے کے محروم طبقات مثلاً یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کی ضروریاتِ زندگی کا بھی

awazeinqilab.com

اہتمام ہو سکے گا۔ اس آیت میں یہ بھی فرمایا گیا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تمہیں جو کچھ دیں اسے بخوشی لے لیا کرو اور جس چیز سے منع کر دیں اس سے رک جایا کرو۔ اسی میں تمہاری بہتری اور بھلائی ہے اور اس ضمن میں اللہ سے ڈرتے رہا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ رسول کی اطاعت نہ کرنے سے تمہارے اعمال بھی ضائع کر دیے جائیں۔ بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔

سورۃ المزمل آیت نمبر20

إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُومُ أَدْنَىٰ مِن ثُلُثَيِ اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ
مَعَكَ ۚ وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۚ عَلِمَ أَن لَّن تُحْصُوهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۖ فَاقْرَءُوا مَا
تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ عَلِمَ أَن سَيَكُونُ مِنكُم مَّرْضَىٰ ۙ وَآخَرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ
يَبْتَغُونَ مِن فَضْلِ اللَّهِ ۙ وَآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۚ
وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُم مِّنْ
خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِندَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا ۚ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٠﴾

ترجمہ: تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے کہ تم اور تمہارے ساتھ کے لوگ کبھی دو تہائی رات کے قریب اور کبھی آدھی رات اور کبھی تہائی رات قیام کیا کرتے ہو اور اللہ رات اور دن کا اندازہ رکھتا ہے۔ اس نے معلوم کیا کہ تم اسکو نباہ نہ سکو گے تو اس نے تم پر مہربانی کی پس جتنا آسانی سے ہوسکے اتنا قرآن پڑھ لیا کرو۔ اس نے جانا کہ تم میں بعض بیمار بھی ہونگے اور بعض اللہ کے فضل یعنی معاش کی تلاش میں ملک میں سفر کرینگے اور بعض اللہ کی راہ میں لڑیں گے تو جتنا آسانی سے ہوسکے اتنا قرآن پڑھ لیا کرو اور نماز قائم کرتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کو نیک نیتی سے قرض دیتے رہو اور جو نیک عمل تم اپنے لئے آگے بھیجو گے اسکو اللہ کے ہاں بہتر اور صلے میں بہت عظیم پاؤ گے۔ اور اللہ سے بخشش مانگتے رہو۔ بیشک اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے۔

تشریح

اس آیت کریمہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے رات کے قیام کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسے تمہارا اور تمہارے ساتھیوں کے قیام اللیل کا علم ہے۔ فرمایا گیا جتنا آسانی سے قرآنِ پاک کی تلاوت ہو سکے کرلیا کرو اور اپنے آپ کو تنگی میں نہ ڈالا کرو۔ کیونکہ بعض اوقات لوگ بیمار بھی ہوتے ہیں اور سفر میں بھی ہوتے ہیں اور بعض اوقات تلاشِ معاش میں دوسرے علاقوں میں بھی گئے ہوتے ہیں۔ اور بعض مجاہدین اللہ کے راستے میں اللہ کے دشمنوں اور باغیوں (کفار) سے لڑیں گے۔ اس لیے جتنا آسانی سے ہو سکے پڑھ لیا کرو۔ بھی فرمایا گیا کہ نماز قائم کیے رکھو، زکوٰۃ کی ادائیگی باقاعدگی سے کرتے رہو اور فراخ دلی سے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہو۔ اس آیت میں انفاق فی سبیل اللہ کو اللہ کو قرض دینے کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ یہ قرض نہایت بڑھا کر واپس کردے گا۔ جو مال بھی اللہ کے راستے میں خرچ ہوگا اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا بہترین اجر ملے گا۔ علاوہ ازیں مغفرت طلب کرنے کا بھی حکم ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نہایت مہربان اور بخشنے والا ہے۔

سورۃ المطففین آیت نمبر1

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ﴿١﴾

ترجمہ: ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے خرابی ہے۔

تشریح

اس آیت کریمہ میں ان کے لئے وعید سنائی گئی ہے جو ماپ تول میں کمی کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے "ویل" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے یعنی ان کے لیے خرابی ہے، افسوس اور گھاٹے کی بات ہے۔

روزمرّہ معاملات میں جو لوگ اپنی چیزوں کی قیمت پوری وصول کر لینے کے بعد ناپ تول میں کمی کر دیتے ہیں

awazeinqilab.com

وہ اپنے رزق کو حرام کر بیٹھتے ہیں۔ بظاہر وہ سوچتے ہیں کہ شاید وہ کامیاب ہو گئے ہیں لیکن دراصل وہ گھاٹے میں رہتے ہیں۔ ایک تو ایسے لوگوں کے مال میں برکت نہیں رہتی۔ دوسرا آہستہ آہستہ لوگ ان پر اعتبار کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں مجرم بن جاتے ہیں۔ روزِ محشر انہیں اپنے ہر ہر عمل کا حساب دینا پڑے گا۔ قیامت والے دن ایسے لوگوں کا کڑا احتساب ہوگا۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے روزمرہ کاروبار میں کسی کو دھوکا نہ دیں۔ ناپ تول پورا کریں اور مال میں کسی قسم کی ملاوٹ نہ کریں ورنہ روز قیامت رسوائی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

مشق

سوال 1: سبق کی روشنی میں درج ذیل سوالوں کے جواب لکھیں۔

i- ناجائز طریقے سے دوسروں کا مال کھانے کی وضاحت کریں۔

ii- ''انفاق فی سبیل اللہ'' کے بارے میں لوگ نبی اکرمؐ سے کیا سوال کرتے تھے؟

iii- سورۃ الانعام کی آیت نمبر 152 میں کن چیزوں سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے؟

iv- مالِ غنیمت کی تقسیم کا کون سا طریقہ بتایا گیا ہے؟

v- اللہ کو قرض دینے سے کیا مراد ہے؟

vi- ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے کون سی وعید سنائی گئی ہے؟

سوال 2: سبق کے مطابق درج ذیل سوالوں کے تفصیلی جوابات دیے جائیں۔

شراب اور جوئے کے بارے میں قرآن مجید کے احکامات بیان کریں

قیام اللیل کے بارے میں قرآن و حدیث کی روشنی میں تفصیل سے لکھیں۔

سرگرمی

معلم/معلمہ، طلباء/طالبات میں ''انفاق فی سبیل اللہ'' کے موضوع پر تقریری مقابلہ کرائے۔

قصص الانبیاء: اندازِ بیان اور مقاصد

قرآن حکیم میں مختلف انبیائے کرام کے قصے بیان کیے گئے ہیں۔ انہیں بیان کرنے کا انداز انتہائی دلنشیں ہے اور اتنے موثر انداز سے بیان کیے گئے ہیں کہ قاری ان حالات و واقعات میں کھو جاتا ہے۔ انہیں بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان کی دعوت و تبلیغ کے طریقوں سے آگاہ کیا جائے۔ جن لوگوں نے ان کی دعوتِ حق کو قبول کیا انہیں اللہ تعالیٰ نے مختلف انعامات سے نوازا اور جنہوں نے کفر کی روش برقرار رکھی ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا اور وہ صفحۂ ہستی سے نیست و نابود ہو گئے۔

سورۃ الاعراف آیت نمبر 176

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ
اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ
فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝

ترجمہ: اور اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں سے اس کے درجے کو بلند کر دیتے۔ مگر وہ تو پستی کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا۔ تو اسکی مثال کتے کی سی ہوگئی کہ اگر اس پر حملہ کرو زبان نکالے رہے یا اسے یونہی چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے۔ یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو ان سے یہ قصہ بیان کردو۔ تاکہ وہ فکر کریں۔

تشریح

اس آیت کریمہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے بنی اسرائیل کی قوم کا ذکر ہے۔ اس میں بنی اسرائیل کے اس شخص کا بیان ہے جس نے اللہ کی آیتوں کا انکار کر دیا اور شیطان کی پیروی کرنے لگا اور اپنی خواہشِ نفس کے مطابق

awazeinqilab.com

چلنے لگا۔ قرآنِ حکیم نے اسے کتے کی عادت سے تشبیہ دی ہے کہ اگر اس پر سختی کریں پھر بھی زبان نکالے رکھتا ہے اور اگر سختی نہ کریں پھر بھی زبان باہر نکالے رکھتا ہے۔ جو لوگ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں ان کی مثال ایسی ہی ہے۔ حضرت موسیٰ سے فرمایا جا رہا ہے کہ اپنی قوم کے لوگوں کو اس کی مثال دو شاید اس طرح سے یہ سمجھ جائیں اور راہِ راست پر آ جائیں۔ یہ قرآنِ حکیم کا خاص انداز ہے کہ وہ مختلف مثالوں کے ذریعے لوگوں کو کتابِ ہدایت پر عمل کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ خوش قسمت ہوتے ہیں وہ لوگ جو نصیحت قبول کر لیتے ہیں۔

سورۃ ھود آیت نمبر 120

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

ترجمہ: اور اے نبی! پیغمبروں کے وہ سب حالات جو ہم تم سے بیان کرتے ہیں ان سے ہم تمہارے دل کو جمائے رکھتے ہیں اور ان حالات میں تمہارے پاس حق پہنچ گیا اور یہ مومنوں کے لئے نصیحت اور عبرت ہے۔

تشریح

اس آیت کریمہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا جا رہا ہے کہ ہم تمھیں دیگر انبیائے کرام کے قصص سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے حالات و واقعات سے اچھی طرح آگاہ ہو جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دیگر نبیوں کے قصے بیان کرنے کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قلبی طور پر مزید مضبوط کیا جائے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دعوتِ حق کے پرچار کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے مومنوں کے لیے بھی اس آیت میں پیغام ہے کہ نبیوں کو جھٹلانا اور ان کی باتوں پر عمل نہ کرنا، قوموں کا وطیرہ رہا ہے۔ جو لوگ اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں انہیں سخت سزا دی جاتی ہے اور جو حق کی

دعوت کو قبول کر لیتے ہیں وہ انعامات کے حقدار ٹھہرتے ہیں۔ قرآنِ حکیم میں دوسرے نبیوں کے قصے بیان کرنے کا مقصد یہی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امتی بھی سابقہ قوموں کے رویوں کے بارے میں جان لیں اور ان کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔

سورۃ یوسف آیت نمبر 3

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝

ترجمہ: اے پیغمبر ہم اس قرآن کے ذریعے سے جو ہم نے تمہاری طرف بھیجا ہے تمہیں ایک نہایت اچھا قصہ سناتے ہیں۔ اور تم اس سے پہلے بے خبر تھے۔

تشریح

اس آیت کریمہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ قرآنِ حکیم نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کو بہترین قصہ قرار دیا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام آپ سے بہت پیار کرتے تھے۔ جس سے ان کے بھائی حسد کرنے لگے اور حضرت یوسف علیہ السلام کو گھر سے باہر لے جا کر ایک کنویں میں پھینک آئے اور گھر آ کر بتایا کہ انہیں بھیڑیا کھا گیا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام بے حد مغموم ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کی بادشاہی مل گئی۔ اسی دوران حضرت یوسف علیہ السلام پر زلیخا نے الزام بھی لگایا لیکن آپ پر لگایا گیا الزام جھوٹ ثابت ہوا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں ہمارے لیے کئی سبق ہیں۔ جن میں سے درج ذیل زیادہ اہم ہیں۔

۱۔ دوسروں کے ساتھ حسد کرنے سے بچنا چاہیے۔

۲۔ مصیبت کے وقت صبر سے کام لینا چاہیے۔

۳۔ اگر بندہ سچا ہوتو بالآخر اس کی سچائی ضرور سامنے آجاتی ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو طاقت اور وسائل ضرور عطا کرتا ہے۔

سورۃ یوسف آیت نمبر 111

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ
تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

ترجمہ: ان کے قصے میں عقلمندوں کے لئے عبرت ہے۔ یہ قرآن ایسی بات نہیں ہے جو اپنے دل سے بنائی گئی ہو بلکہ جو کتابیں اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں انکی تصدیق کرنے والا ہے اور ہر چیز کی تفصیل کرنے والا اور مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

تشریح

یہ آیت کریمہ سورہ یوسف کی آخری آیت ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے میں عقل والوں کے لیے عبرت کا سامان موجود ہے۔ قرآنِ حکیم بے مقصد قصے بیان نہیں کرتا بلکہ ان کے اندر عبرت کا سامان ہوتا ہے۔ جو لوگ عقل رکھتے ہیں، سوچتے اور سمجھتے ہیں وہ ان قصوں سے سبق حاصل کر کے اپنی زندگی کی اصلاح کا سامان کر لیتے ہیں۔ ان میں مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت موجود ہوتی ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم قرآنِ مجید میں بیان کردہ انبیائے کرام کے قصوں کا مطالعہ کریں اور ان سے سبق حاصل کریں اور اپنی زندگی میں قرآنِ مجید کی ہدایات کی روشنی میں نکھار لائیں تاکہ ہمیں اس دنیا میں بھی کامیابی حاصل ہو اور آخرت میں بھی فلاح سے ہمکنار ہوں۔

مشق

سوال 1: سبق کی روشنی میں درج ذیل سوالوں کے جواب لکھیں۔

i۔ قرآنِ پاک میں انبیائے کرام کے قصوں کو بیان کرنے کا کیا مقصد ہے؟ 30

ii۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟ 31

iii۔ خواہشِ نفس کی پیروی کرنے والے کی مثال کس سے دی گئی ہے؟ 30

سرگرمی

قرآن مجید میں جن انبیاء کرام کے قصے بیان ہوئے ہیں۔ ان کے نام تحریر کریں؟

awazeinqilab.com

سورۃ التوبہ آیت نمبر103

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۖ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ: انکے مال میں سے زکوۃ قبول کرلو کہ اس سے تم انکو ظاہر میں بھی پاک اور باطن میں بھی پاکیزہ کرتے ہو اور انکے حق میں دعائے خیر کرو کہ تمہاری دعا انکے لئے موجب تسکین ہے اور اللہ سننے والا ہے جاننے والا ہے۔

تشریح

اس آیت کریمہ سے پہلے مہاجرین اور انصار کے ان لوگوں کا ذکر ہے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگیا۔ اس کے بعد منافقین کا ذکر ہے، جنہیں دوہرا عذاب دیا جائے گا۔ اس آیتِ مبارکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا گیا ہے کہ اہل ایمان کے مال میں سے زکوۃ لے لیں کیونکہ اس طرح ان کا مال پاک ہوجائے گا اور ان کے دل مال کی محبت اور بخل کی برائی سے پاک ہوجائیں گے جو اصلاح نفس کے لیے ایک ضروری چیز ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر مال کی زکوۃ نہ دی جائے تو مال ناپاک ہی رہتا ہے بیشک حلال طریقے سے کمایا گیا ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ہدایت بھی دی گئی ہے کہ زکوۃ لے لینے کے بعد ان کے حق میں دعائے خیر بھی کریں تاکہ وہ مطمئن ہوجائیں اس لیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا ان کے لیے وجۂ تسکین دل و جان ہے۔

وہ لوگ خوش نصیب تھے جن کے لیے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود دعا فرمایا کرتے تھے۔ روایات میں آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ساری امت کے لیے اکثر دعا کیا کرتے تھے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اچھے اعمال کریں۔ نبیؐ رحمت کی اطاعت اور اتباع کریں، زکوۃ ادا کرتے رہیں۔ اپنے مال کو پاکیزہ رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے دلوں کا بھی تزکیہ کریں تاکہ اللہ کی رحمت حاصل کریں۔

سورۃ الحجرات آیت نمبر13

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: لوگو! ہم نے تمکو ایک مرد اورایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے۔ تاکہ ایک دوسرے کی شناخت کرو۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا ہے سب سے خبردار ہے۔

تشریح

اس آیت کریمہ میں وحدتِ بنی نوع انسان کا ذکر ہے ۔ فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ایک مرد ا[illegible] ایک عورت سے پیدا فرمایا ہے (یعنی حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوّا علیہا السلام) پھر قومیں اور قبیلے اس لیے پیدا [illegible] تاکہ شناخت ہو سکے۔ کوئی شخص اللہ کے ہاں اپنے رنگ، نسل، زبان یا علاقے کی بنا پر محترم نہیں بلکہ محترم وہ ہے جو اچھے [illegible] کرتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی ارشاد ہے کہ کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر، کسی عربی ک[illegible] پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے۔

اللہ کے نزدیک عزت کا معیار صرف اور صرف تقویٰ ہے۔ باقی ساری چیزیں محض پہچان اور شناخت کے لی[illegible] گئی ہیں۔ قانون کی نظر میں سب برابر ہیں۔ سب لوگوں کو معاشی اور معاشرتی مساوات حاصل ہونی چاہئیں۔ ہم[illegible] چاہیے کہ ہم روزمرّہ معمولات میں کسی کی عزت اور ذلت کا قاعدہ اس کے اچھے یا برے اعمال رکھیں تاکہ معاشر[illegible] قانون کا احترام بڑھے۔ لوگوں کا اعتماد بحال ہو اور انہیں تمام بنیادی حقوق میسر آ جائیں۔

سورۃ الشمس آیت نمبر 9 اور 10

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ۝

ترجمہ: کہ جس نے اپنے نفس کو پاک رکھا وہ مراد کو پہنچا۔ اور جس نے اسے خاک میں ملایا وہ نامراد رہا۔

تشریح

ان آیات مبارکہ میں نفس کو پاک رکھنے والوں کے لیے خوشخبری ہے۔ وہ لوگ بڑے خوش قسمت ہوتے ہیں جو اپنے دلوں کو ہر قسم کے [illegible] سے [illegible] کیونکہ [illegible] نفسانی جذبات دل میں ہی جنم لیتے ہیں۔ شیطانی وسوسے، شہوانی خیالات، حرص، ہوس، لالچ، حسد، کینہ، بغض اور غیبت جیسی برائیوں سے دلوں کو پاک رکھنا انتہائی سعادت مندی کی بات ہے۔ ایسے لوگ ہی دنیا و آخرت میں کامیاب ہوں گے۔ مُراد کو پہنچنے کا مطلب ہے کہ ایسے لوگ آخرت میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو جائے گا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے من پسند زندگی میں ہوں گے۔ دوسری آیت میں ان لوگوں کو وعید سنائی گئی ہے جو اپنے نفسوں کو آلودہ رکھتے ہیں یعنی برائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کی بجائے شیطانی راستے پر چلتے ہیں اور اپنی خواہشات کے غلام بنے رہتے ہیں۔ ایسے لوگ ہمیشہ نامراد ہی رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان پر غضب ناک ہوگا اور وہ دوزخ کی آگ میں جھونک دیے جائیں گے۔

ان آیات کی روشنی میں ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر نبی آخر الزماں کی لائی ہوئی شریعت مطہرہ پر عمل کریں۔ اپنے دلوں کو پاک صاف رکھیں اور کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے اللہ اور اس کا رسول ناراض ہو۔

سورۃ البقرۃ آیت نمبر 83

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۟ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝

ترجمہ: اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ بھلائی کرتے رہنا اور لوگوں سے اچھی باتیں کہنا اور نماز پڑھنا اور زکوۃ دیتے رہنا۔ تو چند آدمیوں کے سوا تم سب اس عہد سے منہ پھیر کر پلٹ گئے۔

تشریح

اس آیت مبارکہ میں بنی اسرائیل کو یاد دلایا گیا ہے کہ جب ان سے اللہ نے عہد لیا کہ خالصتاً اللہ ہی کی عبادت کرنا، والدین، رشتہ داروں، یتیموں اور محتاجوں کے ساتھ بھلائی کرنا، عام لوگوں سے حسن سلوک سے پیش آنا اور ان سے اچھی بات کہنا، نماز قائم کرنا اور زکوۃ دیتے رہنا تو چند لوگوں کے سوا کسی نے بھی اپنے عہد کی پاسداری نہ کی اور اپنے عہد سے پھر گئے۔

اس آیتِ کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ منزلِ مراد حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ صرف اسی کی عبادت کی جائے۔ والدین سے حسن سلوک کیا جائے۔ ان کی خدمت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی

awazeindilab.com

جائے۔ رشتے داروں، غریبوں، یتیموں، مسکینوں اور محتاجوں کی مدد کی جائے اور تمام لوگوں سے اچھی اور بھلائی کی بات کی جائے تاکہ آخرت میں کامیابی حاصل ہو۔

معاشرتی لحاظ سے از حد ضروری ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا تمام لوگوں سے حسنِ سلوک کیا جائے تاکہ معاشرے میں محبت و اخوت کو فروغ حاصل ہو اور معاشرہ امن کا گہوارہ بن جائے۔ اسلامی تعلیمات مسلم معاشرے کو پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتی ہیں۔ اگر توحید کے ساتھ ساتھ اپنے اردگرد کے لوگوں سے بھلائی کی جائے تو نہایت احسن بات ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسروں سے خندہ پیشانی سے پیش آنے کو بھی صدقہ قرار دیا ہے۔

سورۃ البقرۃ آیت نمبر180

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِن تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿١٨٠﴾

ترجمہ: تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت کا وقت آجائے تو اگر وہ کچھ مال چھوڑ جانے والا ہو تو ماں باپ اور رشتہ داروں کے لئے دستور کے مطابق وصیت کر جائے اللہ سے ڈرنے والوں پر یہ ایک حق ہے۔

تشریح

وصیت کرنے کا یہ حکم سورۃ نساء کی آیت مواریث سے قبل نافذ العمل تھا اور جب سورۃ نساء کی آیت نمبر ۱۱ نازل ہوئی تو یہ حکم منسوخ ہوگیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ان اللہ اعطیٰ کل ذی حق حقه، فَلاَ وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ (سنن اربعہ، ابن کثیر) اللہ تعالیٰ نے ہر حق دار کو اس کا حصہ میراث مقرر کرکے دیدیا ہے اب کسی وارث کے لیے وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ غیر وارث رشتہ دار یا خیر کے کاموں کے لیے اگرچہ وصیت جائز ہے لیکن وہ بھی کل ترکہ کے ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو۔

سورۃ البقرہ آیت نمبر215

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ ۖ قُلْ مَا أَنفَقْتُم مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿٢١٥﴾

ترجمہ: اے نبی لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کس طرح کا مال خرچ کریں۔ کہہ دو کہ جو چاہو خرچ کرو لیکن جو مال خرچ کرنا چاہو وہ درجہ بدرجہ اہل استحقاق یعنی ماں باپ کو اور قریب کے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو سب کو دو اور جو بھلائی تم کرو گے اللہ اس کو جانتا ہے۔

اس آیتِ کریمہ میں مال خرچ کرنے کی ترجیحات کا ذکر ہے۔ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ کی خوشنودی کے حصول کے لیے اس کی راہ میں مال خرچ کرنے کے بارے میں دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کہاں خرچ کریں؟ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ سب سے پہلے تو اپنے والدین کی ضروریات کا خیال رکھو ان کی خدمت میں کوئی کسر نہ اٹھا نہ رکھو۔ ایسا نہ ہو کہ دور دراز کے محروم طبقوں کی خدمت کرتے رہو اور گھر میں والدین بنیادی ضروریات کو ترستے رہیں۔ اسلامی تعلیمات کا یہ حسن ہے کہ وہ معاشرتی ترجیحات کا تعین بھی کر دیتی ہیں۔ اس آیت میں زکوٰۃ کے علاوہ اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے خرچ کرنے کا ذکر ہے۔ اس سلسلے میں انسان کو چاہیے کہ وہ سب سے پہلے اپنے والدین کی خدمت کرے اس کے بعد قریبی رشتہ داروں کے کام آئے۔ پھر یتیموں، محتاجوں، بے سہاروں اور مسکینوں کی مدد کرے۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے مالوں میں ان تمام لوگوں کا بھی حق ہوتا ہے۔ دراصل انسان کو ہمیشہ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ انسان کو جو مال و دولت بھی نصیب ہوتی ہے، سب اللہ کی طرف سے ہی عطا کی جاتی ہے۔ اس لیے کہ

اسباب بھی وہی پیدا کرتا ہے، صلاحیتیں بھی وہی عطا کرتا ہے۔ تندرستی بھی اُسی کی عطا کردہ نعمت ہے جس کی بدولت انسان مال و دولت کمانے کے قابل ہوتا ہے۔ اس لیے اسے چاہیے کہ دل کھول کر راہِ خدا میں خرچ کرے اور ہمیشہ یہ حقیقت ذہن میں رکھے کہ رزق کی فراوانی وتنگی اللہ کے ہاتھ میں ہے جو جسے چاہے عطا کر دے اور جس سے چاہے چھین لے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے والدین، رشتہ داروں، غریبوں، محتاجوں، مسافروں اور دیگر محروموں کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

سورۃ بنی اسرائیل آیت نمبر 23

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا

ترجمہ: اور تمہارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ اسکے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہو اگر ان میں سے ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اُف تک نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا اور ان سے بات ادب کے ساتھ کرنا۔

تشریح

اس آیتِ مبارکہ میں والدین سے حُسنِ سلوک کی تلقین کا ذکر ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ قرآنِ حکیم میں بار بار اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو کیونکہ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ وہ ہر چیز کا خالق و مالک اور رازق ہے۔ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اسی کا ہے۔ وہ قیامت کے دن کا بھی مالک ہے۔ یہ دنیا فانی ہے اور ایک دن ختم ہو جائے گی۔ سب

نے اسی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ ہر کسی کو اپنے اعمال کا حساب دینا پڑے گا۔ جن کے اعمال اچھے ہونگے وہ جنت میں جائیں گے اور جن کے اعمال برے ہوں گے انکا ٹھکانہ جہنم ہے۔

والدین سے حسنِ سلوک کرنا نیکی ہے۔ جب وہ بوڑھے ہوجائیں تو ان کی بطور خاص خدمت کرنا اولاد کے ذمہ ہے۔ ان میں سے ایک یا دونوں جب بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں تو ان کی زیادہ سے زیادہ خدمت اولاد کے ذمہ ہوتی ہے۔ ان کی کسی ناگوار بات پر اف تک نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حدیث مبارکہ میں بھی اولاد پر لازم قرار دیا گیا ہے کہ ان کی خدمت کریں۔ ماں کے قدموں [illegible] والدین کی رضامندی میں اللہ کی رضامندی کا حکم سنایا گیا ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے والدین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کریں اور رحمتِ خداوندی کے حقدار بن جائیں۔

سیاستِ مدنیہ — سورۃ النساء آیت نمبر 59

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝59

ترجمہ: مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی۔ پھر اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روزِ آخر پر ایمان رکھتے ہو تو اس میں اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی طرف رجوع کرو۔ یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔

تشریح

اس آیتِ کریمہ میں مومنوں پر لازم قرار دیا گیا ہے کہ وہ اللہ، اس کے رسول اور صاحبِ حکومت کی فرماں برداری کریں۔ اور اگر کسی بات پر اختلاف پیدا ہو جائے تو تصفیے کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کریں۔ یہی سب سے اچھی حکمت عملی ہے اور اس کا انجام بھی بہترین ہے۔

قرآن مجید میں بار بار اللہ اور رسول کی اطاعت کا ذکر ہے لیکن اس آیتِ مبارکہ میں اولی الامر کی اطاعت بھی لازمی قرار دی گئی ہے۔ بعض نے اولو الامر سے مراد علماء وفقہاء لیے ہیں اور بعض نے اہلِ حکومت مراد لیے ہیں۔ اگر اس آیت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی درج ذیل حدیث کی روشنی میں دیکھا جائے تو اس سے مراد اہلِ حکومت ہی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر تم پر نکٹا حبشی غلام بھی سربراہِ حکومت بنا دیا جائے تو اس کی اطاعت کرو۔ لیکن اگر وہ اللہ کی نافرمانی کا حکم دے تو پھر اس کی اطاعت نہیں ہوگی۔ اس آیت میں یہ بھی ذکر ہے کہ اگر کسی معاملے پر اختلاف ہو جائے تو پھر اللہ اور رسول یعنی کتاب وسنت کی طرف رجوع کر لو۔ اس لیے کہ حتمی فیصلہ تو کتاب وسنت کے مطابق ہی ہوگا۔ اختلاف کی صورت میں کتاب وسنت کی طرف رجوع کرنے کی تلقین بھی اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ اولی الامر سے مراد اہلِ اقتدار ہی ہیں۔

اسلامی تعلیمات معاشرتی امن وسکون اور خوشحالی کی ضامن ہیں اس لیے اہلِ حکومت کی اطاعت بھی لازمی قرار دی گئی ہے یعنی حکومتِ وقت کے قوانین کو ماننا اور ان پر عمل کرنا۔ تاہم اس بات کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ اگر کوئی ایسا قانون بن جائے جو کتاب و سنت کے منافی ہے تو پھر اس قانون کی فرمانبرداری نہیں ہوگی، اس لیے کہ اقتدارِ اعلیٰ تو صرف اور صرف اللہ ہی کو حاصل ہے۔

مشق

سوال 1: سبق کی روشنی میں درج ذیل سوالات کے جواب لکھیں۔

i- مال کو کیسے پاک کیا جاتا ہے؟

ii- اسلام نے وحدتِ نسل انسانی کا کس طرح ذکر کیا ہے؟

iii- فضیلت کا معیار کس چیز کو ٹھہرایا گیا ہے؟

iv- بنی اسرائیل سے کس بات کا عہد لیا گیا تھا؟

v- کن کے بارے میں وصیت کی تاکید کی گئی ہے؟

vi- مسلمانوں کو جہاد کی کیسے تلقین کی گئی ہے؟

vii- والدین سے حسن سلوک کی وضاحت کریں۔

viii- اولی الامر سے کون لوگ مراد ہیں؟

ix- اسلامی تعلیمات کس طرح معاشرتی امن کی ضامن ہیں؟

سوال 2: مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔

i- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ______ کے لیے اکثر دعا مانگا کرتے تھے۔

ii- حضرت آدم علیہ السلام تمام انسانوں کے ______ ہیں۔

iii- اسلام معاشرتی ______ کا درس دیتا ہے۔

iv- ہمیں اپنے وعدوں کی ______ کرنی چاہیے۔

v- اسلام نے وراثت کے ______ مقرر کیے ہیں۔

vi- اسلام سے پہلے ______ کو وراثت میں حصہ نہیں ملتا تھا۔

vii- جہاد اسلام کا ______ بڑا رکن ہے۔

viii- خالق، مالک اور رازق اللہ تعالیٰ کی ______ ہیں۔

ix- حبشی غلام کی ______ بھی لازم قرار دی گئی ہے۔

x- اقتدارِ اعلیٰ کا مالک ______ ہے۔

سرگرمیاں

i- قرآنِ حکیم سے ایک ایسی آیت تلاش کریں جس میں معاشی تعلیم دی گئی ہو۔

ii- ایسی پانچ آیات کی نشاندہی کریں جس میں اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہو۔

د- عبادات

انفاق: زکوٰۃ وصدقات اور خیرات

عبادات میں انفاق فی سبیل اللہ کو اہم مقام حاصل ہے۔ قرآنِ حکیم میں نماز کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کی ادائیگی پر زور دیا گیا ہے۔ سورۃ البقرۃ کی ابتدا میں ہی جہاں قرآنِ حکیم کو متقین کے لیے ہدایت قرار دیا گیا ہے وہاں متقین کی ایک نشانی یہ بھی بتائی گئی ہے کہ وہ اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اسلام دولت جمع کرنے اور اسے ذخیرہ کرنے کی ان تمام صورتوں کی واضح انداز میں حوصلہ شکنی کرتا ہے جن میں دولت کی منصفانہ تقسیم ممکن نہ ہو۔ تقسیم دولت کے حوالے سے اسلامی ہدایات واضح ہیں ان میں زکوٰۃ سب سے اہم ہے۔

قرآنِ حکیم نے زکوٰۃ کی ادائیگی کو کہیں تو توحید کے ساتھ منسلک کیا ہے اور کہیں آخرت اور نماز کے ساتھ اس کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ ۚ (الاعراف: 156)

ترجمہ: اور میری رحمت ہر چیز کو شامل ہے۔ میں اس کو ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو پرہیز گاری کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔

وَوَیْلٌ لِّلْمُشْرِكِیْنَ ۙ الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ (حٰم سجدہ: 7,6)

ترجمہ: اور مشرکوں پر افسوس ہے جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں۔

وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَاۡ فِیْۤ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَكٰوةٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝ (الروم: 39)

ترجمہ: اور جو سود تم دیتے ہو کہ وہ لوگوں کے مال میں بڑھے تو اللہ کے نزدیک تو وہ بڑھتا بھی نہیں اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو اللہ کی رضامندی طلب کرتے ہوئے تو وہ موجب برکت ہے اور ایسے ہی لوگ اپنے مال کو کئی گنا کرنے والے ہیں۔

درج بالا آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام نے زکوٰۃ کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے صاحب نصاب ہونا ضروری ہے۔ ساڑھے باون تولے چاندی، ساڑھے سات تولہ سونا، مالِ تجارت اور جمع شدہ رقم پر اگر ایک پورا سال گزر جائے تو اس کا چالیسواں حصہ نکال کر راہِ خدا میں دینا زکوٰۃ کہلاتا ہے۔ مال و زر کے علاوہ مویشیوں پر بھی زکوٰۃ فرض قرار دی گئی ہے۔

اسلام نے جہاں زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے نصاب مقرر کیا ہے وہاں مصارفِ زکوٰۃ بھی بتا دیے گئے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ؕ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝ (التوبہ: 60)

ترجمہ: صدقات یعنی زکوٰۃ و خیرات تو مفلسوں اور ناداروں اور کارکنانِ صدقات کا حق ہے اور ان لوگوں کا جنکے دل جیتنا منظور ہے اور غلاموں کے آزاد کرانے اور قرضداروں کے قرض ادا کرنے میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کی مدد میں بھی یہ مال خرچ کرنا چاہیے یہ مصارف اللہ کی طرف سے مقرر کر دیے گئے ہیں اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے۔

awazeinqilab.com

قرآنِ مجید میں زکوٰۃ کے علاوہ انفاق فی سبیل اللہ کی دیگر صورتیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ جن میں صدقات سب سے اہم ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ (البقرۃ:195)

ترجمہ: اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے سے مراد یہ ہے کہ کنجوسی اور بخل اختیار نہ کرو اور مال کی محبت میں انفاق فی سبیل اللہ سے گریز نہ کرو۔ نیز اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ اگر مسلمانوں کے دفاع کے لیے جہاد میں مال خرچ کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اس سے نہ رکو۔ ورنہ دفاع کی کمزوری سے تم دشمن کے ہاتھوں ہلاکت و بربادی کا شکار ہو جاؤ گے۔ ایک اور جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَفِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآىِٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ (الزاریات:19)

ترجمہ: اور ان کے مالوں میں مانگنے والوں اور تنگ دستوں کا حق ہے۔

ایک اور جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ (الروم:38)

ترجمہ: پس تم رشتہ دار کو اس کا حق دو اور محتاج کو اور مسافر کو۔

سورۃ البقرۃ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ (البقرۃ: 254)

ترجمہ: اے ایمان والو جو مال ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرو۔

ایک اور جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ (البقرۃ:267)

ترجمہ: اے ایمان والو! ان پاک چیزوں میں خرچ کرو جو تم نے کمائی ہیں۔

درج بالا آیات مقدسہ سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کی اجتماعی اقتصادی حالت کی بہتری کے لیے زکوٰۃ کا نظام متعارف کروایا ہے تاکہ معاشرے میں معاشی ناہمواری کا سدِ باب ہو سکے۔ اس کے علاوہ انفرادی طور پر متمول افراد پر یہ ذمہ داری ڈالی ہے کہ وہ اپنے اردگرد نظر رکھیں اور اگر کوئی رشتہ دار، پڑوسی، مسافر اور غریب کسی معاشی مسئلے کا شکار ہو جائے تو آگے بڑھ کر اس کی مدد کی جائے اور اسے تنہا نہ چھوڑا جائے۔ اگر کسی بھی معاشرے میں اسلام کی دی ہوئی معاشی تعلیمات پر عمل کیا جائے تو اس معاشرے سے غربت کا خاتمہ یقینی ہو جاتا ہے۔

بنیادی ضابطے اور اصول

انفاق فی سبیل اللہ کے حوالے سے اسلام نے کچھ بنیادی ضابطے اور اصول بھی دیے ہیں۔ جن پر عمل کیے بغیر زکوٰۃ وصدقات کے ثمرات کا حصول ممکن نہیں وہ اہم اصول وضوابط درج ذیل ہیں۔

۱۔ زکوٰۃ وصدقات کو فریضہ سمجھ کر ادا کیا جائے اور اس ادائیگی کا مقصود رضائے الٰہی کا حصول ہو۔

۲۔ صدقات وخیرات کو ادا کر کے احسان نہ جتایا جائے۔

۳۔ صدقات وخیرات کا مقصد نمود ونمائش اور دکھاوا نہ ہو۔

۴۔ انفاق فی سبیل اللہ کر کے کسی کی عزتِ نفس کو اذیت دے کر مجروح نہ کیا جائے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں بہترین مال خرچ کیا جائے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ (آل عمران:92)

ترجمہ: مومنو جب تک تم ان چیزوں میں سے جو تمہیں عزیز ہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے کبھی نیکی حاصل نہ کر

٦۔ ضرورت سے زائد مال و دولت راہِ خدا میں خرچ کر دیا جائے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ (البقرة: 219)

ترجمہ: اور یہ تم سے پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کونسا مال خرچ کریں، کہہ دو کہ جو ضرورت سے زیادہ ہو۔ اس طرح اللہ تمہارے لیے اپنے احکام کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تا کہ تم سوچو۔

٧۔ جن لوگوں کو زکوۃ، صدقات دیے جائیں ان سے یہ توقع نہ رکھی جائے کہ وہ ہمیشہ ان کے احسان مند رہیں گے یا کسی مشکل وقت میں ان کے کام آئیں گے۔ اس ضمن میں درج ذیل آیتِ کریمہ بنیادی ہدایت فراہم کرتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ (البقرة:264)

ترجمہ: مومنو! اپنے صدقات وخیرات احسان رکھنے اور ایذا دینے سے برباد نہ کر دینا۔

٨۔ دولت اور پیدائشِ دولت کے ذرائع مخصوص طبقے میں مرکوز نہیں ہونے چاہئیں۔

٩۔ انفرادی ملکیت اجتماعی ملکیت کے تابع رہے گی۔

١٠۔ معاشی نظام کی بنیاد عوامی مفاد پر رکھی گئی ہے۔

درج بالا اصول وضوابط کو سامنے رکھ کر تشکیل پانے والا اقتصادی نظام معاشرے میں معاشی مساوات کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ اگر ان اصول وضوابط کا اشتراکیت اور سرمایہ داریت کے اصولوں سے موازنہ کیا جائے تو اسلامی نظامِ معیشت کا حسن نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔ اس سے نسلی، لسانی، جغرافیائی اور طبقاتی امتیازات مٹ جاتے ہیں۔ نیز ان سنہری اصولوں پر عمل کرنے سے دولت مخصوص طبقات تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس سے معاشرے کے عام طبقے بھی مستفید ہوتے رہتے ہیں۔

معاشرتی اہمیت۔

کسی بھی معاشی نظام کے پس پردہ محرکات اس کی اصل روح ہوتے ہیں۔ اگر اس نظام کا فلسفہ فاسد ذہن پر مبنی ہو

تو اس کے نتائج بھی فاسد نکلتے ہیں اور اگر اس معاشی نظام کی روح انسانی فلاح پر ہو تو نتیجۃً عوام خوشحال ہو جاتے ہیں۔

انفاق فی سبیل اللہ کا منشا ہی یہ ہے کہ وہ طبقات جو معاشی دوڑ میں بعض وجوہات کی بنا پر پیچھے رہ جاتے ہیں ان کی مدد کر کے انہیں پاؤں پر کھڑا کیا جائے۔ اسلام نے قدیم اور جدید نظریات سے ہٹ کر ایسے معاشی نظریات دیے ہیں جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ چونکہ اسلامی اصولِ معیشت خالقِ ارض وسما نے انسانوں کی بھلائی کے لیے دیے ہیں اس لیے یہ انسان کے بنائے ہوئے معاشی نظریات سے بہت بہتر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صدیوں بعد بھی معاشی ناہمواریاں اسلامی تعلیمات سے ہی دور کی جاسکتی ہیں۔ اشتراکیت یا سرمایہ داریت سے نہیں۔

معاشرتی لحاظ سے انفاق فی سبیل اللہ سے درج ذیل فوائد وثمرات ملتے ہیں۔

١۔ ارتکازِ دولت کا خاتمہ ہو جاتا ہے جس سے گردشِ دولت میں تیزی آتی ہے اور اس طرح سے اس سے عام آدمی بھی مستفید ہونے لگتا ہے۔

٢۔ زکوۃ، خیرات اور صدقات کے نظام سے امیر وغریب میں باہمی محبت و یگانگت کی فضا پیدا ہوتی ہے جو معاشرتی امن وسکون اور تعمیر وترقی کی ضامن ہے۔

٣۔ اسلامی معاشی تعلیمات سے کوئی فرد یا گروہ اقتصادی محرومی کا شکار نہیں ہوتا، جس سے معاشرے میں چوری، ڈاکہ زنی اور دھوکہ دہی کے واقعات کی روک تھام ہو جاتی ہے۔

٤۔ دولت مند گھرانوں اور گروہوں سے محروم طبقات کو ملنے والی مدد انہیں معاشی سرگرمیوں میں حصے دار بنا دیتی ہے۔ جس سے معاشی سرگرمیاں بڑھتی ہیں اور لوگوں کا معیارِ زندگی بلند ہوجاتا ہے۔

٥۔ انفاق فی سبیل اللہ سے مستفید ہونے والے لوگ متمول افراد سے بغض اور حسد نہیں کرتے بلکہ ان کے دل ودماغ میں عملی جدوجہد کرنے کا جذبہ فروغ پاتا ہے اور وہ اپنی صلاحیتوں سے بھرپور فائدہ اٹھانے کے لیے کمربستہ ہوجاتے ہیں۔ یہ مثبت رجحان معاشرتی ہم آہنگی کو جنم دیتا ہے۔

٦۔ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق میں اللہ ہی کے راستے میں خرچ کرنے سے عیش وعشرت کی طرف دھیان نہیں جاتا بلکہ مخلوقِ خدا کی خدمت میں اتنا راحت اور سکون ملتا ہے کہ امراء کے دلوں میں محتاجوں، یتیموں، بیواؤں بے سہاروں، مسکینوں اور لاوارثوں کی محبت پیدا ہوتی ہے جو بالآخر معاشرتی فلاح و بہبود پر منتج ہو کر رہتی ہے۔

awazeinqilab.com

معاشی استحکام

انفاق فی سبیل اللہ کے چند بنیادی مقاصد ہیں

الف۔ تزکیہ نفس

ب۔ ذریعہ ہدایت

ج۔ معاشرتی فلاح و بہبود

معاشی استحکام

اسلام نے مسلمانوں کو کسبِ معاش کی تاکید کی ہے۔ مثلاً سورۃ جمعہ میں ارشاد فرمایا کہ جب نماز کی ادائیگی سے فارغ ہو جاؤ تو زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ اسی طرح سورۃ العنکبوت میں ارشاد فرمایا گیا کہ جن بتوں کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو وہ تمہاری روزی کے مالک نہیں ہیں اس لیے تم اپنے رب کے پاس ہی روزی تلاش کرو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بھی ارشاد گرامی ہے

مَا اَكَلَ اَحَدٌ مِّنْ بَنِیْ آدَمَ طَعَاماً خَیْراً لَّهٗ مِنْ اَنْ یَّأْكُلَ مِنْ عَمَلِ یَدِهٖ وَاَنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ دَاوٗدَ عَلَیْهِ السَّلَامُ كَانَ یَأْكُلُ مِنْ كَسْبِ یَدِهٖ (صحیح بخاری:2072)

ترجمہ: بنی آدم میں سے اس شخص کا طعام زیادہ خیر و برکت والا ہے جو اپنے ہاتھ کی کمائی سے روزی کھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نبی داؤد علیہ السلام بھی اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔

اسلام نے کسب معاش کے لیے صرف ترغیب ہی نہیں دی بلکہ کسب معاش کے لیے بنیادی ضابطے بھی طے کیے ہیں جن میں سے چند اہم درج ذیل ہیں۔

۱۔ جائز اور معروف طریقے سے روزی کمانا۔

۲۔ سودی کاروبار سے الگ رہنا۔

۳۔ دھوکہ، ملاوٹ اور ناجائز منافع خوری سے بچنا۔

۴۔ دولت کی ہوس سے اجتناب کرنا۔

۵۔ باطل طریقے سے کسی کے مال پر قبضہ نہ کرنا۔

۶۔ رشوت جیسی برائیوں کو ترک کرنا۔

۷۔ کمائی گئی دولت میں سے زکوٰۃ اور صدقہ و خیرات ادا کرنا۔

۸۔ اسراف سے بچنا۔

۹۔ تبذیر یعنی فضول خرچی اختیار نہ کرنا۔

۱۰۔ طیب اور پاکیزہ چیزیں کھانا اور ناپاک چیزوں سے بچنا۔

۱۱۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ تعالیٰ کو ہی حقیقی رازق سمجھنا اور اپنی کوششوں اور دانائیوں کو اسی کی عطا جانتے ہوئے اس کے عطا کردہ مال میں سے اسی کی راہ میں محروم طبقات میں تقسیم کرنا۔

درج بالا نکات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا اقتصادی نظام معاشی استحکام کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ زکوٰۃ و صدقات کی ادائیگی سے انسان کے دل سے مال و زر کا ہوس اور لالچ ختم ہوجاتا ہے۔ اس طرح اس کا تزکیہ نفس ہو جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّیْهِمْ بِهَا (التوبہ:103)

ترجمہ: اے نبی ان کے مالوں سے صدقہ لے کر انہیں پاک کریں اور ان کا تزکیہ نفس کریں۔

جب مالدار لوگوں کا تزکیہ نفس ہو جاتا ہے تو پھر وہ ایسی معاشی سرگرمیوں میں حصہ نہیں لیتے جو معاشی عدم استحکام کا باعث بنیں یا جس سے عوام الناس کے مفاد کو گزند پہنچے۔

مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ انفاق فی سبیل اللہ سے نظامِ معیشت کو استحکام حاصل ہوتا ہے۔ معاشی ناہمواریاں کم ہوتی ہیں اور محروم طبقات کے مسائل قدرے کم ہو جاتے ہیں جس سے وہ ملکی پیداواری صلاحیتوں میں اضافے کا باعث بنتے ہیں۔

فرد اور معاشرے کی ذمہ داریاں

انفاق فی سبیل اللہ کے حوالے سے فرد اور معاشرے پر چند ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں جن کو پورا کیے بغیر معاشرتی ومعاشی استحکام قائم نہیں ہوسکتا۔

۱۔ ہر فرد پر پہلی ذمہ داری یہ عائد ہوتی ہے کہ وہ کسبِ معاش کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کرے۔ اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔

۲۔ دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ دولت کمانے کے لیے اسلام کی بنیادی تعلیمات کو مدِ نظر رکھے۔ اسلام نے کسبِ معاش کی ترغیب ضرور دی ہے لیکن کاروبارِ زندگی میں بنیادی ضابطے بھی طے کر دیے ہیں۔ سود کے ذریعے کمائی ہوئی دولت، یا ملاوٹ سے حاصل کیا گیا منافع یا اسی طرح ممنوع ذرائع سے حاصل شدہ مال، اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ اس طرح کمایا گیا مال بے شک سارے کا سارا راہِ اللہ میں خرچ کر دیا جائے اس کا کوئی اُخروی فائدہ نہیں ہے۔

awazeinqilab.com

۳۔ فرد پر تیسری ذمہ داری یہ عائد ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھے۔ توکل سے کام لے اور قناعت اختیار کرے اور ہمیشہ یہ ایمان رکھے کہ اللہ جس کا رزق چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے کم کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی مسبب الاسباب ہے۔

۴۔ فرد کی یہ بھی ذمہ داری ہے کہ خوب محنت کرے اور رزق کے حصول کے لیے تمام معروف طریقے اختیار کرتے ہوئے اللہ کا فضل تلاش کرے۔ جب اللہ تعالیٰ رزق میں کشائش اور وسعت دے تو اس کے حکم کے مطابق زکوٰۃ ادا کرے۔

۵۔ حکومتِ وقت کے عائد کردہ ٹیکس ادا کرے اور اپنی بساط کے مطابق صدقات و خیرات کرتا رہے۔

۶۔ اپنے اہل و عیال، عزیز و اقارب، پڑوسیوں اور دیگر لوگوں کے مالی حقوق ادا کرے اور اس ضمن میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے۔ اسلام نے حقوق و فرائض کا بہترین نظام عطا کیا ہے۔ ایک فرد کے فرائض دوسرے کے حقوق ہوتے ہیں اور دوسرے کے فرائض اس کے حقوق ہوتے ہیں۔

چونکہ افراد کے مجموعے کا نام ہی معاشرہ ہے اس لیے فرد پر جو انفرادی طور پر ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں وہی مجموعی طور پر معاشرے کی ذمہ داریاں بن جاتی ہیں۔ فرد اور معاشرے کی مجموعی طور پر ذمہ داریوں کو اختصار کے ساتھ درج ذیل انداز میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر مکمل ایمان رکھنا کہ اس کی جھلک کردار میں نظر آئے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے اس کی راہ میں دل کھول کر خرچ کرنا۔

۳۔ معاشرے میں امن، سکون، محبت اور امداد باہمی کو فروغ دینا۔

۴۔ نیکی اور بھلائی کے کاموں میں تعاون کرنا۔

۵۔ اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینا۔

ریاست کے فرائض

اسلام نے زندگی کے ہر شعبے میں ہدایات دی ہیں۔ بلکہ پیدائش سے لے کر موت تک کے سفر میں رہنمائی کی ہے تاکہ اس دنیا میں بھی کامیابی ہو اور آخرت میں بھی فلاح ملے۔[1] اسلامی ریاست کا بنیادی مقصد تقرب الٰہی اور اقامتِ دین ہوتا ہے۔ اسلام نے ریاست کے حقوق و فرائض سے متعلق جو تعلیمات دی ہیں وہ دوسرے ادیان اور نظام ہائے فکر و فلسفہ سے مختلف ہیں۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق اقتدارِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ انسان کو قانون سازی کے محدود اختیارات دیے گئے ہیں اس لیے اس کا اصل کام قوانینِ خداوندی کا عملی نفاذ ہے۔

ارشادِ ربانی ہے۔

اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ (یوسف:40)

ترجمہ: اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں۔

ایک اور جگہ ارشادِ ربانی ہے:

اَلَا لَهُ الۡحُكۡمُ ۟ وَهُوَ اَسۡرَعُ الۡحٰسِبِيۡنَ ۝ (الانعام: 62)

ترجمہ: سن لو کہ حکم اسی کا ہے اور وہ نہایت جلد حساب لینے والا ہے۔

اسلامی ریاست کا مقصد عوام الناس کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کا پابند بنانا اور ان کی معاشی و معاشرتی فلاح و بہبود کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔ ریاست کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ قرآن و سنت کی روشنی میں آگے بڑھتے ہوئے اپنی ذمہ داریاں پوری کرے۔ ریاست کے فرائض کو درج ذیل نکات میں بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ اسلامی قوانین کا عملی نفاذ
۲۔ نظامِ عدل کا قیام
۳۔ بنیادی حقوق کا تحفظ
۴۔ معاشی و معاشرتی مساوات
۵۔ تعلیم و تربیت کا اعلیٰ انتظام
۶۔ تمام اسلامی ریاستوں کی جغرافیائی ملکی حدود کا دفاع
۷۔ خوشحالی و ترقی
۸۔ بین الاقوامی تعلقات
۹۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا قیام
۱۰۔ غیر مسلموں سے حسنِ سلوک

awazeinqilab.com

۱۔ اسلامی قوانین کا عملی نفاذ

اسلامی ریاست کا بنیادی فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ اسلامی قوانین کا عملی نفاذ کرے۔ اسلامی شعائر کے تحفظ کو یقینی بنائے۔ برائیوں کی روک تھام کے لیے ٹھوس اقدامات کرے ارشاد باری تعالیٰ ہے

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ۝ (الحج:41)

ترجمہ: یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں حکومت دے دیں تو نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

۲۔ نظامِ عدل کا قیام

اسلامی ریاست کا ایک اہم فرض اجتماعی نظامِ عدل کا قیام ہے۔ قانون کی بالادستی اور حکمرانی کو یقینی بنائے اور شریعت مطہرہ کے مطابق مقدمات کا فیصلہ کرے۔ ارشادِ ربانی ہے

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝ (الحديد:25)

ترجمہ: ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں اور میزان عدل تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔ اور لوہا پیدا کیا کہ اس میں اسلحہ جنگ کے لحاظ سے زور بھی بہت ہے اور لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں اور اس لیے کہ جو لوگ بن دیکھے اللہ اور اس کے پیغمبروں کی مدد کرتے ہیں اللہ ان کو معلوم کرے۔ بیشک اللہ زور آور ہے غالب ہے۔

اجتماعی نظامِ عدل کا قیام اسلامی ریاست کا وہ طرہ امتیاز ہے جو اسے دیگر ریاستوں سے ممتاز کرتی ہے۔ عدل کے قیام میں مصلحتیں حائل نہیں ہونی چاہئیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ (النساء:135)

ترجمہ: اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور اللہ کے لیے سچی گواہی دو خواہ یہ تمہارے اپنے خلاف یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کے خلاف ہی ہو۔ اگر کوئی امیر ہے یا فقیر تو اللہ ان دونوں کا زیادہ خیر خواہ ہے۔ پس تم خواہشِ نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑ دینا۔ اگر تم لگی لپٹی بات کہو گے یا سچائی سے پہلو تہی کرو گے تو جان رکھو اللہ تمہارے سارے کاموں سے واقف ہے۔

۳۔ بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ

اسلامی ریاست میں انسانی حقوق کا ہر حال میں تحفظ کیا جاتا ہے۔ انسانی معاشرے میں ہمیشہ ظلم و زیادتی اور جبر کا امکان رہتا ہے۔ طاقت ور لوگ کمزور لوگوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ ان حالات میں ریاست کا فرض ہوتا ہے کہ آگے بڑھ کر حکومتی طاقت کے ذریعے انسانی حقوق کا تحفظ کرے۔ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانی حقوق کا چارٹر پیش فرما دیا تھا۔ ان میں درج ذیل اہم ہیں۔

جان و مال، عزت و ناموس، ذاتی ملکیت، مساوات، مسلک اور عقیدہ، اور شخصی آزادی وغیرہ

اسلامی ریاست کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ شہریوں کے جان و مال کی حفاظت کرے۔ کسی کو ان کی عزت و ناموس پر حملہ نہ کرنے دے، ان کی املاک کی نگرانی کرے نیز کسی کی شخصی آزادی کو سلب نہ ہونے دے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے۔

كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهٗ وَمَالُهٗ وَ عِرْضُهٗ (صحیح بخاری و مسلم)

ترجمہ: ہر مسلمان کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔

معاشی و معاشرتی مساوات

اسلامی ریاست کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کے معاشی حقوق کا بھی تحفظ کرے۔ سب کو کسب معاش کے یکساں مواقع فراہم کرے۔ ملکی وسائل پر کسی کی اجارہ داری نہ ہونے دے۔ خاص طور پر محروم طبقات کی ترجیحی بنیادوں پر معاشی مدد کرے۔ اسی طرح لوگوں کے درمیان معاشرتی طبقات نہ بننے دے۔ رنگ، نسل، قبیلے یا زبان وغیرہ کی بنیاد پر کوئی امتیاز نہ برتے۔ قانون کی نظر میں سب برابر ہوں تاکہ معاشرتی امن و سکون کو فروغ حاصل ہو۔

۵۔ تعلیم و تربیت کا اعلیٰ انتظام

اسلامی ریاست کی یہ بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ لوگوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرے۔ علم کا حصول ہر مسلمان پر فرض قرار دیا گیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ (سنن ابن ماجہ: 224)

ترجمہ: علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ ایسا تعلیمی نظام بنائے جس میں عوام الناس کو تعلیم و تدریس کے مواقع میسر آئیں۔ کوئی غربت کے ہاتھوں ان پڑھ نہ رہ جائے تاکہ ان کی خداداد صلاحیتوں کو نکھارا جاسکے جو ملک و قوم کے کام آئیں۔

۶۔ ملک کے جغرافیائی حدود کی حفاظت

ملک کے جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کیے بغیر کوئی ریاست اپنے شہریوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کو یقینی نہیں بنا سکتی۔ اسلامی ریاست کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ ملکی سرحدوں کی حفاظت کرے۔ کسی طالع آزما کو یہ موقع نہ دے کہ وہ اسلامی ریاست میں جارح بن کر آئے اور اس کے شہریوں کے حقوق کو پامال کر دے۔ اس ضمن میں اسلام نے جہاد کا نظام عطا کیا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اسلامی ریاست کی فوج سرحدوں کی حفاظت کے لیے ہمہ وقت مستعد رہتی ہے۔

۷۔ خوشحالی و ترقی

اسلامی ریاست کی یہ بھی ذمہ داری ہوتی ہے کہ عوام کی ترقی اور خوشحالی کے لیے کام کرے۔ رفاہِ عامہ کے ذریعے زیادہ سے زیادہ سہولیات بہم پہنچائے۔ ایسے مواقع پیدا کرے جس میں عام شہری حصہ لے کر اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لائیں اور آگے بڑھیں۔ رہبانیت اور رجعت پسندی اسلامی تعلیمات کے منافی ہیں۔ ایک مشہور قول ہے کہ جس کا آج اس کے گذشتہ کل سے بہتر نہیں وہ تباہ ہو گیا۔ یہ بات صرف افراد تک محدود نہیں بلکہ اس کا اطلاق ریاست پر بھی ہوتا ہے۔ روزمرہ معمولات حکومت میں بہتری لانا اسلامی ریاست کا ایسا فریضہ ہے جس سے پہلو تہی نہیں کی جا سکتی۔ اسلامی تعلیمات انفس سے آفاق تک کی تسخیر کا درس دیتی ہیں۔ اس لیے اسلامی ریاست کا فرض بنتا ہے کہ سائنسی اور تحقیقی سرگرمیوں کو حکومتی سرپرستی حاصل رہے تاکہ تحقیق کے ثمرات و نتائج سے عوام کی زندگی میں آسانیاں پیدا ہوں اور وہ خوشحال زندگی بسر کریں۔

۸۔ بین الاقوامی تعلقات

اسلامی ریاست پڑوسی ریاستوں کے ساتھ پُرامن تعلقات اور دیگر بین الاقوامی رابطوں پر یقین رکھتی ہے۔ بین الاقوامی تعلقات کو خوش اسلوبی سے قائم کرتی ہے تاکہ اس کے شہری آبرومندانہ زندگی بسر کریں۔ اس ضمن میں ریاستی مفادات کو مدِنظر رکھا جاتا ہے۔ ریاستی سطح پر دیگر ملکوں کو دعوتِ اسلام دینا بھی اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سربراہانِ ممالک کو خطوط لکھنا اسی سلسلے کی کڑی تھی۔

۹۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے نظام کا قیام:

اسلامی ریاست ایسا نظام قائم کرتی ہے کہ جس میں اچھی باتوں کی تلقین اور بری باتوں سے اجتناب کیا جائے۔

ارشادِ ربانی ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ (آلِ عمران: 110)

ترجمہ: تم بہترین جماعت ہو جسے بنی نوع انسان (کی ہدایت) کے لیے بھیجا گیا ہے۔ تم نیک کام کرنے کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ ایک اور جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (آلِ عمران: 104)

ترجمہ: اور تم میں ایک جماعت ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے۔ یہی لوگ ہیں جو کامیاب ہیں۔

ان آیات کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اسلامی ریاست پر ذمہ داری عائد کر دی کہ وہ خیر اور بھلائی کے کاموں کی ترویج کے لیے کام کرے اور اخلاقِ فاسدہ کی روک تھام کا اہتمام کرے۔

۱۰۔ غیر مسلموں سے حسنِ سلوک:

اسلام میں جبر نہیں ہے۔ ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل ہے۔ البتہ مسلم ریاست میں غیر مسلم لوگ ریاستی قانون کے تابع رہیں گے۔ اسلامی ریاست میں غیر مسلم شہریوں سے رواداری کا سلوک کرنا ریاستی ذمہ داری ہے۔ انہیں اپنے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کا پورا حق حاصل ہے۔ غیر مسلم شہریوں کو بھی معاشرتی و معاشی مساوات حاصل ہوگی۔ ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی ذمہ داری ریاست پر اسی طرح عائد ہوتی ہے جس طرح مسلمانوں کی جان و مال کی۔ اسلامی ریاست مسلمان شہریوں کو اس بات کی تلقین کرے گی کہ وہ غیر مسلموں سے امتیازی سلوک نہ کریں بلکہ مساویانہ سلوک کرتے ہوئے بردباری، تحمل، رواداری اور باہمی اتحاد و یگانگت سے کام لیں تاکہ انہیں مکمل تحفظ کا احساس حاصل ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو سب سے پہلی اسلامی ریاست قائم کی تھی اس میں بھی غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ کیا گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ہمیشہ رواداری سے کام لیا۔ مسلمان حکمرانوں کا وطیرہ رہا ہے کہ انہوں نے ہمیشہ اپنے زیرِ نگیں غیر مسلموں سے حسنِ سلوک کیا اور ان کے مذہبی اعتقادات میں کبھی مداخلت نہیں کی بلکہ انہیں مذہبی آزادی دی تاکہ وہ اپنے مذہب کے مطابق آزادانہ زندگی گزار سکیں۔

مشق

سوال1: درج ذیل سوالات کے جواب تفصیل سے لکھیں۔

۱۔ اسلامی معاشرے میں زکوٰۃ کی اہمیت پر نوٹ لکھیں۔
۲۔ ''انفاق فی سبیل اللہ'' کو اسلامی عبادات میں مرکزی مقام حاصل ہے۔ بحث کریں۔
۳۔ عام زندگی میں فرد کے فرائض پر بحث کریں۔
۴۔ اسلامی ریاست کے اہم فرائض کون کون سے ہیں؟
۵۔ انفاق فی سبیل اللہ کے بنیادی ضابطے کون کون سے ہیں؟

سوال2. درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

۱۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے کیا مراد ہے؟
۲۔ مصارفِ زکوٰۃ کون کون سے ہیں؟
۳۔ صدقاتِ نافلہ کے حق دار کون لوگ ہیں؟
۴۔ **لن تنا لوا البر حتی تنفقوا مما تحبون** کی وضاحت کریں۔
۵۔ معاشی مساوات سے کیا مراد ہے؟
۶۔ اسلام نے کسبِ معاش کی کیسے ترغیب دی ہے؟
۷۔ اقتدارِ اعلیٰ سے کیا مراد ہے؟
۸۔ اسلام کے نظامِ عدل پر روشنی ڈالیں۔
۹۔ ہمیں غیر مسلموں سے کیسا سلوک کرنا چاہیے؟

awazeinqilab.com

سوال3: درست جملوں کے سامنے (✓) اور غلط کے سامنے (x) کا نشان لگائیں۔

۱۔ زکوٰۃ ہر ایک مسلمان پر فرض کی گئی ہے۔ ✗
۲۔ اسلام نے مویشیوں پر بھی زکوٰۃ عائد کی ہے۔ ✓
۳۔ اسلام نے پیدائشِ دولت پر کوئی قدغن نہیں لگائی۔ ✗
۴۔ انفاق فی سبیل اللہ کا ایک مقصد گردشِ دولت بھی ہے۔ ✓
۵۔ اسلامی اصولِ معیشت سے طبقاتی تفاوت بڑھتی ہے۔ ✗
۶۔ زکوٰۃ کا ایک مقصد تزکیہ نفس بھی ہے۔ ✓
۷۔ تبذیر اور اسراف ایک ہی چیز ہے۔ ✗
۸۔ اقتدارِ اعلیٰ کا حق صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ ✓
۹۔ تعلیم حاصل کرنا صرف مردوں پر فرض ہے۔ ✗

سرگرمی

معلم / معلمہ، طلباء / طالبات سے پوچھیں کہ انھوں نے کبھی انفاق فی سبیل اللہ کیا ہے اور اُن کی غرض و غایت کیا تھی؟

۵۔ سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا قرآنِ مجید کی روشنی میں مطالعہ

آزادیِ فکر، احترامِ انسانیت اور تعلقاتِ باہمی کی اساس:

اللہ تعالیٰ کی بہترین تخلیق انسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے لامحدود صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ انسان کو اتنی قابلیتیں عطا کی گئی ہیں کہ ان کو استعمال کرتے ہوئے محیر العقول کارنامے سرانجام دے سکتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ﴿۴﴾ (التین:4)

ترجمہ: بے شک ہم نے انسان کو بہترین سانچے میں ڈھالا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی اور ہدایت کے لیے مختلف ادوار میں مختلف انبیاء و رسل مبعوث کیے۔ اس سلسلہ رشد و ہدایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو سب سے آخر میں مبعوث کیا گیا۔ آپ کو ختم نبوت کا تاج پہنا کر اس د میں بھیجا گیا اور تمام انسانوں کے لیے قیامت تک نبی بنایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد نبوت و رسالت کا درواز ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جس معاشرے میں تشریف لائے وہ معاشرہ ظلم و جہالت کی اتھ گہرائیوں میں گر چکا تھا۔ معاشرے کی مجموعی اخلاقی پستی کا یہ حال ہو گیا تھا کہ برائی و بے حیائی کے کاموں پر اظہارِ فخر و نخو کیا جاتا۔ عرب معاشرے میں ایسی ایسی برائیاں سرایت کر چکی تھیں جن کا ذکر کرنے سے آج بھی انسانیت کے وقار کو دھ لگتا ہے۔ کفر و شرک کا بازار گرم تھا۔ کعبے میں تین سو سے زیادہ بت رکھے گئے تھے اور تو اور لوگ برہنہ ہو کر کعبے کا طواف کرنے کو باعثِ ثواب سمجھتے تھے۔ عورتوں اور غلاموں سے شرمناک سلوک کیا جاتا تھا۔ طاقتور کمزور پر ایسے جھپٹتے تھے جی عقاب کسی ناتواں پرندے پر جھپٹتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایسے معاشرے میں آنکھ کھولی جہاں آزادیِ فکر، احترامِ انسانیت یا باہمی محبت یگانگت کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا۔ چند لوگ ایسے ضرور تھے جو اس دور کی الائشوں سے دور رہتے تھے۔ انہیں حنفاء کہا ج تھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چالیس سال تک اسی معاشرے میں زندگی بسر کی اور عام آدمی کی طرح زندگی معاملات اور معمولات میں حصہ لیا۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اعلانِ نبوت کا حکم ملا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آزادی فکر میں انقلا

برپا فرمادیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس انداز میں نبوت کا اعلان فرمایا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ سے باہر ایک اونچے ٹیلے پر تشریف لے گئے۔ مکہ میں منادی کرادی کہ ٹیلے کے پاس حاضر ہوں۔ خاص و عام کو دعوت دی گئی۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں تمھیں یہ کہوں کہ ٹیلے کے اس پار ایک لشکر ہے تو کیا تم میری بات مان لو گے۔ سب بیک زبان ہو کر بولے۔ ہاں! کیوں نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری عمر کبھی جھوٹ نہیں بولا، آپ الصادق اور الامین ہیں۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لوگو! سنو! اللہ ایک ہے۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ جن بتوں کی تم پوجا کرتے ہو وہ خدا نہیں ہیں۔ کفر وشرک کی دلدل میں دھنسے لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توحید کی دعوت پسند نہ آئی اور وہ گھروں کو لوٹ گئے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے اپنی صداقت کی گواہی لے کر جس انداز سے آزادی فکر کا آغاز کیا اور لوگوں کو دعوت حق پہنچائی اس کے دوررس اثرات مرتب ہوئے اور صرف تیس سالوں میں آزادی فکر کی بنا پر اسلامی سلطنت قائم ہوگئی۔ اور آہستہ آہستہ اسلامی سلطنت اتنی وسیع، مضبوط اور جدید بن گئی کہ ستاروں پر کمندیں ڈالنے کی عملی تدبیریں ہونے لگیں۔ اسی بنا پر ہی امتِ مسلمہ کے لیے حکم ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمھیں جو کچھ بھی دیں اسے لے لیا کرو اور جس چیز سے منع فرما دیں اس سے رک جایا کرو۔

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ (الحشر:7)

ترجمہ: اور جو چیز تم کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیں وہ لے لو اور جس چیز سے منع کریں اس سے باز رہو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف روایتی اندازِ عبادت ہی نہ بدلا بلکہ سوچنے، سمجھنے اور عملی زندگی کے معمولات کو ہی بدل کر رکھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوچوں میں اتنا انقلاب لے آئے کہ جو لوگ باہمی دشمن تھے ایک دوسرے کے جاں نثار بن گئے اور اپنی ضرورتوں پر دوسروں کو ترجیح دینے لگے اور جن کو صحیح طرح مویشی چرانا بھی نہ آتا تھا وہ زمانے کے امام بن گئے اور باہمی چپقلش کا شکار رہنے والے حیران کن حد تک باہمی طور پر شیر وشکر ہو گئے۔ قرآنِ حکیم نے یوں نقشہ کھینچا ہے:

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (الفتح:29)

ترجمہ: وہ کافروں کے مقابلے میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل

ارشادِ ربانی ہے۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۭ (الحشر:9)

ترجمہ: اور وہ ترجیح دیتے ہیں دوسروں کو اپنے نفسوں پر اگرچہ وہ خود بھوکے ہوں۔

الغرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب معاشرے کی کایا ہی پلٹ دی اور آزادی فکر کی ایسی شمع فروزاں کی کہ زندگی کا حسن نکھر کر سامنے آ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی جامعیت کے ساتھ والدین، اولاد، عزیز و اقارب، پڑوسی، مسافر اور مساکین تک کے حقوق متعین فرما کر زندگی گزارنے کا ایسا فن عطا کر دیا جس کی رعنائیاں آج بھی جدید تہذیب کو خیرہ کر رہی ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جامع اور ہمہ گیر تعلیمات کے سبب اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے مسلمانوں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و اتباع لازم کر دی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کو اسوۂ کامل قرار دے دیا۔ ارشادِ ربانی ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب:21)

ترجمہ: بے شک تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی بہترین نمونہ ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر احترامِ انسانیت کا ایسا منشور پیش فرمایا جو دورِ حاضر کے انسانی حقوق کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطبے کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

"لوگو! بے شک تمہارے خون، تمہارے مال اور تمہاری عزتیں باہم ایک دوسرے کے لیے اسی طرح قابلِ احترام ہیں جس طرح آج کا دن، یہ مہینہ اور یہ شہر واجب الاحترام ہے۔ اے لوگو! اللہ نے جاہلیت کے تمام غرور ونسب مٹا دیے ہیں۔ تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔ کسی عربی کو عجمی اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں۔ فضیلت کا معیار صرف تقویٰ ہے۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ تم سب آپس میں بھائی بھائی ہو۔ کسی شخص کے لیے اپنے بھائی کا مال اس وقت تک حلال نہیں جب تک کہ وہ خود نہ دے دے۔ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے لوگ محفوظ رہیں۔ تم اس وقت تک گمراہ نہیں ہو گے جب تک

awazeinqilab.com

قرآن وسنت کا دامن تھامے رہو گے۔"

اللہ تعالیٰ نے باہمی احترام ومحبت کا درس سورۃ الحجرات کی آیت نمبر 11 اور 12 میں اس طرح دیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ۭ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ۝

(الحجرات:12-11)

ترجمہ: مومنو! مرد مردوں سے تمسخر نہ کریں ممکن ہے جن کا مذاق اڑایا جا رہا ہے ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے تمسخر کریں۔ ممکن ہے وہ جن کا مذاق اڑا رہی ہیں ان سے اچھی ہوں۔ اور اپنوں کو آپس میں عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو۔ ایمان لانے کے بعد برا نام رکھنا گناہ ہے۔ اور جو لوگ توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔

اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہیں اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو اور نہ تم میں سے کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے (تو غیبت نہ کرو اور) اللہ سے ڈر رکھو بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے مہربان ہے۔

قرآنی تعلیمات پورے انسانی معاشرے کو جان و مال کی مکمل حفاظت کا درس دیتی ہیں۔ کسی کے قتلِ ناحق کو انسانیت کا قتل قرار دیا گیا ہے۔ اور کسی کی جان بچانے کو پوری انسانیت کی جان بچانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اسلام صرف جان و مال کی حفاظت کا ہی ذمہ نہیں لیتا بلکہ آزادیٔ فکر اور آزادیٔ رائے کی بھی کھلی اجازت مرحمت فرماتا ہے۔ اس ضمن میں اسلام کی تعلیمات بڑی واضح ہیں۔

ارشادِ ربانی ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣ

ترجمہ: دین میں کوئی جبر نہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی معاشرے کی اساس باہمی محبت و اخوت پر رکھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

خدا کی قسم اس وقت تک کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے کرتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس وقت تک جنت میں داخل نہ ہوگے جب تک ایمان نہ لے آؤ اور جب تک آپس میں محبت نہ کرنے لگو۔ (صحیح مسلم :203)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف باہمی محبت کا درس ہی نہیں دیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کی غیبت کرنے اور بہتان لگانے سے بھی منع فرمایا۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ ، اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ : "أَتَدْرُوْنَ مَا الْغِيْبَةُ ؟" قَالُوْا: اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ. قَالَ: "ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ" قِيْلَ: أَفَرَأَيْتَ اِنْ كَانَ فِیْ أَخِیْ مَا أَقُوْلُ ؟ قَالَ : "اِنْ كَانَ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ، فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ ، وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّهٗ" (رواہ مسلم)

ترجمہ: ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟" صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "تیرے اپنے بھائی کا ایسے انداز میں ذکر کرنا جسے وہ پسند نہ کرے۔" نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا: یہ بتلائیے کہ اگر میرے بھائی میں وہ چیز موجود ہو جس کا میں ذکر کروں؟ تو رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اگر اس میں وہ چیز موجود ہو جس کا ذکر تو کرے تو یقیناً تو نے غیبت کی اور اگر اس میں وہ بات نہیں ہے جو تو اس کی بابت بیان کرے تو پھر تو نے اس پر بہتان باندھا ہے"۔

الغرض سرکارِ دوعالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی عملی زندگی میں آزادیٔ فکر، احترامِ انسانیت اور باہمی تعلقات کے فروغ کے لیے ایسی ایسی درخشاں مثالیں چھوڑی ہیں کہ جن پر عمل پیرا ہو کر ہم سب دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکتے ہیں۔ انسانی معاشرہ امن و سکون کا گہوارہ بن سکتا ہے اور انسانیت کے دکھوں، مصیبتوں اور محرومیوں کا مداوا ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ کامل کی اتباع کرنے کی سعادت نصیب فرمائے۔

اولین مسلم معاشرہ کے رہنما اصول

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھی اس کے رہنما اصول درج ذیل ہیں۔

i۔ توحیدِ الٰہی	ii۔ رسالتِ محمدیؐ	iii۔ عظمتِ انسانی
iv۔ احتسابِ ذات	v۔ مساواتِ انسانی	vi۔ تقویٰ
vii۔ ایثار و ہمدردی	viii۔ حقوق العباد	ix۔ عدل و انصاف

i۔ توحیدِ الٰہی

اولین اسلامی معاشرے کی بنیاد توحید پر رکھی گئی تھی ۔ دورِ جاہلیت میں لوگ بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ مشرکینِ مکہ نے خانہ کعبہ میں سینکڑوں بت رکھے ہوئے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خدا کی عبادت کا حکم دیا اور جھوٹے خداؤں کی عبادت سے روکا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوتِ حق کا مرکزی نکتہ توحید ہی تھا جس پر اسلامی معاشرے کی بنیاد استوار کی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خدا ایک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ وہ وحدہٗ لا شریک ہے۔ وہی ہر چیز کا خالق، مالک اور رازق ہے۔

ii۔ رسالتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

توحیدِ الٰہی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی رسالت کا بھی اعلان فرمایا۔ اس لیے کہ عقیدہ توحید سمجھنے کے لیے عقیدہ رسالت پر ایمان لانا از حد ضروری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ کا آخری رسول ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ کامل کو اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا۔ آپ کی رسالت جامع ہے اور اسلامی معاشرے کی اساس ہے۔ رسالتِ محمدی پر ایمان لائے بغیر دعوئ توحید بے معنی ہے۔

iii۔ عظمتِ انسانی

اولین مسلم معاشرے کی بنیاد عظمت انسانی پر رکھی گئی۔ اسلام کا معاشرتی نظام وحدتِ انسانی پر استوار کیا گیا ہے۔ جس میں انسان کو عظمت بخشی گئی ہے۔

ارشادِ ربانی ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل:70)

ترجمہ: اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور انکو خشکی اور تری میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت مخلوقات پر فضیلت دی۔

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا گیا:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝ (التین:4)

ترجمہ: بے شک ہم نے انسان کو خوبصورت سانچے میں ڈھالا ہے۔

iv۔ احتسابِ ذات:

اولین مسلم معاشرے کا اچھوتا اور اہم عنصر خود احتسابی تھا۔ اسلام نے جواب دہی کا تصور پیش کر کے لوگوں کیا کہ انہیں اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ انسان مادر پدر آزاد پیدا نہیں ہوا۔ نیک اور بدعمل کرنے والے برابر نہیں روزِ قیامت ہر انسان کو اپنے تمام اعمال دکھائے جائیں گے۔ جس نے ایک ذرہ برابر بھی نیکی یا بدی کی ہوگی وہ اسے گا۔ جن کے اچھے اعمال کے وزن زیادہ ہونگے وہ دل پسند زندگی میں ہوں گے اور جن کے برے اعمال زیادہ ہوں ٹھکانہ جہنم ہوگا۔

awazeinqilab.com

v۔ مساوات

اسلام نے معاشی، معاشرتی اور انسانی مساوات کا اصول دے کر تمام انسانی طبقوں کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دیا ہے۔ اسلامی ریاست میں امیر و غریب اور حکمران و رعایا، قانون کی نظر میں برابر ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح فرما دیا تھا کہ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ فضیلت کا معیار تقویٰ ہے۔ معاشرے کے تمام افراد قانون کی نظر میں برابر ہیں۔ ملکی وسائل پر کسی خاص طبقے کو خود مختاری حاصل نہیں ہوگی۔ معاشی لحاظ سے تمام لوگوں کو یکساں مواقع حاصل ہوں گے اور بحیثیت انسان تمام لوگوں کی عزت و آبرو جان و مال محترم ہیں۔

vi۔ تقویٰ

پہلے اسلامی معاشرے کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی۔ تمام عبادات کا مقصد تقویٰ کا حصول قرار پایا۔ یہی وہ اصول ہے جو معاشرے میں عزت و احترام اور شرف کی کسوٹی ہے جو خوفِ خدا کا جذبہ اپنے اندر موجزن رکھتا ہے۔ دراصل تقویٰ ہی وہ جذبہ ہے جو دل میں خیر و شر کی تمیز پیدا کرتا ہے۔ تقویٰ ہی وہ خوبی ہے جو انسان کو اچھے اعمال کی طرف رغبت دلاتا ہے اور برائی سے دور بھاگنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ متقی انسان ہی ہر اس عمل کو کرنے سے ڈرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا ڈر ہو اور ایسے عمل کو خوش دلی سے کرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو۔

vii۔ ایثار و ہمدردی

اولین معاشرے کی بنیادوں میں سے ایک اہم بنیاد ایثار و ہمدری کے جذبے کا حصول بھی تھا۔ چونکہ مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے اس لیے وہ اپنے بھائی کے لیے نہایت درجہ ہمدرد اور غم خوار ہوتا ہے۔ اسلامی معاشرے کی ایک اہم ترین خصوصیت ایثار و ہمدردی کا وہ جذبہ ہے جو مسلمان کو اپنی ضروریات پر دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دینے پر اکساتا رہتا ہے۔ مسلمان مشکل وقت میں اپنے بھائی کا ساتھ نہیں چھوڑتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس اسلامی معاشرے کی بنیاد رکھی تھی اس میں یہ جذبہ بدرجۂ اتم موجود تھا۔

viii۔ حقوق العباد

اولین مسلم معاشرے کی عمارت حقوق و فرائض کے ایسے لازوال نظام پر استوار کی گئی تھی جس کی نظیر آج تک کوئی

مذہب یا ریاست پیش نہیں کر سکی۔ اسلام سے پہلے عورتوں، غلاموں اور محتاجوں کے حقوق نہ ہونے کے برابر تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی صراحت کے ساتھ معاشرے کے تمام طبقات کے حقوق متعین فرما دیے تاکہ معاشرہ گل و گلزار بنا رہے۔ ان میں والدین، اولاد، پڑوسی، مسافر، مسکین، غلام، محتاج، یتیم غرض ہر طبقے کے لوگ شامل تھے۔

ix۔ عدل و انصاف

اسلامی تعلیمات اجتماعی عدل کی ضمانت فراہم کرتی ہیں۔ اسلامی معاشرے کی بہت بڑی خوبی اجتماعی عدل کا قیام بھی ہے۔ معاشرے کے تمام طبقات قانون کی نظر میں برابر ہوتے ہیں۔ اسلام قانون کی حکمرانی کی تلقین کرتا ہے۔ قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کا احتساب ضرور ہوتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝

(النساء:135)

ترجمہ: اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور اللہ کے لیے سچی گواہی دو خواہ یہ تمہارے اپنے خلاف یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کے خلاف ہی ہو۔ اگر کوئی امیر ہے یا فقیر تو اللہ ان دونوں کا زیادہ خیر خواہ ہے۔ پس تم خواہشِ نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑ دینا۔ اگر تم لگی لپٹی بات کہو گے یا سچائی سے پہلو تہی کرو گے تو جان رکھو اللہ تمہارے سارے کاموں سے واقف ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اس امر پر گواہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ عدل کی تلقین فرمائی اور عملی طور پر اس کی لازوال مثالیں قائم کیں۔ اس ضمن میں ایک بارسوخ قریشی عورت کی چوری کا معاملہ ہو یا کسی صحابی کی سفارش، آپؐ نے عدل کے تمام تقاضوں کو پورا فرمایا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم سے پہلی امتیں اس لیے تباہ ہوگئیں کیونکہ ان کا جب کوئی بڑا آدمی جرم کرتا تھا تو بچ جاتا لیکن اگر کوئی عام یا غریب آدمی جرم کرتا تھا تو سزا پاتا تھا۔

awazeinqilab.com

مشق

سوال 1: درج ذیل سوالوں کے مفصل جواب لکھیں۔

i۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس معاشرے میں تشریف لائے اسکی کیا حالت تھی؟

ii۔ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ارشاد فرمایا؟

iii۔ آزادی فکر ورائے کے بارے میں اسلامی تعلیمات کیا ہیں؟

iv۔ اولین مسلم معاشرے کے رہنما اصول بیان کریں۔

v۔ عقیدہ ختم نبوت پر نوٹ تحریر کریں۔

سوال 2: سبق کے مطابق مناسب الفاظ لگا کر خالی جگہ پر کریں۔

i۔ لوگوں کی ہدایت کے لیے ہر دور میں ______ مبعوث کیے گئے۔

ii۔ اللہ تعالیٰ کی بہترین مخلوق ______ ہے۔

iii۔ اسلام سے قبل بعض لوگ ______ ہو کر کعبے کا طواف کرتے تھے۔

iv۔ توحید کی دعوت دیتے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ______ کی گواہی لی۔

v۔ خطبہ حجۃ الوداع ______ حقوق کا بہترین منشور ہے۔

vi۔ دین کے معاملے میں کسی قسم کا ______ نہیں ہوتا۔

vii۔ دوسروں کے لیے وہ پسند کرنا چاہیے جو ______ لیے پسند ہو۔

viii۔ مسلمان بھائی کو بے یارومددگار چھوڑنا ______ ہے۔

ix۔ اسلامی معاشرتی نظام کی بنیاد ______ پر ہے۔

x۔ تقویٰ تمام ______ کی روح ہے۔

سوال 3: درج ذیل سوالوں کے مختصر جوابات لکھیں۔

i۔ عدل کی مختصر تعریف کریں۔

ii۔ عقیدہ توحید کو سمجھنے کے لیے عقیدہ رسالت پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے۔

iii۔ متقی انسان کون ہے؟

و۔ منتخب آیاتِ قرآن

سورۃ البقرہ آیت نمبر 267 تا 286

آیت نمبر: 267

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿٢٦٧﴾

ترجمہ: مومنو! جو پاکیزہ اور عمدہ مال تم کماتے ہو اور جو چیزیں ہم تمہارے لئے زمین سے نکالتے ہیں ان میں سے اللہ کی راہ میں بھی خرچ کرو۔ اور بری اور ناپاک چیزیں دینے کا قصد نہ کرنا کہ اگر وہ چیزیں تمہیں دی جائیں تو بجز اس کے کہ لیتے وقت آنکھیں بند کر لو ان کو کبھی نہ لو۔ اور جان رکھو کہ اللہ بے نیاز ہے خوبیوں والا ہے۔

تفسیر: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں عمدہ اور پاک چیزیں خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ناقص اور ناپسندیدہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں دینے کی ممانعت بھی کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے کہ اصل مومن وہ ہیں جو اس کی راہ میں بہترین چیزیں خرچ کرتے ہیں۔ انسان جو مال بھی کماتا ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قابلیتوں اور طاقتوں کے بل بوتے پر ہی کماتا ہے۔ اسی طرح زمین جو کچھ بھی پیدا کرتی ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ ہی کی بدولت ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس کی مرضی اور منشا کے بغیر تو ایک پتا بھی نہیں ہل سکتا۔ لہٰذا مومنوں کو تلقین کی جا رہی ہے کہ راہِ خدا میں خرچ کرنے سے پہلے اچھی طرح دیکھ لو کہ مال عمدہ ہو

awazeinqilab.com

ایسا مال یا چیزیں جو لیتے وقت تمھیں خود اچھی نہ لگیں انہیں فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے بھی گریز کرو۔

انفاق فی سبیل اللہ کا فلسفہ یہی ہے کہ ہم جو کچھ بھی کمائیں اس کا کچھ حصہ زکوٰۃ، خیرات اور صدقے کی صورت میں اللہ کے ان بندوں کو بھی دیں جو کسی وجہ سے محتاج ہو گئے ہیں یا کسی سبب سے معاشی دوڑ میں ہم سے پیچھے رہ گئے ہیں۔

آیت نمبر:268

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ: شیطان تمہیں تنگدستی کا خوف دلاتا اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے اور اللہ تم سے اپنی بخشش اور رحمت کا وعدہ کرتا ہے۔ اور اللہ کشائش والا ہے سب کچھ جاننے والا ہے

تشریح

یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کا تسلسل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ راہِ خدا میں خرچ دل گردے کا کام ہے۔ شیطان انسان کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے مال کم ہو جائے گا۔ تنگ دستی ہو جائے گی اور مفلسی کا خطرہ بڑھ جائے گا۔ اللہ فرماتا ہے کہ شیطان تو ہمیشہ بے حیائی کے کام کرنے پر ہی اکساتا ہے جبکہ اللہ مغفرت اور بخشش کا وعدہ فرماتا ہے۔ وہ سب کو جاننے والا ہے۔ تمام مخلوقات کو اچھی طرح سمجھتا ہے۔ اس کی رحمتیں بے حساب ہیں، اس لیے مفلسی اور تنگ دستی کے ڈر سے کبھی راہِ خدا میں خرچ کرنے سے ہاتھ نہ کھینچ لینا۔ بلکہ اپنے مال کا بہترین حصہ اس کی راہ میں دینا وہ برکت دینے والا ہے

قرآنِ حکیم میں جا بجا انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا دراصل اللہ پر توکل کرنا بھی ہے۔ جو لوگ اس احساس کے تحت خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اور زیادہ نوازتا ہے۔ یہ انسان کی خام خیالی ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اس نے اپنی طاقت سے کمایا ہے اور یہ بھول جاتا ہے کہ صحت اور طاقت دینے والا بھی تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ کی راہ میں اللہ کے بندوں پر زیادہ سے زیادہ خرچ کریں۔

آیت نمبر:269

يُّؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

ترجمہ: وہ جسکو چاہتا ہے دانائی بخشتا ہے اور جسکو دانائی دی گئی بیشک اسکو بڑی نعمت عطا کی گئی ۔ اور نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہیں

تشریح

اس آیتِ کریمہ میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ ہر قسم کی عقل اور دانائی اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ جس طرح اس کے قبضۂ قدرت میں زندگی اور موت ہے یا عزت اور ذلت ہے اسی طرح عقل اور دانائی کا سرچشمہ بھی اللہ ہی کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جسے دانائی بخشی گئی اسے سمجھنا چاہیے کہ اسے بہت بڑی نعمت عطا کی گئی ہے۔ اس لیے کہ عقل کو استعمال کر کے انسان بے شمار دیگر نعمتیں حاصل کر لیتا ہے۔ عقل مندی کا سب سے بڑا فائدہ یہ بتایا گیا ہے کہ عقل مند لوگ اچھی اور کام کی باتوں کو فوراً سمجھ لیتے ہیں اور اللہ کی طرف سے نازل شدہ احکامات پر عمل کرنے لگتے ہیں۔

وہ لوگ بہت خوش قسمت ہوتے ہیں جو اللہ کی نصیحتوں پر عمل کرنے والے ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ اس میں دنیا وآخرت کی کامیابی کا راز مضمر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عقل اور دانائی کو بہت بڑی نعمت قرار دیا گیا ہے ہمیں چاہیے کہ ہم

awazeinqilab.com

شیطان کی پیروی نہ کریں، اللہ کی عطا کردہ عقل سے سوچیں اور سمجھیں اور اس کے احکامات پر عمل کریں۔ اپنے اردگرد نظر دوڑانے سے معلوم ہوتا ہے کہ کئی لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں اللہ نے بے عقل بنایا ہے وہ کسی قسم کا شعور نہیں رکھتے۔ ہمیں عقل عطا کرنے والا اللہ ہی ہے، ہمیں اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔

آیت نمبر: 270

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝

ترجمہ: اورتم اللہ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرو یا کوئی نذر مانو۔ اللہ اس کو جانتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

تشریح:

اس آیت کریمہ میں بھی انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنین سے مخاطب ہے اور فرماتا ہے کہ تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے وہ اللہ کے علم میں ہوگا۔ تھوڑا خرچ کرو یا زیادہ، عمدہ مال خرچ کرو یا ناقص، سب کچھ اللہ کے علم میں ہے اس لیے کہ وہ علیم و بصیر ہے۔ اس آیت میں نذر کا بھی ذکر ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مثلاً کوئی کہے کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے یا فلاں کام نہ ہو تو میں اللہ کی راہ میں فلاں فلاں چیزیں خرچ کروں گا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ نذر ماننا جائز ہے۔ اگر نذر پوری ہوجائے تو نذر میں مانی ہوئی چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا فرض ہو جاتا ہے اور کسی حالت میں بھی معاف نہیں ہوتا۔ غالباً ان لوگوں کو ظالم کہا گیا ہے جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے کتراتے ہیں یا نذر مان کر پوری ہو جانے کے باوجود خرچ نہیں کرتے۔ یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ ایسے لوگ ظالم ہوا کرتے ہیں اور ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ وہ بالآخر اس دنیا میں بھی رسوا ہوں گے اور آخرت میں بھی انہیں رسوائی ملے گی۔

آیت نمبر: 271

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝

ترجمہ: اگر تم خیرات ظاہر کر کے دو تو وہ بھی خوب ہے اور اگر پوشیدہ دو اور دو بھی ضرورت مندوں کو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اور اس طرح کا دینا تمہارے گناہوں کو بھی دور کرے گا۔ اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے۔

تشریح:

یہ آیت بھی سابقہ آیات کا تسلسل ہے۔ اس آیت کریمہ میں بھی خیرات دینے یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے مختلف طریقے بتائے گئے ہیں۔ انفاق فی سبیل اللہ کی ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ علی الاعلان خیرات دی جائے۔ یہ بھی جائز ہے۔ اس میں مقصد اور نیت یہ ہونی چاہیے کہ دوسرے بھی سبق سیکھیں اور انہیں انفاق کی ترغیب ہو۔ انفاق کی دوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ پوشیدہ خیرات کی جائے یعنی کسی کو پتہ بھی نہ چلے اور اہل حاجات کی حاجت روائی ہو جائے اور اللہ تعالیٰ دونوں صورتوں کو پسند کرتا ہے۔ پہلی صورت میں دوسروں کو ترغیب دینا مقصود ہونا چاہیے جبکہ دوسری صورت میں ضرورت مندوں کی عزتِ نفس کا خیال رکھنا مقصود ہونا چاہیے۔ علاوہ ازیں اس سے ریاکاری اور دکھاوے سے بھی بچا جاسکتا ہے۔ اس لیے یہ دوسری صورت زیادہ بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انفاق کی دونوں صورتیں خوب ہیں۔ اس سے اللہ تعالیٰ گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ مغفرت کا وعدہ فرماتا ہے اور ایسے حالات پیدا کردیتا ہے کہ خیرات کرنے والوں سے گناہوں کو دور ہی رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو دلوں کے راز بھی معلوم ہوتے ہیں۔ وہ نیتوں کو دیکھنے والا ہے۔ اسے ہر کام کی خبر ہوتی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم دونوں صورتوں میں اپنی نیت درست رکھیں تاکہ اجر و ثواب کے حقدار ہوں۔

awazeinqilab.com

آیت نمبر:272

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝

ترجمہ: (اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم ان لوگوں کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہو بلکہ اللہ ہی جسکو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔ اور مومنو! تم جو مال خرچ کرو گے تو اس کا فائدہ تمہی کو ہے۔ اور تم تو جو خرچ کرو گے اللہ کی خوشنودی کے لئے کرو گے۔ اور جو مال تم خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا دے دیا جائے گا۔ اور تمہارا کچھ نقصان نہیں کیا جائے گا۔

تشریح

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے کہ جو لوگ ہدایت قبول نہیں کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو کماحقہٗ تسلیم نہیں کرتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع نہیں کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فکر مند نہ ہوں ان کی قسمت میں ہی ہدایت نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی ہدایت قبول نہ کرنے کے بارے میں باز پرس نہ ہوگی۔ ان کے کرتوتوں کی وجہ سے اللہ ان کو ہدایت دینے والا نہیں۔ پھر فرمایا گیا کہ اہلِ ایمان جو کچھ بھی اپنے مالوں سے خرچ کریں گے، اس کا ان کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے جو کچھ بھی خرچ کریں گے، اللہ تعالیٰ ان کو اس سے بھی زیادہ دے گا اور ان کا کسی قسم کا نقصان نہیں ہوگا۔

بعض لوگ اس خوف سے راہِ خدا میں خرچ کرنے سے کتراتے ہیں کہ شاید اس طرح ان کا مال کم ہو جائے گا اور وہ تنگ دست ہو جائیں گے۔ حالانکہ اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ اس میں برکت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ ہر قسم کے خطرات سے محفوظ ہو جاتا ہے اور دونوں جہانوں میں مومنوں کی کامیابی کا ضامن بن جاتا ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ سے بھی اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو آزماتا ہے اور خرچ کرنے والوں کے درجات بلند کر دیتا ہے۔

آیت نمبر:273

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۫ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ: اور ہاں تم جو خرچ کرو گے تو ان حاجت مندوں کے لئے جو اللہ کی راہ میں رکے بیٹھے ہیں اور ملک میں کسی طرف جانے کی طاقت نہیں رکھتے (اور مانگنے سے عار رکھتے ہیں یہاں تک کہ) نہ مانگنے کی وجہ سے ناواقف شخص ان کو تونگر خیال کرتا ہے اور تم قیافے سے ان کو صاف پہچان لو کہ حاجت مند ہیں اور شرم کے سبب لوگوں سے منہ پھاڑ کر اور لپٹ کر نہیں مانگ سکتے اور تم جو مال خرچ کرو گے کچھ شک نہیں کہ اللہ اسکو جانتا ہے۔

تشریح

اس آیتِ مبارکہ میں بھی انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر ہے اور پچھلی آیات کا تسلسل ہے۔ اس آیت میں ایسے فقراء کا ذکر ہے جو بعض وجوہات کی بنا پر اللہ کی راہ میں محصور ہو کر رہ گئے ہیں کہ بعض مفسرین نے ان سے مراد اہلِ ذکر لیے ہیں اور بعض نے اس سے علمِ دین حاصل کرنے والے طلباء مراد لئے ہیں جب کہ کچھ مفسرین نے اس سے مجاہدین بھی مراد لئے ہیں۔ بعض نے ان سے مراد وہ مساکین لیے ہیں جو اپنی عزتِ نفس کو بچانے کے لیے لپٹ لپٹ کر سوال نہیں کرتے بلکہ اپنی خودداری کی بنا پر دستِ سوال دراز ہی نہیں کرتے۔ ایسے لوگوں پر مال خرچ کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ بعض لوگ ایسے لوگوں کو اس لیے صدقہ خیرات نہیں دیتے کہ شاید ان کو ضرورت ہی نہیں ہے حالانکہ اصل حقدار یہی لوگ ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے لوگ شرم کی وجہ سے بھی سوال نہیں کرتے۔ اہلِ ایمان کا فرض ہے کہ وہ ایسے

ضرورت مندوں کو تلاش کر کے ان کی مدد کریں اور وہ جو مال بھی خرچ کریں گے، اللہ تعالیٰ اسے دیکھنے والا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم صدقہ خیرات کرتے وقت صرف انہیں کا خیال نہ رکھیں جو ہمہ وقت مانگتے رہتے ہیں بلکہ ایسے لوگوں کو بھی تلاش کر کے صدقہ دیں جو اصل حقدار ہیں لیکن مانگتے نہیں ہیں۔

آیت نمبر:274

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٧٤﴾

ترجمہ: جو لوگ اپنا مال رات اور دن اور پوشیدہ اور ظاہر اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں۔ ان کا صلہ انکے پروردگار کے پاس ہے اور ان کو قیامت کے دن نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ غم۔

تشریح

اس آیتِ کریمہ میں انفاق فی سبیل اللہ کرنے والوں کے لیے انعامات کا ذکر کیا گیا ہے۔ آیت نمبر 271 میں پوشیدہ اور اعلانیہ خیرات دینے کا ذکر تھا۔ اس آیت میں بھی فرمایا گیا کہ جو لوگ دن رات کے کسی بھی حصے میں خرچ کریں خواہ پوشیدہ طریقے سے یا اعلانیہ طریقے سے، ان کا بدلہ اللہ ضرور دے گا۔ ایسے اغنیاء کا سب سے بڑا انعام یہ ہوگا کہ روزِ قیامت انہیں کسی قسم کا ڈر یا خوف نہیں ہوگا بلکہ وہ انتہائی مطمئن اور خوش ہوں گے۔

روزِ قیامت جب ہر طرف نفسانفسی ہوگی اور کوئی کسی کا پرسانِ حال نہیں ہوگا اس دن ڈر، خوف اور فکر سے آزاد ہونا بہت بڑی سعادت کی بات ہوگی۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ جنتی ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا جنت کا حقدار بن جانا ہے، اور قیامت جیسے سخت ترین دن ہر قسم کے ڈر اور خوف سے چھٹکارا حاصل کر لینا ہے۔

ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں میں سے دل کھول کر خرچ کریں۔ کسی قسم کا بخل اور کنجوسی نہ کریں تاکہ ہم بھی روزِ قیامت کامیاب و کامران بن جائیں۔

آیت نمبر:275

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۗ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ۗ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۗ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٧٥﴾

ترجمہ: جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ قبروں سے اس طرح حواس باختہ اٹھیں گے جیسے کسی کو جن نے لپٹ کر دیوانہ بنا دیا ہو۔ یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ سودا بیچنا (بھی نفع کے لحاظ سے ویسا ہی ہے) جیسے سود لینا حالانکہ سودے کو اللہ نے حلال کیا اور سود کو حرام تو جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ سود لینے سے باز آ گیا تو جو پہلے ہو چکا وہ اس کا۔ اور قیامت میں اس کا معاملہ اللہ کے سپرد اور جو پھر لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں جلتے رہیں گے۔

تشریح

اس آیتِ مبارکہ میں سود لینے والوں کو وعید سنائی گئی ہے کہ وہ روزِ قیامت اپنی اپنی قبروں سے بدحواس ہو کر اٹھیں گے اور پاگلوں کی طرح دیوانہ وار بھاگتے پھریں گے گویا شیطان نے انہیں حواس باختہ کر دیا ہو۔ ان کی ایسی حالت اس وجہ سے ہوگی کہ ایک تو وہ سود خور تھے اور دوسرے حجت بازیاں بھی کرتے تھے کہ سود بھی تجارت ہی کی طرح ہے۔

awazeinqilab.com

...ے تجارت کو حلال کر دیا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے۔
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حرمتِ سود کے بعد جس نے نصیحت حاصل کر لی اور سود سے تائب ہو گیا تو اللہ تعالیٰ اسے
...فرما دے گا اور اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ فرمائے گا لیکن جو حرمتِ سود کے بعد بھی اس برے فعل میں ملوث رہا تو اللہ
...دوزخ میں ڈال دے گا اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں جلتا رہے گا۔
...دراصل سود ایک بہت بڑی معاشرتی برائی ہے۔ جس سے غریبوں کا زبردست استحصال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے
...دے کر سود خوروں کو سخت وعید سنائی ہے تا کہ اس برائی کا خاتمہ ہو جائے اور کسی بھی طبقے کا استحصال نہ ہو، ایک اور
...پر سود خوری کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کھلی جنگ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں
...ت سے محفوظ رکھے۔ آمین

...نمبر: 276

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝

اللہ سود کو نابود یعنی بے برکت کرتا اور خیرات کی برکت کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گنہگار کو دوست نہیں رکھتا۔

اس آیت مبارکہ میں پچھلی آیت کا تسلسل ہے۔ اس میں سود اور خیرات کا موازنہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا
...قات کو بڑھاتا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ سود میں بے برکتی ہی بے برکتی ہے جبکہ صدقات میں برکت ہی برکت
...للہ تعالیٰ کے اس اعلان کا مشاہدہ روزمرہ زندگی میں باآسانی کیا جاسکتا ہے۔ آج بھی جو لوگ سودی کاروبار میں ملوث
...پاگلوں اور دیوانوں کی طرح دولت کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں۔ انہیں ہر لحظہ خوف، لالچ، حرص اور ہوس اپنے گھیرے
...ں ہیں اور ان کے چہروں پر بے اطمینانی آسانی سے پڑھی جاسکتی ہے جبکہ صدقات اور خیرات کرنے والے ہمہ وقت

خوش و خرم، مطمئن اور خوش حال رہتے ہیں۔
چونکہ سود خور ایمان کی حلاوت سے کوسوں دور ہوتے ہیں اور توکل کی دولت سے ناآشنا رہتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ ایسے ناشکرے گنہگاروں سے کبھی محبت نہیں کرتا۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کی حقیقی نعمتوں سے اس دنیا میں بھی محروم رہتے ہیں اور آخرت میں بھی ایسے لوگوں کو دوزخ کا دردناک عذاب دیا جائے گا۔ اللہ ہمیں سود کی تمام صورتوں سے محفوظ رکھے۔ آمین

مشق

سوال 1: درج ذیل سوالات کا سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 267 تا 276 کی روشنی میں جواب لکھیں۔

i۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں کیسی چیزیں خرچ کرنے کا حکم دیا ہے؟
ii۔ شیطان کس چیز کا خوف دلاتا ہے؟
iii۔ دانائی کو کیا کہا گیا ہے؟
iv۔ نذر ماننے سے کیا مراد ہے؟
v۔ خیرات دینے کے کون کون سے طریقے بیان کیے گئے ہیں؟
vi۔ اللہ تعالیٰ کن لوگوں کو ہدایت بخشتا ہے؟
vii۔ کون لوگ لپٹ لپٹ کر سوال نہیں کرتے؟
viii۔ روزِ قیامت کن لوگوں کو خوف یا ڈر نہیں ہوگا؟
ix۔ سود خور کی مثال کس طرح بیان کی گئی ہے؟
x۔ سود، خیرات اور تجارت کا کس طرح موازنہ کیا گیا ہے؟

سوال 2: درج ذیل سوالوں کے جواب تفصیل سے لکھیں۔

i۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقات و خیرات کا کیا طریقہ ہوسکتا ہے اور اس کی کیا فضیلت ہے؟
ii۔ سود کے بارے میں اتنے سخت احکامات کیوں دیے گئے ہیں؟ سود کے کیا نقصانات ہوتے ہیں؟
iii۔ ہماری معاشرتی زندگی میں صدقات و خیرات کی کیا اہمیت ہے؟

awazeinqilab.com

سوال3: کالم الف کے عربی الفاظ کو کالم ب میں ان کے معانی سے ملائیں۔

کالم الف	کالم ب
اَلرِّبٰوا	وہ تمہیں حکم دیتا ہے
اَنۡفِقُوۡا	مددگار
طَیِّبٰتِ	مال دار لوگ
یَاۡمُرُکُمۡ	پاکیزہ چیزیں
اَلۡحِکۡمَۃَ	وہ طاقت نہیں رکھتے
یَحۡزَنُوۡنَ	آپ خرچ کریں
اَنۡصَارٍ	خفیہ، پوشیدہ
خَبِیۡرٌ	وہ غمگین ہونگے
لَا یَسۡتَطِیۡعُوۡنَ	دانائی
اَغۡنِیَآءُ	سود
سِرًّا	جاننے والا

سرگرمیاں

i۔ قرآنِ مجید میں سے تین ایسی آیات تلاش کریں، جن میں انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر ہو۔

ii۔ قرآنِ پاک میں سے کوئی ایک آیت ایسی تلاش کر کے لکھیں جس میں سود کے بارے میں مزید احکامات کا ذکر ہو۔

آیت نمبر:277

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ لَہُمۡ اَجۡرُہُمۡ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ۝

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے اور نماز پڑھتے اور زکوۃ دیتے رہے ان کو ان کے کاموں کا صلہ اللہ کے ہاں ملے گا اور قیامت کے دن ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔

تشریح

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے ان اوصاف کا ذکر کیا ہے جن کی بدولت انہیں اللہ تعالیٰ بہترین اجر عطا فرمائے گا۔ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دی جائے گی اور روزِ قیامت نہ انہیں کسی قسم کا ڈر ہوگا اور نہ ہی وہ کسی قسم کے خوف میں مبتلا ہوں گے۔ مومنوں کے وہ اوصاف درج ذیل ہیں۔

ا۔ نیک کام کرتے ہیں۔

ب۔ نماز قائم کرتے ہیں۔

ج۔ زکوۃ ادا کرتے ہیں۔

جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ ایمانیات کے بعد دوسرا درجہ عبادات کا ہے اور عبادات کے بعد تیسرا درجہ معاملات کا ہے۔ اصل ایمان والے وہ ہوتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لا۔ نماز ادا کرتے ہیں اور جو مال انہیں اللہ نے عطا کیا ہے اس میں سے زکوۃ ادا کرتے ہیں ۔ قرآن مجید میں بار بار ذکر آیا ہے۔ دراصل یہ عبادات ایمان کے اظہار کا بہترین ط تیسری نشانی یہ بتائی گئی ہے کہ وہ نیک عمل کرتے ہیں۔ نیک اعمال کا دائرہ کار بے

awazeinqilab.com

اللہ کی خاطر کسی سے بغض رکھنا بھی نیک عمل ہے۔ اسی طرح نیکی کے کاموں میں دوسروں سے تعاون کرنا اور برائی کے کاموں میں تعاون نہ کرنا بھی نیکی ہے۔محتاجوں اور ضرورت مندوں کے کام آنا بھی نیکی ہے۔ والدین کی اطاعت بھی نیکی ہے اور بھوکوں کو کھانا کھلانا بھی نیکی ہے حتیٰ کہ دوسرے مسلمانوں سے خندہ پیشانی سے پیش آنا بھی نیکی ہی ہے۔

آیت نمبر:278

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۝

ترجمہ: مومنو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو۔

تشریح

اس آیت مبارکہ میں مومنوں کو سود سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔ دراصل سود ایک ایسی معاشرتی برائی ہے جس سے معاشرے میں بُغض، حسد، کینہ اور نفرت پیدا ہوتی ہے۔ نیز غریب غریب تر ہوتا جاتا ہے اور امیر امیر تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ اسی لیے مومنوں کو کہا گیا کہ اگر تم حقیقی ایمان لے آئے ہو تو جن کے ذِمہ تمہارا سود واجب الادا ہے تو وہ چھوڑ دو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا واضح اعلان خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے چچا حضرت عباسؓ کا سود معاف کر کے کیا ہے۔

موجودہ دور میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جن معاشروں میں سود کی لعنت رائج ہے وہاں معاشرتی تفرقہ اور معاشی ناہمواریاں عام ہیں۔ ایسے معاشروں میں باہمی محبت عنقا ہو جاتی ہے اور حرص، لالچ، طمع اور ہوسِ زر جیسی برائیاں پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ عالمگیر انسانی قدریں پامال ہوتی رہتی ہیں۔ خودغرضی، رشوت ستانی اور ذاتی مفادات کا کلچر پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے مومنوں کو کہا گیا کہ سود سے باز آ جائیں اور جن جن کا سود کسی کے ذمے واجب الادا ہے اسے فوراً ختم کر دیں۔

آیت نمبر:279

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ۝

ترجمہ: پھر اگر ایسا نہ کرو گے تو تم اللہ اور اسکے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو اور اگر توبہ کر لو گے (اور سود چھوڑ دو گے) تو تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ اوروں کا نقصان ہو اور نہ تمہارا۔

تشریح

یہ آیت مبارکہ پچھلی آیت کریمہ کی تشریح ہے۔ اس میں فرمایا گیا ہے کہ اگر مومنوں نے سود معاف نہ کیا تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اصل ایمان کی دولت سے محروم ہیں اس لیے وہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کھلی جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔ اس لحاظ سے یہ حکم بڑا اہم ہے کہ سود لینا گویا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کھلی جنگ کے مترادف ہے۔ اس آیت میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اصل رقم لینے کا انہیں پورا پورا حق حاصل ہے۔ اس لیے کہ نہ اس میں لینے والے کا کوئی نقصان ہے اور نہ دینے والے کا۔

اسلامی نظامِ معیشت میں سودی کاروبار کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسلام تجارت اور قرضِ حسنہ کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ تجارت میں برکت ہوتی ہے۔ اگرچہ تجارت کے بھی طریقے اور اصول بیان کیے گئے ہیں تاکہ ناجائز منافع خوری اور ملاوٹ جیسی برائیاں پیدا نہ ہوں۔ چونکہ سود ارتکازِ دولت کے فروغ کا باعث بنتا ہے اور غریبوں کو مزید غربت میں دھکیل دیتا ہے اس لیے اس کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔ سودی کاروبار میں ملوث لوگوں کو اس سے فوراً توبہ کرنی چاہیے ورنہ ان کی عبادات ان کے کچھ کام نہ آئیں گی کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے کھلی جنگ ہے۔

awazeinqilab.com

وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾

ترجمہ: اور اگر قرض لینے والا تنگدست ہو تو اسے کشائش کے حاصل ہونے تک مہلت دو اور اگر زر قرض بخش دو تو وہ تمہارے لئے زیادہ اچھا ہے بشرطیکہ سمجھو۔

تشریح

اس آیت کریمہ میں قرض واپس لینے کے آداب کا ذکر ہے کہ اگر مقروض شخص کسی مشکل میں پھنس جائے اور بروقت قرض کی رقم واپس نہ کر سکے تو چاہیے کہ اسے رعایت دی جائے اور قرض واپس لینے کی مدت میں اضافہ کر دیا جائے۔ اور اگر کسی کو مالی تنگی کے باعث قرض کی رقم واپس لینے کی بجائے بخش دی جائے تو یہ سب سے بہترین عمل ہے۔

قرض دار کے لیے تین طریقوں سے آسانی پیدا کی جاسکتی ہے۔ پہلا طریقہ یہ ہے کہ مدت بڑھا دی جائے اور قرض دار کو یہ سہولت دی جائے کہ جب اس کے پاس رقم کا بندوبست ہو جائے واپس کر دے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ قرض کی رقم تھوڑی تھوڑی کر کے واپس لی جائے یعنی اس کی قسطیں بنا دی جائیں تاکہ قرض دار آسانی سے قرض کے بوجھ سے نجات حاصل کر لے۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اس کی مالی تنگی کے پیشِ نظر اسے قرض ہی معاف کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے تیسرے طریقے کو سب سے زیادہ پسند فرمایا ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ پسند فرماتا ہے۔ ان کے مال میں برکت عطا فرماتا ہے اور روزِ قیامت ان پر اپنا فضل و کرم نازل فرمائے گا۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾

ترجمہ: اور اس دن سے ڈرو جبکہ تم اللہ کے حضور لوٹ کر جاؤ گے اور ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ پائے گا اور کسی کو کچھ نقصان نہ ہوگا۔

تشریح

اس آیت مبارکہ کے مفہوم کو پچھلی آیت سے ملا کر پڑھنے سے آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔ سابقہ آیت میں قرض داروں کو مہلت دینے کا ذکر تھا اور اس کے علاوہ قرض معاف کر دینے کو بہترین عمل قرار دیا گیا تھا۔ اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اس ضمن میں اللہ سے ڈرو اور اس بات کا احساس رکھو کہ ایک دن تمہیں خدا کے حضور پیش ہونا ہے۔

اگر انسان کا ایمان پختہ ہو اور وہ ہر لحظہ یہ سوچے کہ اسے ایک دن مَرنا ہے۔ جو مال اس کے پاس ہے اسی دنیا میں رہ جانے والا ہے تو پھر وہ قرض دار کو مہلت دینے میں بھی ہچکچاہٹ نہیں کرے گا اور قرض معاف کر دینا بھی اس کے لیے مشکل نہیں ہوگا۔ ہمیں یہ بات ہمیشہ مدِ نظر رکھنی چاہیے کہ ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کی عنایت ہے۔ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہر چیز ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے رزق کی فراوانی عطا کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے تنگی دے دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی منشا اور مرضی ہی یہ ہے کہ مال و زر کی تفاوت سے وہ اپنے بندوں کو آزمائے اور دیکھے کہ کون اس کے مال میں سے زیادہ خرچ کرتا ہے اور کون کنجوسی اور بخل اختیار کرتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اگر ہم سے کوئی قرضہ لینے کا طلب گار ہو تو اس کی ضرور مدد کریں اور پھر قرضے کی واپسی میں اسے آسانیاں دیں۔ اس کا ہمیں اللہ تعالیٰ اجر دے گا۔

awazeiqilab.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ
بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ
وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـــًٔا ۭ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا
يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ ھُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ۭ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ
يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاۗءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىھُمَا فَتُذَكِّرَ
اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ۭ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَاۗءُ اِذَا مَا دُعُوْا ۭ وَلَا تَسْــَٔـمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى
اَجَلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً
تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْھَا ۭ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا يُضَاۗرَّ
كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ڛ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ: مومنو! جب تم آپس میں کسی میعاد معین کے لئے قرض کا معاملہ کرنے لگو تو اسکو لکھ لیا کرو اور لکھنے والا (تم میں کسی کا نقصان نہ کرے بلکہ) انصاف سے لکھے نیز لکھنے والا جیسا اللہ نے اسے سکھایا ہے لکھنے سے انکار بھی نہ کرے اور دستاویز لکھ دے۔ اور جو شخص قرض لے وہ دستاویز کا مضمون بول کر لکھوائے اور اللہ سے کہ اس کا مالک ہے خوف کرے اور زر قرض میں سے کچھ کم نہ لکھوائے اور اگر قرض لینے والا کم عقل یا ضعیف ہو یا مضمون لکھوانے کی قابلیت نہ رکھتا ہو تو جو اس کا ولی ہو وہ انصاف کے ساتھ مضمون لکھوائے اور اپنے میں سے دو مردوں کو ایسے معاملے کے گواہ کرلیا کرو۔ اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہ پسند کرو کافی ہیں کہ اگر ان

میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔ اور جب گواہ گواہی کے لئے طلب کئے جائیں تو انکار نہ کریں۔ اور قرض تھوڑا ہو یا بہت اس کی دستاویز کے لکھنے لکھانے میں سستی نہ کرنا یہ بات اللہ کے نزدیک نہایت قرین انصاف ہے اور شہادت کے لیے بھی یہ بہت درست طریقہ ہے اس سے تم کو کسی طرح کا شک وشبہ بھی نہ پڑے گا ہاں اگر سودا دست بدست ہو جو تم آپس میں لیتے دیتے ہو تو اگر ایسے معالے کی دستاویز نہ لکھو تو تم پر کچھ گناہ نہیں اور جب خرید و فروخت کیا کرو (مثلاً زمین جائداد کی) تو بھی گواہ کر لیا کرو۔ اور کاتب دستاویز اور گواہ معاملہ کرنے والوں کا کسی طرح کا نقصان نہ کریں۔ اگر تم لوگ ایسا کرو تو یہ تمہارے لئے گناہ کی بات ہے اور اللہ سے ڈرو اور دیکھو کہ وہ تم کو کیسی مفید باتیں سکھاتا ہے اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

تشریح

اس آیت کریمہ میں قرض لیتے وقت باہمی معاملات طے کرنے کے لیے تفصیل بیان کی گئی ہے مومنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ جب وہ آپس میں معاملہ کرنے لگیں تو اس معاہدے کو باقاعدہ لکھ لیا کریں تا کہ معاہدے میں کسی قسم کا ابہام نہ رہے۔ گویا قرض لیتے وقت اس کی مقدار اور میعاد کو تحریر کرنا مسلمانوں پر فرض ہے۔ یہ بھی ہدایت دی گئی ہے کہ لکھتے وقت کسی قسم کی دغا بازی نہ کی جائے اور نہ ہی کسی کی نیت میں کسی قسم کا فتور آئے۔ قرض کی دستاویز لکھواتے وقت دو گواہوں کا ہونا بھی ضروری ہے۔ دونوں گواہ مرد ہونے چاہئیں اگر دو مرد دستیاب نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں تا کہ بعد میں کسی قسم کا ابہام باقی نہ رہے۔ پھر بھی اگر ادائیگی کے وقت کوئی تنازع پیدا ہو جائے تو لکھی گئی دستاویز اور گواہوں کے بیانات کی روشنی میں فیصلہ کیا جائے گا۔ گواہوں کے لیے اس آیت میں ہدایت دی گئی ہے کہ ضرورت پڑنے پر وہ گواہی اور شہادت کے لیے لازمی حاضر ہوں۔

اس آیت میں یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ اگر قرض لینے والا بے عقل ہے یا ضعیف ہے تو اس کا ولی اس کی جگہ تمام معاملات طے کرے گا۔ باہمی خرید وفروخت اور سودے کے لیے بھی دو گواہوں کی شہادت کی تلقین کی گئی ہے۔

اس آیتِ مبارکہ کی روشنی میں اگر ہم اپنی معاشرتی زندگی پر نظر دوڑائیں تو پتہ چلتا ہے کہ کئی جھگڑے محض اس وجہ سے وقوع پذیر ہوتے ہیں کہ قرض لیتے وقت یا دیتے وقت کسی نے لکھنے کی زحمت گوارا نہیں کی اور نہ ہی معاملہ طے کرتے وقت کوئی گواہ بنا۔ بسا اوقات ایسے جھگڑے قتل و غارت تک پہنچ جاتے ہیں۔ بعض اوقات تو کسی ایک فرد یا گروہ کی نیت میں فتور آ جاتا ہے اور وہ اپنے عہد سے مکر جاتا ہے لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی ایک فریق بھول جاتا ہے۔

اس لحاظ سے اس آیت مبارکہ میں بے حد مفید بات سمجھائی گئی ہے کہ باہمی معاملہ طے کرتے وقت اسے ضبطِ تحریر میں لانا ضروری ہوتا ہے اور گواہوں کی موجودگی لازمی ہوتی ہے تاکہ مستقبل کے اندیشوں سے بآسانی نمٹا جاسکے۔

ہم پر اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ جس نے ہمارے لیے اتنی مفید باتیں نازل کیں تاکہ ہم اپنے معاملات کو خوش اسلوبی سے حل کرسکیں۔

آیت نمبر:283

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾

ترجمہ: اور اگر تم سفر پر ہو اور دستاویز لکھنے والا نہ مل سکے تو کوئی چیز رہن یا قبضہ رکھ کر قرض لے لو اور اگر تم میں سے کوئی دوسرے کو امین سمجھے یعنی رہن کے بغیر قرض دیدے تو امانتدار کو چاہیے کہ صاحب امانت کی امانت ادا کردے اور اللہ سے جو اس کا پروردگار ہے ڈرے اور دیکھنا شہادت کو مت چھپانا جو اس کو چھپائے گا وہ دل کا گناہگار ہوگا۔ اور اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔

تشریح

اس آیت کریمہ میں حالتِ سفر میں قرض لینے کا ذکر ہے۔ اگر دورانِ سفر لکھنے والا نہ مل سکے تو کوئی چیز رہن رکھ کر قرض لے لے۔ اور اگر قرض دینے والا قرض لینے والے کو امین یعنی ایمان دار سمجھ کر بغیر کسی چیز کے قرض کی رقم دے دے تو لینے والے پر فریضہ عائد ہوتا ہے کہ قرض کی واپسی یقینی بنائے۔ اس آیتِ مبارکہ میں شہادت کو چھپانے سے

بھی منع کیا گیا ہے جو بھی گواہی کو چھپائے گا وہ سخت گناہ کا مرتکب ہوگا۔ اور سب کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کا علم ہے۔ وہ علیم بذات الصدور ہے وہ دلوں میں کروٹیں لینے والے خیالوں تک سے واقف ہے۔

بعض اوقات حالتِ سفر میں انسان کسی مشکل میں گھر سکتا ہے اور اسے قرض لینے کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ ایسی حالت میں اسے چاہیے کہ اپنی کوئی چیز دوسرے کے پاس رہن رکھ کر قرض لے لے اور اپنی ضرورت پوری کر لے اور اگر اس کے بغیر ہی کوئی اللہ کا بندہ اسے قرض دے دے تو پھر اسے چاہیے کہ عین مقررہ وقت پر اس کی ادائیگی یقینی بنائے۔ اسی طرح گواہی چھپانے کو بہت بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے لہٰذا ہمیں چاہیے کہ سچی گواہی دیں اور اس میں کسی قسم کی خیانت نہ کریں۔

آیت نمبر:284

لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِىْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾

ترجمہ: جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمینوں میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ تم اپنے دلوں کی بات کو ظاہر کرو گے یا چھپاؤ گے تو اللہ تم سے اس کا حساب لے گا۔ پھر وہ جسے چاہے مغفرت کرے اور جسے چاہے عذاب دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تشریح

اس آیت کریمہ میں اس بات کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ زمین و آسمان کا مالک و مختار وہی ہے اور ان میں جو کچھ بھی ہے اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے رازوں سے بھی خوب واقف ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے عزت عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت سے ہمکنار کردیتا ہے۔ قیامت والے دن وہ جسے چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا سزا دے گا۔ ہم جو کچھ چھپائیں یا ظاہر کریں اللہ تعالیٰ کو ہر چیز کی خبر ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی

زندگی اس طرح بسر کریں کہ اس میں بدیانتی سے بچیں۔ گواہی کو امانت سمجھیں اور وقت آنے پر اسے نہ تو چھپائیں اور نہ ہی اس میں کمی بیشی کریں۔ ہر وقت یہ ایمان رکھیں کہ اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے اور ہمارے تمام اعمال لکھے جا رہے ہیں۔ قیامت کے روز ہمیں اپنے ہر ہر عمل کا حساب دینا پڑے گا۔ اگر ہم نے اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کے مطابق زندگی گزاری ہوگی تو ہمیں جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر ہم نے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات سے روگردانی کی ہوگی تو پھر ہمیں اللہ کی ناراضگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آیت نمبر:285

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ اس کتاب پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوئی ایمان رکھتے ہیں اور مؤمنین بھی۔ سب اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور وہ اللہ سے عرض کرتے ہیں کہ ہم نے تیرا حکم سنا اور قبول کیا۔ اے پروردگار ہم تیری بخشش مانگتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

تشریح

اس آیت کریمہ میں ایمانیات کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے سارے رسول ایک ہی سلسلے کی کڑی تھے۔ سب معصوم تھے، سب نے توحید کی دعوت دی اور سب نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ختم نبوت پر ایمان رکھتے تھے۔ مومن وہی ہیں جو تمام انبیائے کرام پر ایمان لاتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی طرح نہیں ہیں کہ بعض پر ایمان لائیں اور بعض کا انکار کر دیں۔ ایمان والے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں کہ وہ زمین و آسمان کا خالق

و مالک ہے۔ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ ہر چیز پر قادر ہے اور یومِ آخرت کا مالک ہے۔ مومن لوگ اللہ کے فرشتوں پر بھی ایمان لاتے ہیں کہ وہ اللہ کی مخلوق ہیں۔ ہمہ وقت عبادت میں مصروفِ عمل رہتے ہیں اور گناہوں سے پاک ہیں۔ تمام آسمانی کتابوں پر بھی یقین رکھتے ہیں اور ان صحیفوں پر بھی ایمان لاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے مختلف انبیاء پر نازل فرمائے تھے۔ مومن لوگ تمام انبیاء پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور کسی میں فرق نہیں رکھتے البتہ بعض انبیاء بعض پر فضیلت رکھتے ہیں جس طرح ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء اور رسولوں کے سردار ہیں۔

اس آیت میں مومنوں کی یہ صفت بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ ایمان لانے کے بعد اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ انہیں بخش دے اور ان کی مغفرت فرمادے۔ وہ اللہ کے احکامات کو سنتے ہیں اور دل سے مانتے ہیں یعنی ان پر عمل کرتے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات پر عمل کریں اور اس سے مغفرت کی دعا بھی مانگتے رہیں۔

آیت نمبر:286

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۟ وَاغْفِرْ لَنَا ۟ وَارْحَمْنَا ۟ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

ترجمہ: اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ کا ذمہ دار نہیں بناتا اچھے کام کرے گا تو اس کو ان کا فائدہ ملے گا۔ برے کرے گا تو انکا نقصان پہنچے گا۔ اے پروردگار اگر ہم سے بھول یا چوک ہوگئی ہو تو ہم سے مواخذہ نہ کیجیو۔ اے پروردگار ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالیو جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اے پروردگار جتنا بوجھ اٹھانے کی

awazeinqilab.com

ہم میں طاقت نہیں اتنا بوجھ ہم پر نہ رکھیو۔ اور اے پروردگار ہمارے گناہوں سے درگزر کر۔ اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہی ہمارا مددگار ہے۔ سو ہم کو کافروں پر غالب کر۔

تشریح

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو دعا مانگنے کا طریقہ سکھایا ہے۔ یہ بھی بتایا ہے کہ کسی سے اس کی طاقت سے زیادہ کام نہیں لیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کو اسی قدر آزماتا ہے جتنی وہ طاقت رکھتے ہیں۔ جو اچھے کام کرے گا اس کا اسی کو فائدہ اور جو برے کام کرے گا اس کا اسی کو نقصان ہوگا۔

اس آیت کے آخر میں بڑی خوبصورت دعا سکھائی گئی ہے، جس میں بشری کمزوریوں کا اعتراف بھی ہے اور اللہ کی عظمت و کبریائی کا اظہار بھی ہے۔ فرمایا گیا کہ اس طرح دعا مانگی جائے۔

اے اللہ اگر ہم سے غلطی ہو، ہم بھول کر کوئی گناہ کر بیٹھیں تو اپنی رحمت کے صدقے باز پرس نہ کرنا۔ اے اللہ ہم کمزور ہیں ہم ایسا بوجھ برداشت نہیں کر سکتے جیسا پہلے مسلمان کیا کرتے تھے۔ اس لیے ہم پر وہ بوجھ نہ ڈالنا۔ اے اللہ! ہم تیرے گناہ گار بندے ہیں ہمارے گناہوں سے درگزر فرما۔ ہم اپنی بشری کمزوریوں کی وجہ سے گناہ کر بیٹھتے ہیں تو ہمیں معاف فرما دے۔ ہمیں گناہوں سے بچائے رکھ اور ہمیں بخش دے۔ بے شک تو ہی بخشنے والا ہے۔ اے اللہ ہم تیری رحمت کے بھی طلبگار ہیں۔ ہم پر رحم فرما۔ ہمیں کافروں پر بھی غلبہ عطا فرما۔ ہمیں اتنی طاقت عطا کر کہ وہ ہم سے ہمیشہ مغلوب ہی رہیں۔

مشق

سوال 1: درج ذیل سوالات کا سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 277 تا 286 کی روشنی میں جواب لکھیں۔

i- روزِ قیامت کون لوگ غمناک اور خوفزدہ نہیں ہوں گے؟

ii- واجب الادا سود کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کیا ارشاد فرمایا؟

iii- قرض دار کو کیسے آسانی پہنچانے کا حکم دیا گیا ہے؟

iv- قرض دیتے یا لیتے وقت کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیے؟

v- اگر قرض لینے والا نہایت بوڑھا ہو یا بے عقل ہو تو کن امور کا خیال رکھنا چاہیے؟

vi- خرید و فروخت کے کیا آداب سکھائے گئے ہیں؟

vii- گواہی کے بارے میں کیا ہدایات دی گئی ہیں؟

viii- ایمانیات کے حوالے سے مومنوں کی کون کون سی صفات بیان کی گئی ہیں؟

ix- "لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" سے کیا مراد ہے؟

x- ہمیں اللہ تعالیٰ کے حضور کیسی دعا مانگنی چاہیے؟

سوال 2: دیے گئے الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔

i- کسی قسم کا معاملہ کرتے وقت ____ لینا چاہیے۔

ii- ہر وقت اپنے گناہوں کی ____ کی دعا کرنی چاہیے۔

iii- قرض دار کو ____ دینے سے اللہ خوش ہوتا ہے۔

iv- تمام انبیائے کرام پر ____ لانا فرض ہے۔

v- اے اللہ ہمیں کفار پر ____ عطا فرما۔

vi- روز قیامت ہر عمل کا پورا پورا ____ دیا جائے گا۔

vii- سود لینا اللہ اور اس کے رسول سے ____ کے مترادف ہے۔

(ایمان، غلبہ، لکھ، مغفرت، سہولت، کھلی جنگ، بدلہ)

awazeinqilab.com

سوال3: مفہوم کے اعتبار سے کالم ملائیں۔

کالم الف	کالم ب
ایمانیات	کشائش تک مہلت
عبادات	معاشرتی برائی
معاملات	اللہ، رسول، فرشتوں پر ایمان
سود	نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج
قرض دار	خرید و فروخت کرنا
بھول چوک	طاقت کے مطابق
آزمائش	مغفرت

سرگرمیاں

i۔ آپ روزمرہ نمازوں کے بعد کیسے دعا مانگتے ہیں؟

ii۔ آپ کی کون کون سی دعائیں قبول ہوئی ہیں؟

iii۔ آیت نمبر 286 کی طرح قرآنِ مجید سے کوئی اور دعا لکھیں، یاد کریں اور اپنے معلم کو سنائیں۔

باب دوم

حدیث

تدریسی مقاصد

اس سبق کا مقصد طلبہ اور طالبات کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ:

حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متن کا مطالعہ کرسکیں ان کی جامعیت اور بلاغت سے واقف ہوسکیں۔

حدیث کا لغوی مفہوم

حدیث کا لغوی معنی ہے بات، گفتگو۔ اگر حدیث کے لفظ کو ''تحدیث'' کا اسم کہا جائے تو اس کا معنی ہے خبر دینا۔ حدیث کا ایک معنی جدید بھی ہے یعنی قدیم کا الٹ۔ غرض اس کے جتنے بھی معنی ہیں ان میں خبر کا مفہوم ضرور موجود ہے۔ قرآن مجید میں قرآن کو بھی ''احسن الحدیث'' کہا گیا ہے۔

حدیث کا اصطلاحی مفہوم

اصطلاح میں حدیث وہ قول، فعل، تقریر وصفت ہے جس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کی گئی ہو۔

حدیث بطور ماخذ احکام

قرآن مجید اسلامی احکام کا پہلا ماخذ ہے اور قرآن کے بعد دوسرا ماخذ احادیث نبوی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دو طرح کی وحی نازل فرمائی ہے۔

ا۔ وحی متلو   ۲۔ وحی غیر متلو

awazeinqilab.com

وحی متلو

وحی متلو وہ ہے جس کی نمازوں میں تلاوت کی جاتی ہے یعنی قرآن مجید

وحی غیر متلو

وحی غیر متلو وہ ہے جس کی نمازوں میں تلاوت نہیں کی جاتی یعنی حدیث شریف

حجیت و اہمیت حدیث: قرآن کریم کے بعد حدیث اسلامی قانون کا دوسرا ماخذ ہے۔ جو مضامین قرآن میں مجمل بیان ہوئے ہیں۔ حدیث ان کی تشریح و توضیح کرتی ہے۔ حدیث قرآن مجید کی طرح ایک مستقل قانون ہے۔

حدیث میں ایسے احکام بھی بیان کئے گئے ہیں جو قرآن مجید میں مذکور نہیں ہیں۔

قرآن فہمی کے لیے حدیث کی ضرورت بہت زیادہ ہے۔ حدیث کے بغیر ہم نہ قرآن کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ ہی اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کے احکامات اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر ٹھیک طور پر عمل کر سکتے ہیں۔

قرآن مجید کی طرح حدیث شریف بھی اسلامی احکام کا ماخذ ہے۔ مثلاً نماز کی رکعات، فرائض، واجبات، سنن، مستحبات، مکروہات اور مفسدات نماز یعنی نماز کو توڑنے والی چیزیں ان سب کی تفصیل حدیث شریف سے معلوم ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء:80)

ترجمہ: جس نے رسول پاک صلی اللہ علیہ کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے

وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (الحشر:7)

ترجمہ اور جو تمہیں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیں اسے لے لو اور جس سے منع کریں اس کو چھوڑ دو۔

یہ آیات اس بات کی تائید کرتی ہیں کہ حدیث شریف احکام کا ماخذ ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ

صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ

ترجمہ: نماز پڑھو جیسا کہ تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

اس حدیث کو امام بخاریؒ نے حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے۔

ایک اور فرمان مبارک ہے

خُذُوْا عَنِّيْ مَنَاسِكَكُمْ

ترجمہ: مجھ سے اپنے مناسک حج لو۔

اس حدیث کو امام مسلم رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔

مذکورہ دونوں احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نماز اور مناسک حج کے احکام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لینے کا حکم دیا گیا ہے۔

سنت پر عمل کرنا تمام اہلِ اسلام کے نزدیک واجب ہے اور اگر ہم حدیث وسنت کو نظر انداز کریں تو دین پر چل ہی نہیں سکتے۔ بے شمار احکامات کا ہمیں حدیث سے پتہ چلتا ہے۔ خطبۂ حجۃ الوداع میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، ایک اللہ کی کتاب اور دوسری اپنی سنت۔

صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث شریف منقول ہے جس کا مفہوم ہے کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

تو گویا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (النجم:4-3)

ترجمہ: اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی خواہش سے کلام نہیں فرماتے بلکہ وہ تو وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے۔

شروع میں ذکر کیا گیا تھا کہ وحی دو قسم کی ہے۔ پس دوسری قسم وحی غیر متلو ہے چنانچہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال بھی وحی ہیں۔ اور وہ اسلامی احکام کا ماخذ ہے۔

حدیث کی تشریعی حیثیت

قرآن مجید اور حدیث شریف لازم و ملزوم ہیں قرآن مجید کا مزاج ہے کہ اس میں احکام کو اجمالی انداز میں بیان کیا گیا ہے اور ان کی تفصیل حدیث شریف کے مطالعہ سے معلوم ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منصبِ ختمِ رسالت پر فائز فرمایا اور اپنی کتاب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمائی۔ اس کتاب کی تشریح و توضیح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ تھی۔ کیونکہ مکتوب کے اصل مطالب و مقاصد کو مکتوب الیہ ہی سمجھ سکتا ہے۔ لہٰذا قرآن مجید کا مفہوم و مطلب وہی درست ہوگا جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمجھا اور سمجھایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کام ہی قرآنِ مجید کی تشریح و توضیح بتایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے؛

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ﴿۴۴﴾

(النحل:44)

ترجمہ: اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ذکر یعنی قرآن مجید نازل فرمایا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے لیے واضح فرمادیں، اس کو جو ان کی طرف نازل کیا گیا تاکہ وہ غور وفکر کریں۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی بعض آیات مجمل بھی ہوتی ہیں اور ان کے اجمال کی تفصیل احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوتی ہے۔

لہٰذا اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حدیث شریف قرآن مجید کے احکام کی تشریح کرتی ہے۔

اسی سورت میں آگے جا کر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴿۶۴﴾

(النحل:64)

اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کتاب اسی لیے نازل فرمائی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے لیے وہ چیز کھول کر بیان کر دیں جس میں وہ اختلاف کرتے ہیں۔ اور یہ ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

اس آیت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ قرآن مجید کی تشریح اور توضیح جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴿۶۵﴾

(النساء: 65)

ترجمہ: سو قسم ہے تیرے پروردگار کی! یہ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں پھر جو فیصلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان میں کر دیں ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں۔

اس ارشادِ گرامی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے پر ناخوشی یا دل کی تنگی بھی ایمان کے منافی ہے۔

ایک جگہ پر تو اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کو مومنین پر احسان سے تعبیر کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا مقصد تزکیہ اور تعلیم بتلایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴿۱۶۴﴾

(آل عمران:164)

ترجمہ: بے شک مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے۔ اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے یقیناً یہ سب اس سے پہلے گمراہی میں تھے۔

اس آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے مقاصد میں سے ایک مقصد تعلیمِ کتاب بتایا گیا ہے۔ اور کتاب کی تعلیم اسی وقت دی جا سکتی ہے جب کتاب کے مطالب و مقاصد سے پوری واقفیت ہو۔

ایک معلم جب کسی سبق کو پڑھاتا ہے تو وہ اس کی مکمل وضاحت کرتا ہے۔ اس سبق کی پیچیدہ باتوں کو واضح کرتا ہے۔ اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی معلم انسانیت ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن مجید کی مکمل وضاحت فرمائی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے۔

اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا

میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

پس یہ ثابت ہوتا ہے کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر ہم قرآن مجید کو نہیں سمجھ سکتے۔ اور حدیث شریف قرآن مجید کی شرح ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کو مرکزیت حاصل ہے۔ ہم قرآن کو سمجھنے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محتاج ہیں حتیٰ کہ قرآن کا کلام الٰہی ہونا بھی ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی معلوم ہوتا ہے۔

قرآن مجید کی خاص اصطلاحات کا مفہوم حدیث کے بغیر واضح نہیں ہو سکتا۔ مثلاً صوم، زکوٰۃ، حج وغیرہ ان کے لغوی معانی کچھ اور ہیں لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وضاحت سے ان کو ان معروف دینی معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے جنہیں ہم اب پہچانتے ہیں۔

قرآن مجید میں احکام کا اجمالی ذکر ہے مگر ان کی تفصیل حدیث سے معلوم ہوتی ہے۔ جیسے نماز کا حکم قرآن میں صرف اتنا ہے کہ نماز ادا کرو اس کا طریقہ اس کے ارکان وغیرہ ہمیں حدیث سے معلوم ہوتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام ارشادات قرآن کی شرح و تفسیر ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام فیصلے خدائی فیصلے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب اعمال ازروئے قرآن واجب الاتباع ہیں۔ اللہ تعالیٰ براہِ راست کسی سے کلام نہیں کرتا بلکہ وہ پیغمبر کی زبانی ہی اپنے احکامات انسانوں تک پہنچاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع، اللہ کی محبت کے حصول اور گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (سورۃ العمران: ۳۱)

ترجمہ: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے۔

حجیت حدیث

حدیث شریف قرآن مجید کی شرح ہے اور حدیث شریف کے بغیر ہم دین پر پوری طرح عمل بھی نہیں کر سکتے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات واجب اطاعت ہے۔ جیسے قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ (النساء: 80)

ترجمہ: جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہی اصل میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت پر ہمارا ایمان ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا ۝ (الاحزاب:36)

ترجمہ: اور کسی مومن مرد و عورت کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کے بعد اپنے کسی امر کا کوئی

اختیار باقی نہیں رہتا (یاد رکھو) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی بھی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں پڑے گا۔

اور اسی طرح کی اور بھی آیات ہیں جن سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کے وجوب کا پتہ چلتا ہے۔

ان تمام قرآنی آیات سے حدیث کی اہمیت خوب واضح ہوجاتی ہے۔ اس سلسلہ میں حدیث کی اہمیت کے جو پہلو سامنے آتے ہیں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن مجید کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

۲۔ حدیث سے قرآن مجید کے احکامات پر ٹھیک ٹھیک اللہ کی رضا کے مطابق عمل کرنے میں مدد ملتی ہے۔

۳۔ ارکان اسلام کے بارے میں مسائل واحکام کا پتہ چلتا ہے اسی طرح حلال وحرام کے مسائل اور حقوق وفرائض کی تفصیلات وضو، غسل اور طہارت کے مسائل معلوم ہوتے ہیں۔ غرضیکہ جملہ مسائل جو قرآن سے سمجھ میں نہیں آسکتے احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

۴۔ حدیث سے اسوہ حسنہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق عمل کرنے میں رہنمائی ملتی ہے۔

۵۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یقین کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے سے اللہ کی رضا اور محبت نصیب ہوتی ہے۔

۶۔ گناہوں کی مغفرت، ایمان کی تکمیل اور اُخروی فلاح ونجات کا ذریعہ ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:۔ خبردار مجھے کتاب دی گئی ہے اور اس کے ساتھ اس جیسی ہی (یعنی حدیث) خبردار قریب ہے کہ کوئی پیٹ بھرا شخص اپنے تخت پر بیٹھ کر یوں کہے کہ تم پر صرف قرآن پر عمل کرنا لازم ہے پس جو تم اس میں حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جو حرام پاؤ اسے حرام سمجھو۔

اور ایک اور حدیث شریف کا مفہوم ہے۔

میرا ہر امتی جنت میں جائے گا مگر جس نے انکار کیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس نے انکار کیا؟ تو فرمایا جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے میرا انکار کیا۔ (بخاری مسلم)

مذکورہ بالا آیات اور احادیث سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کی اہمیت ثابت ہوتی ہے۔ چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کے بغیر دین پر عمل نہیں ہوسکتا اس لئے قرآن مجید کے ساتھ ساتھ حدیث شریف پر بھی عمل ضروری ہے۔

حدیث شریف کی اس قدر اہمیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جیسے قرآن مجید کی حفاظت اپنے ذمے لی ہے ایسے ہی حدیث شریف کی بھی حفاظت فرمائی۔

ابتدائے اسلام میں اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے احادیث لکھنے سے منع فرمایا تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ کہیں قرآن مجید اور حدیث شریف آپس میں خلط ملط نہ ہو جائیں۔ اس وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین احادیث کو قرآن کی طرح یاد رکھتے تھے۔ مگر بعد میں جب ایک صحابی نے حافظے کی کمزوری کے باعث احادیث یاد نہ رہنے کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا:

اِسْتَعِنْ بِيَمِيْنِكَ (ترمذی) (اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لو) یعنی لکھ لیا کرو

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث لکھا کرتے تھے۔ انہیں بعض لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بشر ہیں کبھی خوش ہوتے ہیں کبھی خفا ہوتے ہیں اور تم ان کی ہر بات نوٹ کرتے جاتے ہو یہ مناسب نہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے یہی اشکال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ضرور لکھو، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اس منہ سے سوائے حق کے کوئی بات نہیں نکلتی۔ اسی طرح حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ جو ایک آزاد شدہ غلام تھے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے احادیث لکھنے کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی۔

پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ احادیث کو لکھنے کا کام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی ہی میں شروع ہوگیا تھا۔

بعض مستشرقین نے یہ پروپیگنڈا کیا کہ حدیث کا وجود دور رسالت میں نہ تھا۔ حدیث کی کتابت سے منع کر دیا گیا اور یہ سارا ذخیرہ بعد کی صدیوں کی پیداوار ہے۔ اس پروپیگنڈا سے متاثر ہو کر بعض کمزور ایمان والے مسلمانوں نے بھی یہ شور مچایا کہ حدیث ''عجمی سازش'' کا نتیجہ ہے۔ یہ تمام پروپیگنڈا بے بنیاد ہے اوپر کچھ واقعات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کے علاوہ بعض احادیث کے مجموعے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں ضبط تحریر میں لائے گئے وہ یہ ہیں۔

۱۔ معاہدات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مثلاً میثاق مدینہ، معاہدۂ حدیبیہ وغیرہ۔

awazeinqilab.com

۲۔ عاملین صدقات وزکوٰۃ کے لیے صدقات ودیات اس کی شرح کی تحریری ہدایات

۳۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطوط جو کتب حدیث میں محفوظ ہونے کے علاوہ اصل حالت میں کتب خانوں میں موجود ہیں۔

۴۔ مردم شماری کی رپورٹیں۔

۵۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور کئی دوسرے اصحاب نے احادیث لکھیں۔

۶۔ سلطنت اسلامیہ کے عاملین (گورنروں) کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحریری ہدایات جن کا ثبوت بخاری اور دیگر صحاح میں موجود ہے۔

۷۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعض خطبات جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے تحریر کیے گئے۔

دنیا کی کسی قوم نے اپنے کسی محترم سے محترم رہنما کے اقوال و افعال اور احوال و سیَر کو محفوظ کرنے، اپنی زندگی میں انہیں جاری و ساری کرنے اور آئندہ نسلوں کو پہنچانے میں اتنی مستعدی، جوش و خروش اور ذوق و شوق نہیں دکھایا جو اصحاب رسول نے اس سلسلے میں دکھایا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایک حرکت و سکون، ایک ایک بات، دن رات کے اعمال و افعال کو دن، وقت اور موسم کی قید کے ساتھ محفوظ کیا اور اگلی نسلوں تک زبانی اور تحریری طور پر پہنچا دیا اور بعد میں آنے والوں نے بھی کمال احتیاط کے ساتھ اس کو آنے والی نسلوں تک منتقل کرنے کا حق ادا کیا۔ آج ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے بارے میں جتنا کچھ جانتے ہیں دنیا کی کوئی قوم اپنے پیغمبروں اور رہنماؤں کے بارے میں اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں جانتی۔

بعد میں تیسری صدی ہجری میں باقاعدہ تدوین کا دور آیا تو احادیث کو ضبط تحریر میں لانے کے لیے کمال احتیاط کا مظاہرہ کیا گیا کیونکہ ان کے سامنے یہ حدیث موجود تھی۔

مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ (بخاری:1291، مسلم:4)

ترجمہ: جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لیا۔ (بخاری ومسلم)

احادیث کو لینے میں اتنی احتیاط کی گئی کہ راویوں کے حالاتِ زندگی قلمبند کرنے کے لیے باقاعدہ "اسماء الرجال" کا علم وجود میں آیا اور اگر کسی راوی کے بارے میں زندگی میں ایک دفعہ بھی جھوٹ بولنے کا پتہ چلا تو اس سے حدیث نقل نہ کی گئی۔

احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحت کی شہادت اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ 6ھ ہجری میں جو نامۂ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقوقس شاہ مصر کی جانب حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ ارسال فرمایا تھا وہ نامہ بعینہٖ ایک قبطی راہب کے پاس محفوظ تھا۔ اس نامہ کو ایک فرانسیسی نے 1275ھ میں اس سے خرید کر سلطان عبد المجید کی خدمت میں پیش کیا جو ابھی تک موجود ہے اور فوٹو کے ذریعے اس کی نقلیں دنیا میں شائع ہوئی ہیں۔ اس نامہ کا جب اس نامہ سے جو کتب احادیث میں منقول ہے مقابلہ کیا جاتا ہے تو بجز ایک لفظی فرق کے دونوں میں مکمل یکسانیت ہے۔

حدیث کی حجیت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص شک کرتا ہے تو اسے اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجت اور سند ہونے کے دلائل کو ہم تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

1. قرآنی دلائل
2. صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور جمہور علمائے امت کے افکار ونظریات
3. عقلی براہین اور دلائل

1. حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حجت ہونے میں قرآنی دلائل:

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝
(القیامۃ ۱۷۔۱۹)

ترجمہ: اس کا جمع کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمے ہے۔ سو جب ہم اسے پڑھا کریں تو تم اس کو سنا کرو اور پھر اسی طرح پڑھا کرو۔ پھر اس کے معانی کا بیان بھی ہمارے ذمے ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین باتوں کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ وہ تین باتیں یہ ہیں۔

(۱) جمع قرآن
(۲) قرأت قرآن
(۳) بیان قرآن

(۱) جمع قرآن مجید:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی جمع و تالیف کو اپنی طرف منسوب کیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی ایک آیت میں یہ حکم نہیں دیا کہ فلاں ترتیب کے مطابق جمع کرو یا فلاں آیت کو فلاں سورت میں رکھو۔ ظاہر ہے قرآن مجید کی جمع و تالیف کا کام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انجام دیا تھا۔ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ کام نجی حیثیت کا نہ تھا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ کام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کی حیثیت میں اور اللہ تعالیٰ کی نگرانی و رہنمائی میں انجام دیا تھا۔

(۲) قرأت قرآن مجید:

قرأت قرآن مجید رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فعل ہے۔ اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرأت اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھی۔
حدیث کا تفسیر قرآن ہونا دوسری آیتوں سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ۝ (سورۃ النحل: ۴۴)

ترجمہ: اور ہم نے تم پر بھی یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ جو ارشادات لوگوں پر نازل ہوئے ہیں وہ ان پر ظاہر کردو۔ اور تاکہ وہ غور کریں۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۝ (سورۃ النحل: ۶۴)

ترجمہ: اور ہم نے جو کتاب تم پر نازل کی ہے تو اس لیے کہ جس بات میں ان لوگوں کو اختلاف ہے تم اس کا فیصلہ کر دو۔ اور یہ مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

مذکورہ آیات سے واضح ہوتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کا ترجمان مفسر بھی ہے۔ یہ تفسیر نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث میں مذکور ہے۔ کتب احادیث میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریحات قرآن و تفصیل مذکور ہیں۔

(۳) بیان قرآن مجید:

اسی طرح بیان قرآن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب منسوب کیا ہے۔ بیان کے معنی ہیں تشریح و توضیح اور مجمل احکام کی تفصیل و تبیین ہے۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ کہ مجمل الفاظ مطالب کی توضیح اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں ایسی تشریح کہیں مذکور نہیں ایسی تشریحات صرف حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ملتی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تشریحات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے (بذریعہ وحی خفی) انجام دیں لہٰذا یہ بھی وحی میں داخل ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بجائے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔

2. حجیت حدیث پر علمائے امت کا اجماع:

تاریخ اسلام اس بات کی گواہ ہے کہ عہد رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیکر دور حاضر تک مسلمانان عالم حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دین میں حجت اور سند تصور کرتے آئے ہیں۔ اس امت میں صحابہ کرامؓ کی جماعت مسلمانوں کی نگاہ میں بے حد اکرام و احترام کی حامل ہے۔ اسی جماعت کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''خیر القرون'' کے الفاظ سے تعبیر کیا اور قرآن مجید نے اس کو كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ کے الفاظ دیئے۔ اس جماعت میں کبھی یہ مسئلہ زیر بحث نہیں آیا کہ آیا حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واجب التعمیل ہے یا نہیں؟ صحابہؓ کی اتباع رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ عالم تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ جمعہ پڑھا رہے تھے۔ دوران خطبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے کہا اَيُّهَا النَّاسُ اِجْلِسُوْا (اے لوگو بیٹھ جاؤ) عبداللہ بن مسعود ذرا دیر سے خطبہ سننے آئے تھے۔ ابھی مسجد میں اسی جگہ پہنچے تھے جہاں جوتے اتارے جاتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ سنے اسی جگہ بیٹھ گئے اور آگے جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہنا پڑا تَعَالَ يَا ابْنَ مَسْعُوْدٍ (ابن مسعود آگے آجایئے)۔ یہ صحابہ کرامؓ کے جذبہ اطاعت کی ایک ادنیٰ مثال ہے۔ تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بھی انکار حدیث کا فتنہ پیدا نہیں ہوا۔ عہد رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیکر دور حاضر تک ہزاروں محدثین، علماء اور تمام صلحاء حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دین میں سند کی حیثیت دیتے چلے آرہے ہیں۔

awazeinqilab.com

چند اصطلاحات حدیث کی وضاحت

1) **راوی:** حدیث نقل (Report) کرنے والے کو راوی کہتے ہیں۔ یعنی (Reporter)۔

2) **سند:** اس سے مراد راویوں کا وہ سلسلہ ہے جو الفاظ حدیث تک پہنچتا ہے۔

3) **متن:** اس سے مراد راویوں کے سلسلے کے بعد الفاظ حدیث ہیں۔ اس کی مثال حسب ذیل ہے:
"حدثنا الحُمَیْدی حدثنا سُفْیَانُ حدثنا یحییٰ بن سعید اخبرنی محمد بن ابراهیم انهٗ سمع علقمة بن وقاص یقول سمعتُ عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنه علی المنبر" قال سمعتُ رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول (اِنَّما الاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ) اس حدیث میں واوین (کامہ) کے درمیان جو نام مذکور ہیں یہ اس حدیث کی سند ہے اور بریکٹ کے درمیان جو عبارت ہے وہ متن ہے۔ سند حدیث کے راویوں پر مشتمل ہوتی ہے۔

4) **صحابی:** جس نے ایمان کی حالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی ہو اور آپؐ کی صحبت اختیار کی ہو اور اسلام پر وفات پا چکا ہو۔

5) **تابعی:** جس نے ایمان کی حالت میں صحابی کی زیارت کی ہو اور حالتِ اسلام میں ہی وفات ہوئے۔

اقسام حدیث

حدیث کی اقسام 100 سے کچھ زائد ہیں جن میں سے اہم کو ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔
حدیث کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں۔

- خبر متواتر: یہ وہ حدیث ہے کہ جس کے راوی ہر زمانے میں اس قدر زیادہ ہوں کہ عقلِ سلیم ان سب کے جھوٹ پر اتفاق کر لینے کو محال سمجھتی ہو۔ خبر متواتر سے علم یقینی حاصل ہوتا ہے اور اس کی سند کی تنقید نہیں ہوتی ہے۔
- خبر واحد: یہ وہ حدیث ہے کہ جس کے راوی اتنے زیادہ نہ ہوں۔ خبر واحد اپنے منتہا کے اعتبار سے چار قسم پر ہے۔

اقسامِ خبر بلحاظ اسناد

- حدیث مرفوع: یہ وہ حدیث ہے کہ جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول یا فعل یا تقریر یا صفت کا ذکر ہو اور اسے کوئی صحابی بیان کرے۔
- حدیث موقوف: یہ وہ حدیث ہے کہ جس میں صحابی کا قول یا فعل یا تقریر مذکور ہو۔
- حدیث مقطوع: یہ وہ حدیث ہے کہ جس میں تابعی کے قول یا فعل یا تقریر کا ذکر ہو۔

اقسامِ خبر بلحاظ رواۃ

☆ خبر واحد: خبر واحد راویوں کے تعداد سے تین قسم پر ہے۔

1) خبر مشہور: یہ وہ حدیث ہے جس کے راوی کسی زمانے میں بھی تین سے کم نہ ہوں البتہ متواتر کی حد تک نہ پہنچے؛
2) خبر عزیز: یہ وہ حدیث ہے کہ جس کے راوی کسی زمانہ میں بھی دو سے کم نہ ہوں۔
3) خبر غریب: یہ وہ حدیث ہے جس کی سند میں کہیں نہ کہیں صرف ایک راوی رہ جائے۔

اقسامِ خبر بلحاظ صفات الرواۃ

☆ خبر واحد اپنے راویوں کی صفات کے اعتبار سے 12 قسموں پر ہے۔

1) صحیح لذاتہ: یہ وہ حدیث ہے کہ جس کے تمام راوی کامل الضبط ہوں، سند متصل ہو اور اس میں علت اور شذوذ نہ پایا جائے۔
2) حسن لذاتہ: یہ وہ حدیث ہے کہ جس میں صحیح لذاتہ کی تمام صفات موجود ہو لیکن حفظ وضبط میں کچھ نقصان پایا جائے۔
3) ضعیف: یہ وہ حدیث ہے کہ جس کے راویوں میں صحیح لذاتہ اور حسن لذاتہ کی شرائط موجود نہ ہوں۔
4) صحیح لغیرہ: یہ وہ حدیث ہے جو اصل میں حسن لذاتہ تھی لیکن اس کی سندیں متعدد پائی گئیں تو یہ صحیح لغیرہ بن گئی۔
5) حسن لغیرہ: یہ وہ ضعیف حدیث ہے کہ جس کی بہت سی سندیں ہوں۔
6) موضوع: اس حدیث کو کہتے ہیں کہ جس کے کسی راوی سے حدیث میں جھوٹ ثابت ہو۔
7) متروک: جس حدیث کے راوی پر جھوٹ بولنے کا الزام ہو یا اس کی روایت دین کے معلوم اور مسلم قواعد کے خلاف ہو۔
8) شاذ: یہ وہ روایت ہے کہ جس کا راوی تو خود ثقہ ہے لیکن وہ اپنے سے زیادہ ثقات کی مخالف کر رہا ہو۔
9) محفوظ: وہ روایت جو شاذ کے مقابل ہو۔
10) منکر: وہ حدیث ہے کہ جس کا راوی ضعیف ہونے کے باوجود ثقات کی مخالفت کر رہا ہو۔

awazeinqilab.com

(11 معروف : وہ حدیث ہے جو منکر کے مقابل ہو۔

(12 معلل : وہ حدیث ہے جس میں علتِ خفیہ پائی جائے کہ جس سے حدیث کی صحت کو نقصان پہنچتا ہو۔

اقسامِ خبر واحد بلحاظ سقوط و عدم سقوط راوی

☆ خبر واحد سقوط اور عدم سقوط راوی کے اعتبار سے سات قسموں پر ہے۔

(1 متصل : وہ حدیث ہے کہ جس کی سند میں تمام راوی مذکور ہوں۔

(2 مُسْنَدْ : وہ حدیث ہے جس کی سند نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک متصل ہو۔

(3 منقطع : وہ حدیث ہے جس کی سند میں کوئی راوی چھوٹ گیا ہو۔

(4 مُعَلَّقْ : وہ حدیث ہے جس کی سند کی شروع میں ایک یا زیادہ راویوں کا ذکر نہ کیا جائے۔

(5 مُعْضَلْ : وہ حدیث ہے کہ جس کی سند کے درمیان میں پے در پے ایک سے زیادہ راوی مذکور نہ ہوں۔

(6 مُرْسَلْ : وہ حدیث ہے کہ جس کی سند کے آخر میں راوی چھوٹ گیا ہو۔

علومِ الحدیث

علوم الحدیث سے مراد وہ مباحث ہیں کہ جن کا کسی بھی طرح حدیث سے تعلق ہے چاہے ان کا تعلق سند سے یا متن سے یا اس کو روایت کرنے کے آداب یا راویوں کے حالات اور نقد و جرح سے ہو۔ جن میں سے اہم کا تعارف مندرجہ ذیل ہے۔

(1 روایت الحدیث : اس میں احادث کو روایت کرنے اور دوسروں کو نقل کرنے کے اصول اور طریقوں سے بحث ہوتی ہے۔

(2 درایت الحدیث : اس میں احادیث کی تشریح، الفاظ کے معانی اور مفاہیم سے بحث ہوتی ہے نیز احادیث سے استنباط احکام کے طریقوں اور متعارض احادیث میں ترجیح و تطبیق کی کیفیت سے بحث ہوتی ہے۔

(3 اصول حدیث : اس میں احادیث کی سند و متن کے احوال سے بحث کی جاتی ہے اور حدیث کی اقسام اور ان کے ضعف وقوت کے اصول اور درجات حدیث بیان کئے جاتے ہیں۔

(4 مصطلح الحدیث : اس میں فن حدیث میں محدثین کی اصطلاحات کو بیان کیا جاتا ہے اور اس سے متعلق دیگر تفصیلات ذکر ہوتی ہیں۔

(5 أسماء الرجال : اس فن میں ہر راوی کے حالات زندگی قلم بند کیے گئے ہیں، اس کی پیدائش، وفات، تحصیل، علم، اسفار، اساتذہ و شاگردوں کی تفصیلات درج ہوتی ہیں۔ جرمن مستشرق ڈاکٹر اسپرنگر لکھتے ہیں۔ کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں گزری، نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح "اسماء الرجال" کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ اشخاص کا حال معلوم ہوسکتا ہے۔

(6 جَرح و تعدیل : اس فن میں ہر راوی کی صفات ذکر کی گئی ہیں، وہ دینداری، دیانت داری اور راست بازی میں کس درجے کا تھا، حفظ و ضبط اور یاداشت کے لحاظ سے کیسا تھا، وہ ثقہ یعنی معتبر تھا یا غیر ثقہ، اس طرح اور دیگر شخصی صفات کو اس فن میں بیان کیا گیا ہے۔

(7 طبقات رواۃ : اس میں حدیث کے راویوں کے طبقات کو بیان کیا گیا ہے یعنی کونسا راوی صحابی ہے کونسا تابعی یا تبع تابعی اس طرح مابعد کے راویوں کے بھی طبقات ذکر کیے گئے ہیں۔

(8 موضوعات : اس فن میں ان راویوں کو الگ درج کیا گیا ہے جو کہ ضعیف ہیں اور انہوں نے موضوع روایات نقل کی ہیں چنانچہ اس فن میں ان موضوع روایات کو بھی درج کیا گیا ہے تا کہ کوئی دھوکہ میں نہ پڑے اور موضوع روایت کو حدیث نہ سمجھ بیٹھے۔

(9 ناسخ ومنسوخ : جس طرح قرآن کریم میں بعض آیات منسوخ ہیں اس طرح بعض احادیث بھی منسوخ ہیں۔ اس فن میں منسوخ احادیث اور ان کی ناسخ احادیث کو درج کیا گیا ہے اور ان کے منسوخ ہونے کی وجوہات بھی درج ہوتی ہیں۔

(10 اسباب ورودِ حدیث: جس طرح قرآن کریم کی آیات کا شانِ نزول ہوتا ہے جس سے آیت کا سیاق وسباق سمجھنے میں مدد مل جاتی ہے اسی سے ملتا جلتا ایک فن اسباب ورودالحدیث بھی ہے، یعنی کوئی حدیث جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمائی وہ کن حالات میں فرمائی اور اس وقت آپؐ کے پیشِ نظر کیا بات تھی، اگر اس حدیث کو اس سیاق وسباق میں دیکھیں گے تو مطلب کی سمجھ آسان ہوجاتی ہے ورنہ پسِ منظر اگر معلوم نہ ہو تو مطلب کے سمجھنے میں مشکل پیش آسکتی ہے اس فن میں بھی محدثین نے مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں۔

(11 آداب الروایۃ : اس فن میں حدیث کی روایت کے آداب ذکر کئے گئے ہیں اس میں استاد حدیث اور طالب علم کے آداب ذکر ہوتے ہیں، نیز یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ جب حافظے میں کمزوری ہو تو حدیث کی روایت جائز ہے یا نہیں اور محض کتابوں سے احادیث کی روایت بغیر استاد سے پڑھے جائز ہے یا نہیں۔ چونکہ حدیث کا فن عام

awazeindilab.com

فنون و علوم کی طرح نہیں ہے اس لیے اس کو پڑھنے اور پڑھانے کے اپنے آداب اور شرائط ہیں جن کو سمجھنا اس علم سے تعلق رکھنے والے کے لیے ضروری ہے نیز املاء کے آداب اور حدیث لکھنے کے آداب بھی اس فن میں ذکر کیے جاتے ہیں۔

(12 تحمل وادا : ''تحمل'' سے مراد حدیث کا حصول (Receive) ہے اور ''ادا'' سے مراد حدیث کو بیان (Deliver) کرنا ہے ، اس فن میں یہ بتایا جاتا ہے کہ حدیث کو لینے کے طریقے کیا ہیں مثلاً استاد پڑھتا ہے شاگرد سنتا ہے یا شاگرد پڑھتا ہے استاد سنتا ہے یا کوئی تیسرا پڑھتا ہے، نیز کسی استاد کی لکھی ہوئی کتاب اس کو ملی یا کس طرح حدیث اس تک پہنچی، پھر جب وہ اس حدیث کو آگے نقل کرے تو کس طرح اس کو روایت کرے گا، ان مختلف شکلوں میں اس کے روایت کرنے کا اسلوب طریقہ کیا ہونا چاہیے اور بہتر طریقہ حدیث کو لینے اور روایت کرنے کا کیا ہے؟

(13 عِلَلُ الحدیث : اس فن میں یہ اصول درج ہوتے ہیں کہ اگر حدیث میں کوئی علت ہے تو اس کو کس طرح دریافت کیا جائے، علت سے مراد وہ کمزوری ہے جو حدیث میں اندرونی اور داخلی ہوتی ہے۔ ظاہری اصول کے مطابق حدیث صحیح ہوتی ہے، اس کی سند اور اس کا متن درست ہوتا ہے لیکن ماہرین فن کی نظر میں اس میں کوئی خاص کمزوری سند میں یا متن میں ہوتی ہے، یہ کمزوری ہر شخص معلوم نہیں کرسکتا۔ اس کے لیے علم حدیث کے تمام علوم پر دقیق نظر، فنی مہارت اور رسا ذہن کی ضرورت ہوتی ہے۔

(14 غریب الحدیث : اس سے مراد یہ ہے کہ حدیث کے متن میں کوئی ایسا لفظ ہے کہ جس کے معنی استعمال کی وجہ سے عام طور پر معلوم نہیں ہے یا اس کی مراد واضح نہیں ہے تو اس فن میں ایسے الفاظ کے معنی اور ان کی مراد کی وضاحت ہوتی ہے یعنی اس میں احادیث کے مشکل الفاظ کے معانی ذکر کیے جاتے ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا انتخابِ حدیث میں رویّہ اور نمایاں اصول

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اصل نام محمد بن اسماعیل البخاری تھا۔ ان کی تصانیف میں سب سے اہم کتاب ''الجامع الصحیح المسند'' ہے۔ اس کتاب کی تصنیف میں آپ نے کمال احتیاط کا رویّہ اختیار کیا اور سولہ سالوں میں اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دوسرے محدثین کی نسبت راویوں کو پرکھنے کا معیار بہت بلند رکھا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ

علیہ نے اپنی حفظ کردہ چھ لاکھ احادیث میں سے انتخاب کر کے تقریباً سات ہزار احادیث بحذف مکررات درج کی ہیں۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا اپنی کتاب کے بارے میں درج ذیل قول بے حد مشہور ہے:

ترجمہ: میں نے اس کتاب کو اپنے اور اللہ کے درمیان حجت ٹھہرایا ہے۔

بڑے بڑے علماء محدثین نے اس کتاب کی صحت اور خوبی کی گواہی دی ہے اور محنتِ شاقہ کو سراہا ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صرف صحیح احادیث کو ہی شامل کتاب کیا ہے اور صرف ثقہ راویوں کی روایات ہی قبول کی ہیں۔

امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کا نام ''الجامع الصحیح'' ہے۔ حسنِ ترتیب اور طرزِ تصنیف کی بنا پر اس کتاب کا کوئی ثانی نہیں۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ ہر باب کے ذیل میں تمام صحیح احادیث کو ایک ہی جگہ درج کرتے ہیں جس کی وجہ سے صحیح مسلم سے احادیث متعلقہ کو تلاش کرنا آسان ہوتا ہے جب کہ صحیح بخاری میں موضوع کی احادیث منتشر ابواب کے تحت ذکر کی گئی ہیں جس کی وجہ سے صحیح بخاری میں کسی حدیث کو تلاش کرنا مشکل ہوتا ہے۔ آپ نے کسی ضعیف راوی کی حدیث اپنی کتاب میں شامل نہیں کی۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح کے مقدمے میں حدیث کی اہمیت، سند کی اہمیت اور نقد حدیث کی شرائط پر بحث کرتے ہوئے حدیث ''معنعن'' میں ان کے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مابین اختلاف کے بارے میں اپنے نقطہ نظر کو مبرھن کیا ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب حدیث میں رویّہ اور اصول حسبِ ذیل ہیں:

- ان روایات کو درج کیا ہے کہ جن کی صحت پر اتفاق پایا جاتا ہے۔
- راوی ثقہ، عادل اور حافظ ہوں۔
- روایت کا سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تسلسل کے ساتھ پہنچے۔
- کوئی حدیث آیتِ قرآنی یا کسی اور مستند حدیث کے خلاف نہ ہو۔
- کوئی ایسی حدیث نہ ہو جس پر عمل انسان کے بس کی بات ہی نہ ہو۔
- کوئی ایسی حدیث نہ ہو جو تقاضائے فطرت کے خلاف ہو۔
- کوئی حدیث کسی ثابت شدہ تاریخی واقعہ کے خلاف نہ ہو۔

محدثین نے رواۃ کے پانچ طبقات ذکر کیے ہیں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ زیادہ تر پہلے طبقے کی حدیثیں لاتے ہیں۔ اور کبھی کبھار طبقہ ثانیہ کی حدیث بھی درج کر دیتے ہیں جب کہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ عموماً طبقہ اولی اور ثانیہ کی حدیثیں بکثرت لاتے ہیں اور کبھی کبھار طبقہ ثالثہ کی حدیثیں بھی لے آتے ہیں جب کہ طبقہ رابعہ اور خامسہ کی حدیثیں دونوں ذکر نہیں کرتے ہیں۔

awazeinqilab.com

مشق

سوال 1: درج ذیل سوالوں کے مختصر جواب لکھیں۔

i۔ حدیث کی تعریف بیان کریں۔
ii۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر کیسے احسان فرمایا؟
iii۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اللہ کی اطاعت کیسے ہے؟
iv۔ حدیث کے معاملے میں مستشرقین نے کیا غلط فہمی پیدا کی؟
v۔ اسناد کے لحاظ سے احادیث کی کون کون سی اقسام ہیں؟
vi صحابی اور تابعی کی تعریف لکھیں۔
vii۔ عددِ رواۃ کے لحاظ سے حدیث کی کتنی قسمیں ہیں؟
viii۔ علم اسماء الرجال سے کیا مراد ہے؟
ix۔ صحیح بخاری کا تعارف بیان کریں؟
x۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے کون سے اصولوں پر عمل کر کے کتابیں لکھیں؟

سوال 2: درج ذیل سوالوں کے جواب تفصیل سے لکھیں۔

i۔ حدیث بطورِ مآخذِ احکام پر تبصرہ کریں۔
ii۔ حدیث کی تشریعی حیثیت بیان کریں۔
iii۔ حجیت حدیث کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟
iv۔ علم حدیث کے لیے کون کون سے علوم معرضِ وجود میں آئے؟
v۔ عدالتِ راوی کے اعتبار سے حدیث کی اقسام بیان کریں۔

سوال 3: سبق کے مطابق مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔

i۔ حدیث کا لغوی معنی ________ ہے۔
ii۔ رسول کی اطاعت دراصل ________ ہی کی اطاعت ہوتی ہے۔
iii۔ اعمال کا دارومدار ________ پر ہوتا ہے۔
iv۔ وحی غیر متلو سے مراد ________ ہے۔
v۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ________ سے کچھ نہیں فرماتے تھے۔
vi قرآنِ حکیم کا ایک نام ________ بھی ہے۔
vii۔ جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ________ نہ مانیں وہ مومن نہیں ہو سکتے۔
viii۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ________ بنا کر مبعوث فرمایا گیا تھا۔
ix۔ سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ________ لکھا کرتے تھے۔
x۔ راویوں کے حالاتِ زندگی قلمبند کرنے کے لیے ________ کا علم ایجاد ہوا۔
xi۔ علامہ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ________ لکھی۔
xii۔ جس حدیث کو بیان کرنے والوں کا سلسلہ صحابی تک پہنچے ________ حدیث کہلاتی ہے۔

سرگرمی

معلم/معلمہ، طلبہ / طالبات کو دو گروپوں میں تقسیم کر کے ایک کو امام بخاری اور دوسرے کو امام مسلم کا انتخاب حدیث میں رویہ اور اصول چارٹ پر لکھ کر دونوں میں فرق واضح کرائے۔

awazeinqilab.com

منتخب احادیث کا خصوصی مطالعہ:

حدیث نمبر 26

عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ اَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ : وَيْلٌ لِلَّذِي يُحَدِّثُ بِالْحَدِيثِ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ فَيَكْذِبُ وَيْلٌ لَهُ وَيْلٌ لَهُ (سنن الترمذی)

ترجمہ: بھز بن حکیم اپنے والد اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے تھے: ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جو اپنی قوم کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولتا ہے۔ ہلاکت ہے اس کے لئے، ہلاکت ہے اس کے لئے۔

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کو وعید سنائی ہے جو اپنے عزیز و اقارب اور دوستوں وغیرہ کی محفلوں میں جھوٹ بول کر داد وصول کرتے ہیں۔ اسلام نے جھوٹے شخص پر لعنت کی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک اور ارشادِ گرامی کا مفہوم ہے کہ مومن میں ہر قسم کی برائی ہوسکتی ہے لیکن وہ جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح منافقین کی نشانیاں بتاتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ جب وہ بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے۔

عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ محفل کی جان بننے کے لیے اور بسااوقات محض تفریح طبع کے لیے لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔ جھوٹی معلومات کا سہارا لیتے ہیں اور محض دوسروں کو وقتی طور پر خوش کرنے کے لیے اپنی طرف سے من گھڑت باتیں

کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے سخت وعید سنائی گئی ہے کہ ان کی ہلاکت ہے۔ ہلاکت سے مراد یہ ہے کہ وہ اس دنیا میں بھی خسارے میں رہیں گے اور اخروی فلاح بھی ان کے حصے میں نہیں آئے گی۔

لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم ہمیشہ سچ کا دامن تھامے رہیں اور کبھی بھی جھوٹی بات نہ کریں اور نہ ہی کبھی تفریح طبع کے لیے اس گھٹیا عادت کو اپنائیں۔ ہمیں ہمیشہ یہ بات اپنے ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ہم ''الصادق'' نبی کے امتی ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ سچائی کو اپنا شیوہ بنائیں۔

حدیث نمبر 27

عَنْ مَكْحُوْلٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْعِلْمُ بِالتَّعَلُّمِ وَالْخَيْرُ عَادَةٌ وَإِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِهٖ خَيْراً فَقَّهَهُ فِي الدِّيْنِ (الجامع فی الحدیث:446، مولفہ عبداللہ بن وھب المصری)

ترجمہ: علم سیکھنے سے آتا ہے اور بھلائی فطرت ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی سے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اسکو دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے۔

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ علم کی ترویج و اشاعت اور ترقی اسی وقت ہوتی ہے جب دوسروں کو سکھایا جائے۔ وہ معاشرے اور قومیں زیادہ ترقی کرتی ہیں جہاں درس و تدریس کا عمل جاری رہتا ہے۔ اس حدیث پاک میں نیکی کو عادت قرار دیا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نیکی اس وقت انسان کے رویے میں پختہ ہوتی ہے جب وہ اس کی عادت بن جاتی ہے۔ یعنی روز مرہ معاملات اور معمولات میں وہ غیر ارادی طور پر نیکیاں کرتا چلا جاتا ہے۔ اور اس طرح ایک وقت آتا ہے جب اس کے اخلاق بہترین بن جاتے ہیں۔

اس حدیث مبارکہ میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ جب اللہ کسی کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اسے دین کا فہم عطا کردیتا ہے۔ گویا دین اسلام کا فہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا انعام ہے۔ خوش قسمت ہیں وہ افراد جنہیں اللہ تعالیٰ

awazeinqilab.com

دین کی سمجھ عطا کرتا ہے۔ دین کی حکمتوں کو سمجھنا اور سوچ سمجھ کر زندگی کے روز و شب گزارنا بہت بڑی دانائی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے رہنا چاہیے کہ وہ ہمیں صحیح معنوں میں دین کی سمجھ عطا فرمائے اور قرآن و سنت پر عمل کرنے کی سعادت بخشے۔

حدیث نمبر 28

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْعَمَلَ أَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ؟ قَالَ: اَلصَّلٰوةُ عَلٰى وَقْتِهَا، قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ ؟ قَالَ: ثُمَّ بِرُّالْوَالِدَيْنِ، قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ ؟ قَالَ: اَلْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ.

(صحیح البخاری کتاب الادب حدیث نمبر ۵۹۷۰)

ترجمہ: عبداللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ کونسا عمل اللہ کے نزدیک زیادہ محبوب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ نماز جو وقت پر پڑھی جائے، فرمایا پھر کونسا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پھر والدین کے ساتھ نیکی کرنا، فرمایا پھر کونسا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔

تشریح:

اس حدیثِ مبارکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین ایسے اعمال بیان فرمائے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند ہیں:

۱۔ وقتِ مقررہ پر نماز ادا کرنا۔

۲۔ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرنا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا۔

قرآنِ مجید میں سب سے زیادہ نماز کی ادائیگی کا ہی حکم آیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اور

ارشادِ گرامی بھی ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز ہی کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ نماز کو دین کا ستون اور جنت کی کنجی بھی قرار دیا گیا ہے۔ نماز وقتِ مقررہ پر ادا کرنا اور اس میں باقاعدگی لانا بہت بڑی سعادت ہے۔

والدین کے ساتھ نیکی کرنا اولاد کا فرض ہے۔ خاص طور پر جب وہ بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کی خدمت کرنا اور ان کی کسی ناگوار بات کو بھی خندہ پیشانی سے برداشت کرنا اولاد کا فرض ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے والدین کی خوب خدمت کریں اور اگر وہ اس دنیا میں نہیں رہے تو ان کے ایصالِ ثواب کے لیے نیک کام کریں۔ نیک اولاد کو بھی والدین کے لیے صدقہ جاریہ کہا گیا ہے۔

اللہ کے راستے میں جہاد کرنا بہت بڑی نیکی ہے۔ قران و حدیث میں جہاد کی بہت بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ جہاد اسلام کا چھٹا رکن ہے اور جہاد کرنے والوں کے لیے انعام و اکرام کا وعدہ کیا گیا ہے۔

حدیث نمبر 29

وَعَنْ أَبِي الدَّرْدَآءِ رَضِيَ اللّٰه عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَدَّ عَنْ عِرْضِ أَخِيْهِ بِالْغَيْبِ رَدَّ اللّٰهُ عَنْ وَجْهِهِ النَّارَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (الترمذی)

ترجمہ: ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی کی عزت کا دفاع اس کے موجود نہ ہونے کے وقت کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے چہرے سے آگ کو ہٹا دے گا۔

تشریح:

(ا) غیبت سے روکنا فرض ہے: جس طرح غیبت کرنا، حرام ہے اسی طرح غیبت سننا بھی حرام ہے قیامت کے دن جس طرح زبان کے اعمال پر بازپرس ہوگی اسی طرح کانوں کے عمل پر بھی بازپرس ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ''یقیناً کان، آنکھ اور دل ہر ایک کے متعلق سوال کیا جائے گا'' (بنی اسرائیل ۱۷:۳۶)

اگر کسی مجلس میں کوئی شخص کسی مسلم بھائی کی غیبت کر رہا ہو اس کی عزت کو خراب کر کے مجلس گرم کر رہا ہو۔ تو دوسرے بھائیوں کا فرض ہے کہ اسے اس شنیع فعل سے روک دیں اس دفاع کی بدولت اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے چہرے

awazeinqilab.com

سے آگ کو دور کردے گا۔ غیبت سے روکنا ایک تو اس لیے فرض ہے کہ ایک مسلمان پر دوسرے کی مدد فرض ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اس کی مدد چھوڑتا ہے''۔ (بخاری)

دوسرا اس لیے کہ برائی سے منع کرنا ہر مسلمان پر بقدر استطاعت فرض ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تم میں سے جو برائی دیکھے تو اسے ہاتھ سے روکے اگر یہ طاقت نہ رکھے تو زبان سے، اگر یہ بھی طاقت نہ رکھے تو دل سے اور یہ ایمان کا کمزور درجہ ہے۔ (مسلم)

(۲) **اگر غیبت سے نہ روک سکے تو کیا کرے:** جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی ہو رہی ہو اور اُن کا مذاق اُڑایا جا رہا ہو تو اُس مجلس میں بیٹھنے والا شخص بھی اُن کی طرح ہوگا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "اور یقیناً اللہ نے تم پر کتاب میں یہ حکم نازل فرمایا ہے کہ جب تم اللہ کی آیات کے متعلق سنو کہ ان سے انکار کیا جا رہا ہے اور ان کی ہنسی اُڑائی جا رہی ہے تو جب تک وہ لوگ اَور باتیں نہ کرنے لگیں ان کے پاس مت بیٹھو، ورنہ تم بھی انہیں جیسے شمار ہو گے۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ منافقوں اور کافروں کو دوزخ میں اکھٹا کرنے والا ہے۔'' (النساء:۱۴۰)

حدیث نمبر 30

عَنْ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَقِیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ یَوْماً فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا النَّجَاةُ؟ فَقَالَ: یَا عُقْبَةُ أَمْلِکْ عَلَیْکَ لِسَانَکَ وَلْیَسَعْکَ بَیْتُکَ وَابْکِ عَلٰی خَطِیْئَتِکَ

(سنن الترمذی کتاب الذھد: حدیث نمبر۲۴۰۶)

ترجمہ: عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ میں ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا اور ان سے پوچھا کہ نجات کیا ہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے عقبہ اپنی زبان کو قابو میں رکھو اور اپنے گھر ٹھہرے رہو اور اپنی خطاؤں پر روؤ۔

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں نجات حاصل کرنے کے بارے میں حکمتِ عملی بتائی گئی ہے۔ نجات اور سلامتی حاصل

کرنے کے لیے تین چیزیں ارشاد فرمائی گئی ہیں۔

۱۔ زبان پر قابو رکھنا
۲۔ گھر میں رکے رہنا (گھر والوں کی اصلاح کرنا)
۳۔ گناہوں پر رونا۔

روز مرہ معمولات میں بے شمار جھگڑے اور فساد زبان سے نکلے ہوئے غلط الفاظ سے ہی ہوتے ہیں۔ اسی لیے ایک حدیث میں آتا ہے کہ خاموشی میں سلامتی ہے۔ یعنی اچھی بات کہنی چاہیے ورنہ خاموش رہنا چاہیے۔ پہلے سوچو اور پھر بولو کا اصول اسی لیے بہتر بتایا جاتا ہے کہ منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جس سے کسی قسم کی بدمزگی ہو جائے۔

گھر میں رکے رہنا یا گھر کی طرف دوڑنا سے مراد ہے کہ غیر ضروری آوارہ گردی سے کئی قباحتیں جنم لیتی ہیں۔ گھر میں رہ کر اہلِ خانہ کے ساتھ وقت گزارنا اور ان کے کام آنا نیز ان کی اچھی تربیت کرنا سعادت مندی کی بات ہوتی ہے۔ آخر میں فرمایا گیا ہے کہ انسان سے دانستہ یا نادانستہ کئی گناہ سرزد ہو جاتے ہیں۔ ان پر ندامت کے آنسو بہانا، مغفرت طلب کرنا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرنے سے انسان کو نجات مل جائے گی۔ اور اس طرح وہ مزید گناہ کرنے سے بھی باز آجائے گا۔

حدیث نمبر 31

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهُ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهُ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ مَا الْغِیْبَةُ؟ قَالَ: ذِکْرُکَ أَخَاکَ بِمَا یَکْرَهُ قِیْلَ أَفَرَأَیْتَ إِنْ کَانَ فِیْ أَخِیْ مَاأَقُوْلُ؟ قَالَ إِنْ کَانَ فِیْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ وَإِنْ لَّمْ یَکُنْ فِیْهِ مَاتَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّهُ

(سنن أبی داؤد کتاب الادب باب فی الغیبة۔ حدیث ٤٨٧٤)

ترجمہ: حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ غیبت کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے بھائی کی ایسی بات کا ذکر کرنا جسے وہ ناپسند کرے۔ پھر پوچھا! اگر وہ بات جو میں کہتا ہوں وہ اسمیں موجود ہو تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اگر جو تو کہتا ہے وہ اس میں موجود ہے تو، تو نے اس کی غیبت کی اور اگر اُس میں موجود نہیں ہے تو، تو نے اس پر بہتان لگایا۔

awazeinqilab.com

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں ایک بہت بڑی اور بُری معاشرتی برائی کا نہایت صراحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیبت کی تعریف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ غیبت یہ ہے کہ کوئی اپنے بھائی کی ایسی بات کا اس کی غیر موجودگی میں ذکر کرے، جسے وہ سن لے تو برا منائے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ شاید جو بات کسی کے اندر ہو وہ غیبت میں شمار نہیں ہوتی کیونکہ وہ تو حقیقتِ حال ہوتی ہے۔ آپؐ نے واضح فرمادیا کہ یہی تو غیبت ہے اور اگر وہ بات کسی کے اندر نہ ہو تو پھر وہ غیبت نہیں ہوگی بلکہ بہتان ہوگا۔

غیبت کو گناہِ کبیرہ کہا گیا ہے۔ قرآنِ حکیم نے غیبت کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی دی ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم اس برے فعل سے ہمیشہ اپنا دامن صاف رکھیں۔ اگر کوئی ہمارے سامنے کسی کی غیبت کرنے کی کوشش کرے تو اسے روک دیں اور اگر وہ نہ رکے تو وہاں سے چلے جائیں۔ غیبت سے نفرتیں اور فساد ہی جنم لیتا ہے کبھی اصلاح نہیں ہوتی۔

حدیث نمبر32

عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ اَبِيْهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ مِنَ الْعِبَادِ عِبَادٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَا يُطَهِّرُ هُمْ وَلَا يَنْظُرُ اَلَيْهِمْ قَالُوْا: مَنْ اُولٰئِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ) قَالَ: اَلْمُتَبَرِّیْ مِنْ وَالِدَيْهِ رَغْبَةً عَنْهُمَا وَالْمُتَبَرِّیْ مِنْ وَلَدِهٖ، وَرَجُلٌ اَنْعَمَ عَلَيْهِ قَوْمٌ فَكَفَرَ نِعْمَتَهُمْ وَتَبَرَّأَمِنْهُمْ (الطبرانی، المعجم الکبیر)

ترجمہ: سہل بن معاذ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بندوں میں سے اس بندے سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ کلام کریں گے اور نہ اسکو پاک کریں گے اور نہ اسکی طرف دیکھیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا وہ کون ہوگا؟ آپؐ نے فرمایا: جو اپنے والدین سے بری ہو جاتا ہے ان

سے بے رغبتی کرتے ہوئے اور وہ جو اپنے بچوں سے بری ہو جاتا ہے۔ اور وہ آدمی جس پر اس کی قوم کے احسانات ہیں اور وہ اس کا انکار کرتا ہے اور ان سے بری ہو جاتا ہے۔

تشریح:

اس حدیثِ مبارکہ میں حقوقِ والدین، حقوقِ اولاد اور قوم کے حقوق ادا نہ کرنے والے بدنصیب شخص کا ذکر کیا گیا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں بھی ایسے افراد مل جاتے ہیں جو والدین سے حسنِ سلوک نہیں کرتے اور ان کے بڑھاپے میں ان سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ یا جو اپنی اولاد کے حقوق کا خیال نہیں کرتے ۔ ان کی ضروریات کا خیال نہیں رکھتے، ان کی تعلیم و تربیت کا خیال نہیں کرتے اور انہیں نظر انداز کرتے رہتے ہیں۔ نیز ایسے شخص بھی ہیں جو ملک و قوم کے وسائل استعمال کرتے رہتے ہیں لیکن جب ملک و قوم کی خدمت کا وقت آتا ہے تو دور چلے جاتے ہیں یا یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ملک و قوم کا ان پر کوئی احسان نہیں ہے یہ تو ان کی اپنی محنت اور جدوجہد ہے۔

ایسے لوگوں کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ قیامت والے دن ایسے لوگوں کی طرف نہ تو اللہ دیکھے گا، نہ انہیں پاک کرے گا اور نہ ان سے ہم کلام ہوگا۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ ایسے لوگ اللہ کی رحمت سے محروم رہیں گے۔ جو لوگ اللہ کی رحمت اور نظرِ کرم سے محروم ہوں گے ان کا ٹھکانہ بہت برا ہوگا۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے والدین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کریں، اولاد کے حقوق ادا کریں اور اپنے ملک و قوم کے کام آئیں۔

حدیث نمبر33

وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: رِضَى اللّٰهِ فِیْ رِضَى الْوَالِدَيْنِ، وَسَخَطُ اللّٰهِ فِیْ سَخَطِ الْوَالِدَيْنِ (سنن الترمذی کتاب البر والصلة: حدیث نمبر۱۹۰۰)

ترجمہ: عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اللہ کا راضی ہونا ماں باپ کے راضی ہونے میں ہے اور اللہ کا ناراض ہونا ماں باپ کے ناراض ہونے میں ہے۔

awazeinqilab.com

تشریح:

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ والدین کو راضی کرنا فرض ہے اور انہیں ناراض کرنا حرام ہے کیونکہ ان کی رضا میں اللہ کی رضا اور ان کی ناراضگی میں اللہ کی ناراضگی ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے حق کے ساتھ والدین کا حق ملا کر ذکر فرمایا ہے۔ ''میرا اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کر'' (لقمان ۱۴) ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ''اور تیرے رب نے حکم دیا کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو''۔ (الاسراء ۱۷: ۲۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں اکبر الکبائر نہ بتاؤں تین دفعہ فرمایا صحابہؓ نے عرض کیا کیوں نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور والدین کو ستانا (صحیح بخاری)

والدین کا حکم صرف اس وقت مانا جائے گا جب وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف نہ ہو اگر اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو تو والدین کا حکم نہیں مانا جائے گا مثلاً والدین ایسا کام کرنے کا حکم دیں جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے یا ایسے کام سے روکیں جو اللہ تعالیٰ نے ہر ایک پر فرض کیا ہے تو ان کی بات نہیں مانی جائے گی۔

حدیث نمبر34

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَسْتَاْذِنُهٗ فِي الْجِهَادِ، فَقَالَ: اَحَيٌّ وَالِدَاكَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ فَفِيْهِمَا فَجَاهِدْ (صحيح مسلم)

ترجمہ: عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور جہاد میں جانے کی اجازت طلب کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ کہنے لگا: جی ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: انکی خدمت میں ہی تمہارا جہاد ہے۔

تشریح:

غالباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ بات منکشف ہوگئی تھی یا کسی وجہ سے اس کے بارے میں شبہ ہوگیا تھا کہ اس آدمی کے ماں باپ اس کی خدمت کے محتاج ہیں اور یہ ان کو چھوڑ کے اُن کی اجازت کے بغیر جہاد کے لیے آ گیا ہے اس لیے آپ نے اس کو یہ حکم دیا کہ وہ گھر واپس جا کر ماں باپ کی خدمت کرے کیونکہ ایسی حالت میں اس کے لیے ماں باپ کی خدمت مقدم ہے۔ اس حدیث سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ جس کسی کے ماں باپ ہوں وہ جہاد اور دین کی کسی خدمت کے لیے کبھی گھر سے باہر نہ نکلے اور صرف وہی لوگ جہاد میں اور دین کے خدمت میں لگیں جن کے ماں باپ نہ ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو صحابہ کرامؓ جہاد کرتے تھے ان میں بڑی تعداد انہی کی ہوتی تھی جن کے ماں باپ زندہ ہوتے تھے۔

حدیث نمبر35

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهٗ، وَلَا يُسْلِمُهٗ، وَمَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (صحیح البخاری کتاب المظالم حدیث نمبر ۲۴۴۲)

ترجمہ: ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے اور نہ کسی مصیبت میں اس کا ساتھ چھوڑے اور جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی میں لگا رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجتیں پوری کرتا رہتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی سختی کو دور کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کی سختیوں میں سے اس کی سختی دور کرے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔

تشریح: اس حدیث مبارکہ میں اس بات کا بیان ہے کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہوتے ہیں۔ دین کا رشتہ سب سے

awazeinqilab.com

قوی رشتہ ہوتا ہے۔ اس رشتے کا تقاضا ہے کہ اگر کبھی دو مسلمان بھائیوں یا جماعتوں کے درمیان اختلاف ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق آپس میں صلح کرلیں، اللہ سے ڈریں اور اس میں ذرا بھی سستی نہ کریں تاکہ اختلاف بڑھنے نہ پائے اور مسلمان ایک دوسرے کا خون نہ بہائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس حدیث شریف میں اس بات کی بھی ترغیب دی گئی ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر خود بھی ظلم کرنے سے اجتناب کرے اور دوسروں کو بھی ایک مسلمان پر ظلم کرنے سے روکیں اور کسی مسلمان کو ظالم حکومت یا آدمی کے حوالے نہ کرے۔ بلکہ اس مسلمان کی ہر ممکن مدد کرے جیسا کہ اس حدیث شریف میں ترغیب دی گئی ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کے کام میں اس کی مدد کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے کام میں اس کی مدد کرے گا اور جو شخص اس دنیا میں اپنے مسلمان بھائی کی مصیبت دور کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے قیامت کے دن کی مصیبت دور کرے گا۔ اس طرح ایک مسلمان کو چاہیے کہ دوسرے مسلمان کی عیبوں کی چشم پوشی کرے دوسروں کو یا کافروں کو اس کے عیب اور نقصانات نہ بتائے تو اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے سخت ترین دن میں اس کے عیبوں پر پردہ ڈالے گا جس طرح اس نے اپنے مسلمان بھائی کے عیبوں پر دنیا میں پردہ ڈالا تھا۔

حدیث نمبر 36

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّهٗ قَالَ: اَلْمُؤْمِنُ مِرآةُ الْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنُ أَخُوالْمُؤْمِنِ یَکُفُّ عَلَیْهِ ضَیْعَتَهٗ وَیَحُوْطُهٗ مِنْ وَرَآئِهٖ (سنن أبی داؤد:4918)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارشاد نقل کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: ایک مومن دوسرے مومن کے لیے آئینہ ہے اور ایک مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے، وہ اس کی مال وجائیداد کی حفاظت کرتا ہے اور اس کی غیر موجودگی میں اُس کی حفاظت کرتا ہے۔

تشریح:

اس حدیثِ مبارکہ میں بھی مومن کی شان بیان کی گئی ہے۔ آپؐ نے عملی زندگی میں ایسی مثال ارشاد فرمائی ہے جو فوراً دل میں اتر جانے والی ہے۔ مومن دوسرے مومن بھائیوں کے لیے آئینے کی طرح ہوتا ہے۔ جس طرح آئینہ جھوٹ نہیں بولتا۔ اس کے سامنے جو کچھ آ جائے بعینہٖ اس کی شکل کا عکس ظاہر کر دیتا ہے۔ اسی طرح مومن جب دوسرے مومن سے ملتا ہے تو اس کی اصلاح کے لیے اسے تلقین کرتا ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ اگر کسی دوسرے مسلمان بھائی میں کوئی عیب نظر آئے یا اسے کوئی برائی کرتا دیکھیں تو حقیقی خیر خواہ کی طرح اس کی اصلاح کرنی چاہیے۔ مبادا وہ برے کاموں میں دھنستا ہی چلا جائے۔ اس حدیث میں باہمی میل جول کے ذریعے معاشرتی حسن پیدا کرنے کے لیے تلقین کی گئی ہے کہ اگر کبھی دوسرے بھائی میں کوئی عیب دیکھیں تو اسے سمجھائیں اور پیار محبت سے نصیحت کریں تاکہ وہ راہِ راست پر آ جائے۔

حدیث نمبر 37

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ: مِنْ اَفْضَلِ الْاَعْمَالِ اِدْخَالُ السُّرُوْرِ عَلَی الْمُؤْمِنِ، وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ مَنْ لَطَّفَ لِاَخِیْهِ فِیْ کَلِمَةٍ وَوَسَّعَ لَهٗ فِیْ مَجْلِسٍ أَوْقَضٰی لَهٗ حَاجَةً لَمْ یَزَلْ فِیْ ظِلٍّ مِّنَ الْمَلَائِکَةِ مَاکَذٰلِکَ

(الجامع فی الحدیث :229/1 ، کنزالعمال)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! افضل اعمال مومن کو خوشی پہنچانا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے بھائی کو نرم بات کہی اور اس کے لیے مجلس میں گنجائش پیدا کی یا اس کی کوئی حاجت پوری کی تو وہ فرشتوں کے سائے میں ہوگا جب تک وہ اس روش پر قائم ہو۔

awazeindlab.com

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں اہلِ ایمان کو باہمی میل جول میں بہترین رویّہ اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اسلام نے مسلمانوں کو اخوت کے جذبوں سے سرشار رہنے کے لیے کئی تعلیمات دی ہیں تاکہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی بن کر رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو معاشرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے تشکیل فرمایا تھا اس میں یہ خوبی بدرجہ اتم موجود تھی۔ مسلمان دوسرے مسلمانوں کی خوشیوں اور آسانیوں کا خیال رکھتے تھے۔ اس حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا ہے کہ وہ مسلمان فرشتوں کے سائے میں رہے گا جو دوسرے مسلمان بھائیوں کے ساتھ نرمی سے بات کرے۔ کسی محفل میں بیٹھنے کے لیے جگہ مہیا کرے گا اور ضرورت پڑنے پر ان کی حاجت روائی کے لیے کوشش کرے گا۔

دوسروں سے نرمی سے بات کرنا، مجلس میں بیٹھنے کے لیے وسعت کا مظاہرہ کرنا اور ضرورت کے وقت مدد کرنا ایسے معاشرتی آداب ہیں جن پر عمل کرنے سے کوئی بھی معاشرہ جنتِ ارضی بن سکتا ہے۔

حدیث نمبر 38

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ: اَلْکَبَائِرُ اَلْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَالْیَمِیْنُ الْغَمُوْسُ (صحیح البخاری)

ترجمہ: حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''کبیرہ گناہ، اللہ کے ساتھ شرک، والدین کی نافرمانی، ناحق قتل اور جھوٹی قسم ہیں۔

تشریح:

اس حدیثِ مبارکہ میں بعض کبیرہ گناہوں کی نشاندہی کی گئی ہے تاکہ ان سے بچا جائے۔ اس حدیث میں چار کبیرہ گناہوں کا ذکر ہے۔

ا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو اس کا شریک ٹھہرانا۔

ب۔ والدین کی نافرمانی کرنا۔

ج۔ کسی بے گناہ جان کو ناحق قتل کر دینا۔

د۔ جھوٹی قسمیں کھانا۔

اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے۔ وہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ وہ ہر چیز کا خالق، رازق اور مالک ہے۔ دنیا ومافیہا سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا سب سے بڑا ظلم اور کبیرہ گناہ ہے۔ والدین کی حکم عدولی بھی کبیرہ گناہ ہے۔ کسی معصوم اور بے گناہ جان کو ناحق طریقے سے قتل کرنا، پوری انسانیت کو قتل کرنے کے مترادف ہوتا ہے۔ بات بات پر جھوٹی قسمیں کھانا بھی گناہِ کبیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کبیرہ گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حدیث نمبر 39

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ : ''کَانَ تَاجِرٌ یُدَایِنُ النَّاسَ فَاِذَا رَأَیٰ مُعْسَراً قَالَ لِفِتْیَانِہٖ تَجَاوَزُوْا عَنْہُ لَعَلَّ اللّٰہَ اَنْ یَّتَجَاوَزَ عَنَّا، فَتَجَاوَزَ اللّٰہُ عَنْہُ''

(صحیح مسلم، وصحیح البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا! کہ ایک تاجر تھا جو لوگوں کے ساتھ ادھار کا لین دین کرتا تھا، پس جب وہ کوئی تنگ دست کو دیکھتا تو اپنے نوکروں سے کہتا کہ اس کا ادھار معاف کردو ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی معاف کردے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کردیا۔

awazeindilab.com

تشریح:

اس حدیث میں تنگ دست کے ساتھ نرمی کرنے والے تاجر کی فضیلت کا ذکر ہے۔ اسلام کے معاشی نظام میں ایسی تعلیمات دی گئی ہیں جو محتاجوں، مسکینوں، بیواؤں، یتیموں اور بے سہارا لوگوں کے لیے مُودے سے کم نہیں۔ قرض حسنہ کے ذریعے مفلوک الحال لوگوں کی مدد کرنا، صدقہ و خیرات، زکوٰۃ اور قرض معاف کر دینے کی تعلیماتِ اسلامی ایسے اصول ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر معاشرے سے غربت کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے اور محروم طبقات کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کا موقع مل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے تاجر کو مژدہ جانفزا سنایا ہے جو کسی مفلوک الحال تنگ دست کو دیکھ کر یا اس سے لین دین کرتے ہوئے اپنے ساتھی سے کہتا ہے کہ اسے معاف کر دو یعنی اسے کوئی چیز مفت میں دے دو اور اگر وہ مقروض ہے تو اس کا قرض معاف کر دو۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس عمل کے صدقے ہمیں بھی معاف کر دے۔ اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے خوش ہو جاتا ہے جو اس کے کسی غریب اور مفلس بندے سے نرمی کا معاملہ فرماتا ہے۔

ہمیں چاہیے کہ باہمی لین دین میں غریبوں کے ساتھ خاص ہمدردی کریں۔ ان کے لیے آسانیاں پیدا کریں تاکہ اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہو جائے اور ہمیں بخش دے۔

حدیث نمبر 40

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: اَلْحَلَالُ بَيِّنٌ وَّالْحَرَامُ بَيِّنٌ وَّبَيْنَهُمَا مُشَبَّهَاتٌ لَا يَعْلَمُهَا كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الْمُشَبَّهَاتِ اِسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ وَمَنْ وَّقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَرَاعٍ يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشَكُ أَنْ يُّوَاقِعَهٗ: اَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، اَلَا إِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهٗ، اَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً اِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ، اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ

(صحیح البخاری کتاب الایمان حدیث نمبر ۵۲)

ترجمہ: نعمان بن بشیر فرماتے ہیں: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہتے سنا: ”حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن کا بہت سے لوگوں کو علم نہیں۔ پس جو ان متشابہات سے بچا اس نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچا لیا اور جو ان میں پڑ گیا وہ اس چرواہے کی طرح ہے جو چراگاہ کے اردگرد ریوڑ چراتا ہے شاید کہ وہ اس چراگاہ میں داخل ہو جائے، بے شک ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ کی چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں، بے شک جسم میں ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست رہتا ہے تو سارا جسم درست رہتا ہے اور جب وہ فساد زدہ ہو جاتا ہے تو سارا جسم فساد زدہ ہو جاتا ہے۔ بے شک وہ دل ہے۔

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حرام اور حلال یعنی شرعی طور پر جائز اور ناجائز چیزوں کو پرکھنے کے لیے ایک ایسا فارمولا بتایا ہے کہ جس کو استعمال کرنے سے ہم نہ صرف اس دنیاوی زندگی میں کامرانی حاصل کر سکتے ہیں بلکہ اخروی فلاح سے بھی ہمکنار ہو سکتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حلال اور حرام تو بالکل واضح ہی ہیں، بعض چیزیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو ان کے درمیان ہوتی ہیں۔ انہیں متشابہات کہتے ہیں۔ جس چیز کے بارے میں شک و شبہ پیدا ہو جائے کہ پتہ نہیں یہ جائز ہے یا ناجائز تو ایسی چیزوں سے پہلو تہی کرنا ہی لازم ہوتا ہے۔ اس ضمن میں آپ ؐ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے پہلو میں ایک دل رکھا ہے جو مشتبہ چیزوں کے بارے میں فوراً مطلع کر دیتا ہے۔ اگر کوئی اس وقت دل کی آواز نہ سنے یعنی ضمیر کی آواز کو پسِ پشت ڈال دے تو وہ گناہوں کی دلدل میں پھنستا چلا جاتا ہے اور ایک وقت ایسا آ جاتا ہے کہ اسے حلال و حرام میں بھی تمیز نہیں رہتی۔ اس لیے فرمایا گیا کہ شک و شبے میں ڈالنے والی چیزوں سے بچو اور اپنے دلوں کو خوب صاف ستھرا رکھو تاکہ وہ تمہیں خبردار کرتا رہے کہ فلاں چیز ٹھیک ہے اور فلاں چیز غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کی حفاظت فرمائے اور ہمیں ضمیر کی آواز پر لبیک کہنے کی توفیق دے۔

awazeindia.com

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَ ةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَجُلاً أَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ إِلٰی نِسَائِهٖ فَقُلْنَ: مَا مَعَنَا اِلَّا الْمَآءُ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ: مَنْ يَّضُمُّ أَوْيُضِيْفُ هٰذَا ؟ فَقَالَ رَجُلٌ مِّنَ الْأَنْصَارِ: أَنَا فَانْطَلَقَ بِهٖ إِلَی اِمْرَأَتِهٖ، فَقَالَ: أَكْرِمِیْ ضَيْفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: مَا عِنْدَنَا اِلَّا قُوْتُ صِبْيَانِیْ، فَقَالَ هَيِّئِیْ طَعَامَكِ، وَأَصْبِحِیْ سِرَاجَكِ وَ نَوِّمِیْ صِبْيَانَكِ اِذَا أَرَادُوْا عَشَاءً ، فَهَيَّأَتْ طَعَامَهَا، وَأَصْبَحَتْ سِرَاجَهَا وَنَوَّمَتْ صِبْيَانَهَا، ثُمَّ قَامَتْ كَأَنَّهَا تُصْلِحُ سِرَاجَهَا فَأَطْفَأَتْهُ، فَجَعَلَا يُرِيَانِهٖ اَنَّهُمَا يَأْكُلَانِ فَبَاتَا طَاوِيَيْنِ فَلَمَّا أَصْبَحَ غَدَا إِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ فَقَالَ: "ضَحِكَ اللّٰهُ اللَّيْلَةَ أَوْعَجِبَ مِنْ فِعَالِكُمَا" فَأَنْزَلَ اللّٰهُ . "وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰی أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَأُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (صحيح مسلم و صحيح البخاری)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس (بطور مہمان) آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج کو کہا۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس پانی کے سوا کچھ نہیں۔ تو نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ کون اس کو اپنے ساتھ ملائے گا۔ یا اس کی مہمان نوازی کرے گا۔ انصار کے ایک آدمی نے کہا کہ میں۔ وہ اسے اپنے گھر لے گیا اور کہا کہ تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہمان کا اکرام کرو۔ وہ کہنے لگی ہمارے پاس تو صرف بچوں کا کھانا ہے۔ اس نے کہا تم کھانا لے آنا، بچوں کو سلا دینا اور چراغ جلا دینا۔ جب ہم رات کے کھانے کا ارادہ کریں۔ اس نے کھانا تیار کیا اور چراغ روشن کیا اور بچوں کو سلا دیا پھر وہ کھڑی ہوئی گویا چراغ ٹھیک کر رہی ہے اور چراغ کو بجھا دیا۔ پس انہوں نے یہ ظاہر کیا کہ وہ بھی مہمان کے ساتھ

کھانے میں شریک ہیں ... چلے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رات کو تم پر خوش ہوئے اور تمہارے عمل کو پسند کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی ''وہ دوسروں کو اپنے نفسوں پر ترجیح دیتے ہیں اگرچہ خود بھوکے ہوں اور جو بچایا گیا نفس کے لالچ سے پس وہی لوگ فلاح پانے والوں میں سے ہیں''

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں ایک ایسے واقعے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہمان کو اپنے اہلِ خانہ اور اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہوئے کھانا کھلایا تھا اور اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ فعل اتنا پسند آیا کہ قرآنِ حکیم کی یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تھی۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۟ (الحشر : ۹)

ترجمہ: ...ں پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ انہیں شدید خواہش ہو۔

ایک ... نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ایک شخص مہمان بن کر آیا۔ اس کی خدمت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں پانی کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ آپؐ کے کہنے پر ایک صحابی اس مہمان کو اپنے گھر لے گیا۔ ان کے گھر بھی بہت کم کھانا تھا۔ صحابی نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم کھانا ہمارے سامنے رکھ دینا اور چراغ کو درست کرنے کے بہانے گل کر دینا اور بچوں کو بھوکے ہی سلا دینا۔ ان کی بیوی نے ایسا ہی کیا۔ ان صحابی رضی اللہ عنہ نے اندھیرے میں یہ ظاہر کیا کہ وہ بھی کھانے میں شریک ہیں۔ اس طرح رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہمان کی خدمت کرنے پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمائی۔

اگلے روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس صحابی سے بے حد خوش ہوئے اور ان کے عمل کی تعریف فرمائی۔ ہمارے لیے اس حدیث میں بہت بڑا سبق ہے کہ ہم مہمان کو باعثِ زحمت نہ سمجھیں بلکہ باعثِ رحمت جانیں اور اس کی خدمت کرنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے مالوں میں برکت پیدا کرنے والا ہے۔

awazeinqilab.com

حدیث نمبر 42

عَـنْ أَبِـیْ اَیُّـوْبَ الْأَنْصَارِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ قَالَ: "لَا یَـحِـلُّ لِـرَجُـلٍ أَنْ یَّهْـجُـرَ اَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَیَالٍ یَلْتَقِیَانِ، فَیُعْرِضُ هٰذَا، وَیُعْرِضُ هٰذَا۔ وَخَیْرُهُمَا الَّذِیْ یَبْدَأُ بِالسَّلَامِ" (صحیح مسلم و صحیح البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "کسی آدمی کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن سے زیادہ چھوڑے رکھے۔ جب وہ آپس میں ملیں تو پس ایک کا منہ اِدھر اور دوسرے کا اُدھر اور ان دونوں میں بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔

تشریح:

اس حدیثِ مبارکہ میں مسلمانوں کی آپس میں ناراضگی کی صورت میں حد مقرر کی گئی ہے کہ اگر کبھی باہمی لڑائی جھگڑا یا کسی بات پر ناراضگی ہو جائے تو زیادہ سے زیادہ تین دنوں تک ترکِ تعلق روا ہے۔ اس کے بعد دو مسلمان بھائیوں کا ناراض رہنا حرام قرار دیا گیا ہے۔

اس حدیثِ مبارکہ میں باہمی محبت کے فروغ کے لیے تلقین کی گئی ہے اور یہ نصیحت فرمائی گئی ہے کہ ایک ساتھ رہتے ہوئے بسا اوقات آپس میں رنجش پیدا ہو جاتی ہے اور انسان ایک دوسرے سے اعراض کرنے لگتا ہے۔ فرمایا گیا کہ یہ اعراض تین دنوں سے زیادہ طویل نہیں ہونا چاہیے وگرنہ سخت گناہ ہوگا۔ یوں تو دو مسلمان بھائیوں میں ناراضگی ختم کرنے کے لیے تیسرے کو آگے بڑھ کر ناراضگی ختم کروا دینی چاہیے تا کہ دو مسلمان پھر سے شیر و شکر ہو جائیں۔ اگر ایسا ممکن نہ ہو تو کسی ایک کو ہمت کر کے پہل کرنی چاہیے اور ملاقات پر پہلے سلام کرنا چاہیے۔ اسلام میں پہلے ناراضگی ختم کرنے والے کو زیادہ بہتر قرار دیا گیا ہے۔ جھوٹی انا اور ضد کو ختم کرنے والا واقعی عظیم ہوتا ہے۔ اس لیے آپؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ پہلوان وہ نہیں جو دوسرے کو مقابلے میں پچھاڑ دے بلکہ پہلوان وہ ہے جو اپنے غصے پر قابو پائے۔

حدیث نمبر 43

عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَ ةَ رَضِـیَ الـلّٰـهُ عَـنْـهُ، قَالَ: مَا عَابَ النَّبِیُّ (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم) طعاما قَطُّ، إِنِ اشْتَهَاهُ أَكَلَهُ وَإِلَّا تَرَكَهُ (صحیح مسلم وصحیح البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کھانے میں عیب نہیں نکالا، اگر پسند ہوتا تو کھا لیتے ورنہ چھوڑ دیتے۔

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں کھانے پینے کے اشیاء کے بارے میں تعلیم دی گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زندگی میں کبھی بھی کھانے پینے والی چیزوں میں نقص نہیں نکالا۔ جو چیز آپؐ کو پسند ہوتی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نوش فرما لیتے تھے اور اگر وہ چیز پسند نہ ہوتی تو کھاتے ہی نہیں تھے۔

کھانا پینا انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ ہم ہر روز کئی چیزیں کھاتے ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ کھانے والی چیزوں میں عیب نکالنا، اور نقص تلاش کرنا ہماری عادت بن گئی ہے۔ کھانے پینے والی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ اللہ کی نعمتیں کھا کر اس کا شکر بجا لائیں اور اگر کوئی چیز پسند نہ آئے یا کسی چیز کا ذائقہ اچھا نہ لگے تو ہاتھ کھینچ لیں اور خاموش ہو جائیں۔ کھانے کی چیزوں میں عیب نکالنا ایک طرف اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے تو دوسری طرف وہ چیز پیش کرنے والوں کی دل آزاری کا باعث بھی ہے۔ ہمیں اپنے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے کھانے والی چیزوں میں کبھی بھی نقص نہیں نکالنا چاہیے۔

حدیث نمبر 44

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى عُضْوٌ، تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ جَسَدِهِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى (صحیح مسلم وصحیح البخاری)

ترجمہ: (حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مومنین ایک دوسرے پر رحم کرنے میں، محبت کرنے میں اور نرمی کرنے میں ایک جسم کی مانند ہیں۔ جب ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم بخار اور بے خوابی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔)

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں مسلمانوں کی باہمی اخوت ومحبت کا ذکر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اخوت کا لازوال اور بے مثال مظاہرہ ہجرتِ مدینہ کے موقع پر مہاجرین اور انصار کے درمیان قائم کر کے فرمایا تھا۔ وہ مثال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قائم کردہ مصطفوی معاشرے کی زندہ جاوید حقیقت بن چکی ہے۔ اگرچہ موجودہ دور میں مسلمان باہمی نفرتوں اور چپقلشوں کا شکار ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ مصیبت کی گھڑیوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ پڑھنے والے اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ وطنِ عزیز میں اس کی واضح مثال زلزلے، سیلاب میں بے گھر ہونے والے افراد کے ساتھ اظہارِ یک جہتی اور عملی مدد کے ذریعے سامنے آئی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد آج بھی سچ ہے کہ مومن رحمت، محبت اور شفقت میں ایک جسم کی مانند ہیں۔ جس طرح جسم کا ایک حصہ بیمار ہو جائے تو پورا جسم بے قرار ہو جاتا ہے اسی طرح اگر کسی ایک جگہ کے مسلمان پریشان حال ہوں تو ساری امتِ مسلمہ بے قرار ہو جاتی ہے۔

ہمیں چاہیے کہ ہم باہمی معاملات میں یک جان ہو کر رہیں۔ اگر کسی دوسرے مسلمان بھائی کو ہماری مدد کی ضرورت پڑے تو فوراً مدد کریں۔ یہی اخوت اور اصل بھائی چارہ ہے۔

حدیث نمبر 45

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ قَالَ: بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ، اشْتَدَّ عَلَيْهِ الْعَطَشُ، فَوَجَدَ بِئْرًا فَنَزَلَ فِيهَا، فَشَرِبَ ثُمَّ خَرَجَ، فَإِذَا كَلْبٌ يَلْهَثُ يَأْكُلُ الثَّرَى مِنَ الْعَطَشِ، فَقَالَ الرَّجُلُ: لَقَدْ بَلَغَ هَذَا الْكَلْبُ مِنَ الْعَطَشِ مِثْلَ الَّذِي كَانَ بَلَغَ بِي، فَنَزَلَ بِئْرًا فَمَلَأَ خُفَّهُ، ثُمَّ أَمْسَكَهُ بِفِيهِ، فَسَقَى الْكَلْبَ فَشَكَرَ اللّٰهُ لَهُ، فَغَفَرَ لَهُ، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَإِنَّ لَنَا فِي الْبَهَائِمِ أَجْرًا؟ فَقَالَ: فِي كُلِّ ذَاتِ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ

(صحیح البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! اس دوران کہ ایک آدمی راستے پر چل رہا تھا، کہ اسے سخت پیاس لگی، اس کو ایک کنواں ملا، اس میں اترا اور پانی پی کر نکل آیا۔ اچانک اس نے ایک کتے کو دیکھا جو ہانپ رہا تھا اور پیاس کی شدت سے تر مٹی چاٹ رہا تھا، تو آدمی نے دل میں کہا اس کتے کو پیاس کی وہ تکلیف پہنچی ہے۔ جو مجھے پہنچی تھی چنانچہ وہ کنویں میں اترا اور اپنا موزہ پانی سے بھر کر اپنے منہ سے پکڑا اور باہر لا کر کتے کو پانی پلایا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس کی مغفرت کی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا۔ اللہ کے رسول! کیا ہمارے لیے جانوروں (سے ہمدردی) میں بھی اجر ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! ہر تر جگر والے میں اجر وثواب ہے۔

awazeinqilab.com

تشریح:

اس حدیثِ مبارکہ میں جانوروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا ذکر ہے۔ اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے انسانوں کے علاوہ جانوروں، پرندوں، درختوں اور فصلوں تک، ہر ایک کے ساتھ اچھے سلوک کا حکم دیا ہے۔

جانور ہوں یا پرندے، انسان ہوں یا حیوان سب اللہ کی مخلوق ہیں۔ جانوروں پر رحم کرنا ہمارے مذہب کی تلقین ہے۔ اس حدیث مبارک میں ایک ایسے شخص کا ذکر ہے جس نے ایک کتے کو شدید پیاس کی حالت میں پانی پلایا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو اس کی ادا اتنی پسند آئی کہ اس بندے کی مغفرت کر دی۔

ہمیں چاہیے کہ ہم بھی ضرورت پڑنے پر جانوروں، پرندوں اور دیگر جانداروں سے رحم کا معاملہ کریں۔ انہیں تنگ نہ کریں۔ اگر انہیں خوراک کی ضرورت ہو تو فوراً خوراک دے دیں۔ اور یہ بات ذہن میں رکھیں کہ وہ بھی ہماری طرح اللہ ہی کی مخلوق ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے محبت کرتا ہے۔ اللہ کی مخلوق اس کا کنبہ ہے۔ بنیادی طور پر اس حدیث میں رحم کھانے اور رحم کرنے کی تلقین ہے۔ تمام جاندار ہماری مہربانی اور رحم کے مستحق ہوتے ہیں۔

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

حدیث نمبر46

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا یُشِیْرُ اَحَدُکُمْ عَلٰی اَخِیْهِ بِالسِّلَاحِ، فَاِنَّهٗ لَا یَدْرِیْ، لَعَلَّ الشَّیْطَانَ یَنْزِعُ فِیْ یَدِهٖ فَیَقَعُ فِیْ حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ.

(صحیح مسلم و صحیح البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اشارہ نہ کرے تم میں سے کوئی اپنے بھائی کی طرف ہتھیار سے، بے شک وہ نہیں جانتا کہ شاید شیطان اسکے ہاتھ کو جھٹک دے اور وہ آگ کے گڑھے میں جاگرے۔

تشریح:

اس حدیث مبارک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کے لیے ایک آفاقی پیغام دیا ہے کہ کوئی مسلمان کسی ہتھیار کو ہاتھ میں پکڑ کر اپنے کسی مسلمان بھائی کی طرف اشارہ نہ کرے کہ مبادا شیطان اس کے ہاتھوں ہتھیار سے دوسرے کو نقصان پہنچا دے۔ یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وقت ارشاد فرمائی جب تلوار، نیزہ، تیر کمان وغیرہ تھے۔ نگاہِ نبوت کے علم میں تھا کہ آنے والا وقت جدید ترین ہتھیاروں کا ہوگا۔ اس لیے عین ممکن ہے کہ ہتھیار سے دوسرے کی طرف اشارہ کرنے سے اسے نقصان پہنچے۔

ایسا بارہا ہوا ہے کہ کسی کے ہاتھ میں بندوق تھی۔ اس نے از راہ شرارت، مذاق یا غلطی سے دوسرے کی طرف کی اور وہ چل گئی۔ اس طرح دوسرا شخص ناحق مارا گیا۔ اور ہتھیار سے دوسرے کی طرف اشارہ کرنے والا ہمیشہ کے لیے کفِ افسوس ملتا رہ گیا۔

دورِ حاضر میں اس حدیث کی اہمیت دو چند ہو چکی ہے کیونکہ جدید ترین ہتھیار بن چکے ہیں جو ذرا سی لاپرواہی یا بے احتیاطی سے چل سکتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اگر ہمارے ہاتھ میں کسی قسم کا ہتھیار ہو تو اس سے دوسروں کی طرف اشارہ نہ کریں۔

حدیث نمبر47

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ: عُذِّبَتِ امْرَاَةٌ فِیْ هِرَّةٍ سَجَنَتْهَا حَتّٰی مَاتَتْ، فَدَخَلَتْ فِیْهَا النَّارَ، لَا هِیَ اَطْعَمَتْهَا، وَلَا سَقَتْهَا اِذَا حَبَسَتْهَا وَلَا هِیَ تَرَکَتْهَا تَاْکُلُ مِنْ خَشَاشِ الْاَرْضِ.

(صحیح مسلم و صحیح البخاری)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا۔ جو اسکی قید میں تھی یہاں تک کہ وہ مرگئی۔ پس اس وجہ سے وہ عورت جہنم میں ڈال دی گئی۔ نہ وہ اسکو کھلاتی تھی اور نہ پلاتی تھی جب اس نے اسکو قید رکھا تھا اور نہ اسکو چھوڑتی تھی تا کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑے ہی کھالے۔

awazeinqilab.com

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں جانوروں کے حقوق کا ذکر ہے اور جو لوگ ان کے بارے میں سخت رویہ رکھتے ہیں ان کے لیے سخت عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ گزشتہ حدیث میں ایک ایسے شخص کا ذکر ہوا ہے جس نے ایک پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا ور اسے بخش دیا گیا تھا۔ اس حدیث مبارکہ میں ایک ایسی عورت کا ذکر ہے جس نے بلی کو باندھ دیا اور اسے کچھ کھانے پینے کے لیے بھی نہ دیا، جس کی وجہ سے وہ مرگئی۔ اس جرم کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس عورت کو جہنم رسید کر دیا۔

اسلام نے ہر جاندار کے حقوق مقرر کیے ہیں۔ جانوروں اور پرندوں تک کے بارے میں تلقین کی گئی ہے کہ ان کے ساتھ مہربانی اور رحم کا برتاؤ کریں۔ وہ بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانوروں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان سے اتنا ہی کام لینا چاہیے جتنی ان کی سکت ہو اور ان کے کھانے پینے کا مناسب بندوبست کرنا چاہیے۔ نیز ان کے ساتھ ایسا بے رحمانہ سلوک کبھی نہ کریں جس سے انہیں نقصان پہنچے ورنہ اللہ کی پکڑ بڑی سخت ہے۔

حدیث نمبر48

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: جَاءَ تِ اِمْرَأَۃٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم فَقَالَتْ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ ذَھَبَ الرِّجَالُ بِحَدِیْثِکَ، فَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ نَّفْسِکَ یَوْماً نَّاتِیْکَ فِیْہِ تُعَلِّمُنَا مِمَّا عَلَّمَکَ اللّٰہُ، فَقَالَ: "اِجْتَمِعْنَ فِیْ یَوْمِ کَذَا وَکَذَا، فِیْ مَکَانِ کَذَا وَکَذَا" فَاجْتَمَعْنَ، فَأَتَاھُنَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَعَلَّمَھُنَّ مِمَّا عَلَّمَہُ اللّٰہُ ثُمَّ قَالَ: "مَامِنْکُمْ اِمْرَأَۃٌ تُقَدِّمُ بَیْنَ یَدَیْھَا مِنْ وَلَدِھَا ثَلَاثَۃً اِلَّاکَانَ لَھَا حِجَاباً مِّنَ النَّارِ" فَقَالَتْ اِمْرَأَۃٌ مِّنْھُنَّ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! اِثْنَیْنِ؟ قَالَ: فَأَعَادَتْھَا مَرَّتَیْنِ ثُمَّ قَالَ: "وَاثْنَیْنِ، وَاثْنَیْنِ، وَاثْنَیْنِ"

(صحیح مسلم وصحیح البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی۔ کہنے لگی اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مردوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیثیں لے لیں (ہم محروم رہ گئیں) ہمارے لیے بھی اپنی طرف سے کوئی دن مقرر کریں تاکہ ہم اس دن آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہ سیکھیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سکھایا ہے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فلاں دن اور فلاں جگہ جمع ہو جائیں پس وہ جمع ہوگئیں۔ چنانچہ ان کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے پس اُن کو وہ سکھایا جو اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سکھایا پھر فرمایا: تم میں سے جس عورت نے اپنے آگے تین چھوٹے بچے بھیجے تو بے شک وہ اس کے لیے جہنم سے پردہ بن جائیں گے۔ ان میں سے ایک عورت نے کہا: یا رسول اللہ: دو بھی؟ اس عورت نے یہ بات دو مرتبہ کہی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! اور دو بھی، اور دو بھی، اور دو بھی۔

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں عورتوں کی تعلیم کا ذکر ہے۔ نیز ایسی عورتوں کے لیے جہنم سے نجات کی خوشخبری ہے جن کے تین یا دو بچے بچپن میں ہی وفات پا گئے ہوں۔ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک عورت نے درخواست کی تھی کہ مرد حضرات تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختلف علوم سیکھتے ہی رہتے ہیں کوئی ایسا انتظام ہو جائے کہ جس میں عورتیں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر چشمۂ نبوت سے فیض یاب ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عورت کی درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا اور عورتوں کے لیے ایک دن مقرر فرما دیا۔ اس دن خواتین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ میں حاضر ہوتیں اور دین و دنیا کی بھلائیاں سمیٹ کر لے جاتیں۔ ایسے موقع پر ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان عورتوں کو خوشخبری دی تھی جن کے تین یا دو بچے بچپن میں فوت ہو گئے ہوں کہ وہ بچے جہنم اور ان کے درمیان ڈھال بن جائیں گے۔ اولاد کے بچپن میں فوت ہو جانے کا دکھ وہ ماں ہی جانتی ہے جس کی کوکھ سے انہوں نے جنم لیا ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے دکھوں کے پیشِ نظر انہیں اچھی خبر سنائی کہ اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں انہیں ضرور ملے گا۔

حدیث نمبر49

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ : "یَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰی أَنَا عِنْدَظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ، وَأَنَامَعَهٗ اِذَا ذَکَرَنِیْ، فَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ نَفْسِهٖ، ذَکَرْتُهٗ فِیْ نَفْسِیْ، وَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَإٍ، ذَکَرْتُهٗ فِیْ مَلَإٍ خَیْرٍ مِّنْهُمْ، وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ بِشِبْرٍ تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعاً۔ وِاِنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعاً، تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ بَاعًا، وَاِنْ أَتَانِیْ یَمْشِیْ، أَتَیْتُهٗ هَرْوَلَةً

(صحیح مسلم و صحیح البخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب مجھے یاد کرتا ہے۔ جب مجھے وہ ل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اور جب مجھے وہ محفل میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اس سے بہتر محفل میں یاد کرتا ہوں۔ جب وہ ایک بالشت چل کر میری طرف آتا ہے تو میں ایک گز اسکی طرف آتا ہوں۔ اور اگر وہ ایک گز آتا ہے تو میں دو ہاتھ چل کر آتا ہوں۔ اور جب وہ چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔

تشریح:

یہ حدیثِ مبارکہ حدیثِ قدسی ہے۔ حدیثِ قدسی وہ ہوتی ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔۔۔۔۔

اس حدیث مبارکہ میں رحمتِ خداوندی کی خصوصی عنایتوں کا ذکر ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے بے حد پیار کرتا ہے۔ بعض احادیث میں آتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں سے ستر ماؤں سے بھی زیادہ پیار کرتا ہے۔ سورۃ البقرۃ میں فرمایا گیا ہے کہ جب کوئی بندہ اللہ کو پکارتا ہے تو اللہ اس کی پکار کا جواب دیتا ہے۔

اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے یاد کرتا ہے۔ اگر بندہ جلوت میں یاد کرے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں کی مجلس میں اس بندے کا ذکر کرتا ہے اور اگر بندہ خلوت میں یاد کرے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے تنہائی میں یاد کرتا ہے۔ اس طرح اگر کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس سے چار گنا زیادہ اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ حتیٰ کہ جب کوئی بندہ گناہ کا ارتکاب کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بے حد محبوب رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

حدیث نمبر50

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ : اَلسَّاعِیْ عَلَی الْأَرْمِلَةِ وَالْمِسْکِیْنِ کَالْمُجَاهِدِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ أَوِالْقَائِمِ اللَّیْلِ الصَّائِمِ النَّهَارِ .

(صحیح مسلم وصحیح البخاری)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بیوہ و مسکین کی مدد میں کوشش کرنے والا شخص اس مجاہد کی طرح ہے جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتا ہے یا اس شخص کی طرح ہے جو رات کو قیام کرتا اور دن کو روزہ رکھتا ہے۔

تشریح:

اس حدیث مبارکہ میں مسکینوں اور بیواؤں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور ان کی مدد کرنے والوں کی فضیلت کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسلامی تعلیمات میں بے سہارا لوگوں کی مدد کرنے والوں کے لیے بڑے بڑے انعامات واکرامات کا ذکر ملتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسکینوں سے خاص محبت فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی بھی ہے کہ اے اللہ مجھے مسکین ہی رکھ، مسکینوں میں ہی میرا حشر فرما۔

awazeinqilab.com

معاشرے میں مسکین اور بیوہ کے لیے عموماً کوئی مددگار نہیں ہوتا اور وہ بے سہارا سمجھے جاتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے امتیوں کو ارشاد فرمایا کہ جو ان کی مدد کرے، ان کے کام آئے تو اس کی فضیلت ایسی ہی ہے جیسے اس نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا۔ یا ساری رات عبادت میں گزاری اور سارا دن روزے سے رہا۔

اس حدیث میں بیان کی گئی فضیلت کے پیشِ نظر کون بدقسمت ہوگا جو بیوہ کے کام نہ آئے یا کسی مسکین کے سر پر ہاتھ نہ رکھے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں نیک کام کرنے کی توفیق دے اور دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ (آمین)

مشق

سوال 1: دی گئی احادیث مبارکہ کی روشنی میں درج ذیل سوالوں کے جواب لکھیں۔

i۔ کیا مذاقاً جھوٹ بولا جاسکتا ہے؟ [118]
ii۔ اللہ تعالیٰ دین کی سمجھ کسے عطا فرماتا ہے؟ [119]
iii۔ والدین کے ساتھ کیسا سلوک کرنے کی تلقین کی گئی ہے؟ [121]
iv۔ زبان پر قابو رکھنے سے کیا مراد ہے؟ [123]
v۔ غیبت کی تعریف کریں۔ [124]
vi۔ بہتان کسے کہتے ہیں؟ [124]
vii۔ روزِ قیامت اللہ تعالیٰ کن سے کلام نہیں کرے گا؟ [124]
viii۔ والدین کی خدمت کو کس عبادت کے برابر قرار دیا گیا ہے؟ [126]
ix۔ ''مومن مومن کے لیے آئینہ ہے'' وضاحت کریں۔ [129]
x۔ فرائض کے بعد افضل عمل کسے قرار دیا گیا ہے؟ [129]
xi۔ تنگ دست کے ساتھ کیسا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟ [132]

xii۔ دل کے بارے میں کیا ارشاد ہوا ہے؟ [133]
xiii۔ صحابی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہمان کی خدمت کیسے کی؟
xiv۔ مسلمان اپنے بھائی سے کتنے دن ناراض رہ سکتا ہے؟
xv۔ مومن آپس میں کس چیز کی مانند ہیں؟

سوال 2: درج ذیل ہر سوال کے چار چار جواب دیے گئے ہیں۔ احادیث مبارکہ کی روشنی میں درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیں؟

الف۔ **ایک عورت کو جہنم میں اس لئے ڈالا گیا کہ اس نے**
i. بلی کو باندھ کر مار دیا تھا — ii. پیاسے کتے کو پانی نہ پلایا
iii. غیبت کر کے لوگوں کو نقصان پہنچایا — iv. مسلمانوں کو تکلیف دی

ب۔ اگر دو مسلمان آپس میں لڑ پڑیں تو کتنے دنوں تک ایک دوسرے سے اعراض کر سکتے ہیں؟
i. ایک دن — ii. تین دن
iii. پانچ دن — iv. سات دن

ج۔ بیواؤں اور مسکینوں کی مدد کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی:
i. اللہ کی راہ میں صدقہ کرے — ii. بیت اللہ کی زیارت کرے
iii. اللہ کے راستے میں جہاد کرے — iv. ماہِ رمضان کے روزے رکھے

د۔ حدیث قدسی وہ ہوتی ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمائیں کہ
i. میرے امتی جنت میں جائیں گے — ii. میرے صحابہ رضی اللہ عنہم فضیلت والے ہیں
iii. بے سہارا لوگوں کی مدد کرو — iv. اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے

ہ۔ مومنین کی آپس میں محبت کی مثال کس چیز سے دی گئی ہے؟
i. جسم — ii. سر
iii. عضو — iv. دیوار

awazeinqilab.com

و۔ صحابی رسول رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مہمان کی کیسے خدمت کی؟

i. پانی پلایا	ii. کھانا کھلایا
iii. مالی مدد کی	iv. تحفہ دیا

ز۔ فرائض کے بعد کس عمل کو افضل قرار دیا گیا ہے؟

i. مسکینوں کو کھانا کھلانا	ii. جانوروں پر رحم کرنا
iii. نرمی سے بات کرنا	iv. غریبوں کی مدد کرنا

ح۔ انسانی جسم کے کس عضو کے بارے میں یہ فرمایا گیا کہ اگر وہ درست کام کرے تو سارا جسم ہی درست رہتا ہے؟

i. آنکھ	ii. دماغ
iii. ہاتھ	iv. دل

ط۔ کس گناہ کو کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے؟

i. دوسروں کو حقیر سمجھنا	ii. والدین کی نافرمانی
iii. دوسروں کی مدد نہ کرنا	iv. جھگڑا کرنا

ی۔ ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو جہاد میں شرکت کی اجازت نہ دی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہتے تھے کہ وہ:

i. پہلے اپنے اندر بہادری پیدا کر لے	ii. اپنے والدین کی خدمت کرے
iii. اپنی صحت کا خیال رکھے	iv. مدینہ میں رہ کر لوگوں کی مدد کرے

سرگرمیاں

i۔ پانچ ایسی احادیث یا قرآنی آیات کا چارٹ بنائیں جن میں والدین سے اچھے سلوک کی تلقین کی گئی ہے۔

ii۔ دو ایسی احادیث لکھیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تشبیہ استعمال فرمائی ہے۔

iii۔ چند ایسی احادیث جمع کریں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانوروں اور پرندوں سے شفقت کا برتاؤ کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔

باب سوم

علمی پیش رفت میں مسلمانوں کی خدمات

تدریسی مقاصد

اس سبق کا مقصد طلبہ اور طالبات کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ:

1. اسلامی علوم کے مختلف شعبوں سے آگاہ ہو سکیں اور ان سے استفادہ کی کوشش کریں۔
2. مختلف علوم میں مسلمانوں کی خدمات کا ادراک کر سکیں۔

جب عرب میں اللہ رب العزت نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا اُس وقت ہر طرف جہالت کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ گو کہ عرب لوگ زبان دانی اور فصاحت و بلاغت میں بے مثال تھے حتی کہ غیر عرب کو عجمی یعنی گونگا کہا کرتے تھے مگر پھر بھی معاشرتی، اخلاقی اور مذہبی لحاظ سے وہ لوگ گمراہیوں میں مبتلا تھے۔

دینِ اسلام کی آمد نے ہر طرف علم و حکمت کی شمع روشن کر دی اور یہی عرب جو جہالت کی نسبت سے پہچانے جاتے تھے سب سے مہذب قوم بن کر سامنے آئے۔

اسلام نے ہر مرد و عورت پر علم حاصل کرنا فرض قرار دیا ہے اور اسی بنیاد پر مسلمانوں نے نہ صرف دینی بلکہ دنیاوی علوم کو بھی حاصل کیا۔ جس مسلم معاشرہ کی بنیاد مدینہ منورہ میں رکھی گئی اس معاشرے کو مسلمان امت نے دنیا کے وسیع و عریض علاقے تک پھیلایا۔ اس معاشرے کی نمایاں خصوصیات میں سب سے پہلے "علم" آتا ہے۔ اسی خصوصیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے علمی پیش رفت میں مسلمانوں کی خدمات اور چند علوم کا تذکرہ کیا گیا ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہے۔

awazeinqilab.com

1۔ چند نمایاں علوم کا تذکرہ اور مسلمان علماء کی خدمات:

ا۔ دینی علوم:

i۔ علم تفسیر

تفسیر کے لغوی معنی ہیں "کسی بیان کو واضح کرنا"، تفصیل سے بیان کرنا۔ شرعی اصطلاح میں تفسیر وہ علم ہے کہ جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی کتاب جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی کے مطالب، اس کے احکام اور حکمت سمجھی جاتی ہے۔

علم التفسیر ایسا علم ہے جس میں قرآنی آیات کے نزول، ان کے متعلقہ واقعات و اسبابِ نزول، نیز مکی و مدنی، محکم و متشابہ، ناسخ و منسوخ، خاص و عام، مطلق و مقید، مجمل و مفسر، حلال وحرام، وعد و وعید، امر و نہی اور عبر وامثال وغیرہ سے بحث کی جاتی ہے۔

تفسیر قرآن کا آغاز، نزولِ قرآن سے ہی ہو گیا تھا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے مفسر تھے۔

مورخین کے مطابق پہلی باقاعدہ تفسیر خلیفہ عبد الملک بن مروان نے حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ (تابعی) سے لکھوائی۔ صحیح معنوں میں علم تفسیر جس دور میں شروع ہوا وہ اموی خلافت کے آخر سے لے کر عہد عباسیہ کے شروع تک تھا۔ اس سے پہلے حدیث اور تفسیر یکجا تھے مگر اس دور میں اصول وضوابط کے ساتھ ان دونوں کو الگ کیا گیا۔ اس دور کے نمایاں مفسر ابنِ ماجہ، ابنِ جریر طبری، ابن ابی حاتم اور امام حاکم تھے۔

بنو عباس کے دور سے لے کر اب تک علم تفسیر میں بے حساب ترقی ہوئی اور جلیل القدر علماء پیدا ہوئے جنہوں نے بے مثال تفاسیر مرتب کیں۔ تفسیر کو صرف عربی تک محدود نہ رکھا گیا بلکہ اس کو دیگر بہت سی زبانوں میں بھی تحریر کیا گیا۔ جن میں اردو، انگریزی، فارسی، پشتو، ہندی، سندھی، پنجابی وغیرہ شامل ہیں۔ موجودہ دور میں ماہرین تفسیر نے پچھلے دور میں لکھی گئی تفاسیر کے مستند متن اور روایات کو محفوظ کیا اور بلا سند کسی بھی قول کو درج نہ کیا۔ اس لیئے اس دور کی تفاسیر اعلیٰ مقام رکھتی ہیں۔

چند مشہور تفاسیر کے نام یہ ہیں:۔ تفسیر "مفاتیح الغیب" جسے "تفسیر کبیر" بھی کہا جاتا ہے۔ اسے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا، حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ابنِ کثیر، شیخ جلال الدین المحلی اور شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہما

کی تفسیر جلالین، قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر مظہری، شاہ عبد العزیز محدث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی فتح العزیز، علامہ شہاب الدین آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر روح المعانی، سید قطب شہید کی فی ظلال القرآن، مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی بیان القرآن، مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی معارف القرآن اور ضیاء القرآن وغیرہ شامل ہیں۔

ii۔ علم اصول تفسیر

علم اصول تفسیر سے مراد وہ اصول، قوانین اور شرائط وغیرہ ہیں جن پر پورا اترتے ہوئے ایک مفسر کو قرآنِ مجید کی تفسیر لکھنی چاہیے۔ ان میں عربی زبان، اسباب نزول، ناسخ و منسوخ، اسرائیلیات، علم رموز واوقاف، رسم الخط، محکم و متشابہات اور تقدیم و تاخیر جیسے بہت سے اصول شامل ہیں۔

شروع کے ادوار میں تو اصول تفسیر کی کوئی ضرورت نہیں پڑی کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم براہِ راست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فیض یاب ہوتے اور چونکہ وہ اسبابِ نزول اور زبان سے مکمل واقفیت رکھتے تھے اس لیے اس علم کو مرتب نہیں کیا گیا لیکن جیسے جیسے عہد رسالت سے بُعد ہوتا گیا اور صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم جو نزول قرآن کے ماحول سے براہ راست واقفیت رکھتے تھے، اٹھتے گئے اور بعد کے لوگوں کے سامنے زمانے نے نئے مسائل کھڑے کر دیئے جن کے جوابات قرآن کریم سے حاصل کرنے کے لیے ہر ایک نے اپنے مذاق وفہم کے مطابق سوچنے کی کوشش کی تو اس سے بعض قرآنی آیات کے مفاہیم اور معنوں میں غلطی کا ارتکاب اور اسرائیلی روایات کو تفسیر میں بلاتحقیق درج کیا جانے لگا تو ضرورت محسوس ہوئی کہ تفسیر قرآن کے لیے باقاعدہ اصول و قواعد مرتب کئے جائیں جو اصول تفسیر کے نام سے مشہور ہیں یہ اصول اگرچہ گزشتہ مفسرین بھی ملحوظ رکھتے تھے لیکن منتشر اور غیر موزوں تھے۔ ان میں مشہور مقدمہ اصول تفسیر از علامہ تقی الدین ابو العباس ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، الاتقان فی علوم القرآن از محمد جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ہیں۔

iii۔ حدیث

حدیث کے لفظی معنی ہیں "نئی بات، نئی چیز"۔ شرعی اصطلاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول وفعل اور تقریر وصفت کو "حدیث" کہتے ہیں۔ حدیث وسنت دونوں اکثر مترادف استعمال ہوتے ہیں۔

جس طرح مسلمانوں نے قرآن کی تفسیر کو مرتب کر کے اہم کارنامہ سرانجام دیا ایسے ہی یہ شرف بھی صرف مسلم امت کو ہے کہ انہوں نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام اقوال وافعال کو بھی قیامت تک کے لیے تحریری شکل میں

awazeinqilab.com

محفوظ کیا۔ شروع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو کچھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنتے، سیکھتے، یا دیکھتے وہ اسے اپنے پاس ذہنوں میں، عملی صورت میں اور تحریری شکل میں محفوظ کر لیتے۔ مگر کوئی باقاعدہ کتاب نہیں تھی۔ اموی دور کے آخری اور عباسی دور کے آغاز میں احادیث کے مجموعے مرتب کرنے کا رجحان زور پکڑ گیا اور احادیث کے کئی مجموعے مرتب کئے گئے لیکن اس کے ساتھ ہی کچھ ناعاقبت اندیشوں نے اپنے سیاسی اور مذہبی نظریات کی تائید کے لیے ان میں غلط اور جعلی حدیثیں بھی پھیلانا شروع کر دیں جس کی وجہ سے احادیث کے ذخیرہ میں مستند احادیث کے ساتھ غیر مستند اور ضعیف حدیثیں بھی شامل ہوگئیں۔ اب ضرورت پیدا ہوئی کہ مستند اور صحیح احادیث کو غیر مستند اور ضعیف احادیث سے چھان بین کر کے الگ کیا جائے اور خالص صحیح احادیث کے مجموعے مرتب کیے جائیں، چنانچہ تیسری صدی ہجری میں اکابر محدثین نے یہ کام سرانجام دیا اور صحیح احادیث کی چھ کتب مرتب کیں جن کو صحاحِ ستہ کہا جاتا ہے۔ جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ صحیح بخاری تالیف از امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ صحیح مسلم تالیف از امام مسلم بن حجاج نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ

۳۔ سنن ابنِ ماجہ از ابوعبد اللہ محمد بن یزید قزوینی رحمۃ اللہ علیہ

۴۔ سنن ابوداؤد از ابوداؤد سلیمان بن الاشعث بجستانی رحمۃ اللہ علیہ

۵۔ جامع ترمذی تالیف از ابومحمد بن عیسیٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

۶۔ سنن نسائی تالیف از ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی النسائی رحمۃ اللہ علیہ

صحاح ستہ کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب حدیث کو بھی نمایاں مقام حاصل ہے۔

۱۔ موطا از امام مالک

۲۔ کتاب الزہد والرقاق از امام عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ

۳۔ کتاب الخراج از امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ

۴۔ مسند امام احمد بن حنبل از امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ

۵۔ کتاب الآثار از امام محمد رحمۃ اللہ علیہ

iv۔ اصولِ حدیث

باب دوم میں علم اصول کی تعریف گزر چکی ہے یہ وہ علم ہے کہ جس کی بنیاد پر احادیث کو صحیح، حسن اور ضعیف کے درجات دیے گئے ہیں۔ اس علم میں حدیث کے متن اور سند دونوں حصوں کو پرکھا جاتا ہے۔ حدیث کے اصل الفاظ کو متن اور

راویوں جن کے ذریعے حدیث ہم تک پہنچتی ہے کو سند کہتے ہیں۔

بنوامیہ کے آخر اور بنوعباس کے دورِ خلافت کے شروع میں احادیث جمع کی گئیں تب اس علم کا آغاز ہوا۔ اس علم کی ایک شاخ ''اسماء الرجال'' میں پانچ لاکھ سے زیادہ لوگوں کے حالاتِ زندگی کو جمع کیا گیا اور اس کے ذریعے یہ معلوم ہوا کہ کون سا راوی قابلِ اعتبار ہے اور کون سی احادیث صحیح ہیں، کون سی حسن، کون سی ضعیف اور کون سی مردود۔

v۔ علم فقہ

فقہ کا لفظی معنی ہے ''کسی چیز کو جاننا''، کسی شئے کے حقیقی معنی واضح کرنا اور کھولنا''۔ شرعی اصطلاح میں اعمالِ شرعیہ کے مسائل کا علم ''فقہ'' کہلاتا ہے۔ ان مسائل میں عبادات اور معاملات تمام طرح کے مسائل شامل ہیں۔ علم فقہ کے چار بنیادی ماخذ ہیں۔ قرآن، سنت، قیاس اور اجماع۔ علم فقہ کا باقاعدہ آغاز حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں 41 ہجری سے شروع ہوا۔ اس دور میں حدیث کو مُدَوَّن کیا جارہا تھا اس لیے حدیث اور رائے میں فرق کیا گیا اور باقاعدہ علم فقہ کا آغاز ہوا۔ جس کے نتیجے میں چار بڑے فقہی مذاہب بنے۔ جن میں پہلے امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے مسلک کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ اسے حنفی مذہب کہا جاتا ہے۔ دوسرے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ جن کے مذہب کو شافعی اور تیسرے امام مالک رحمتہ اللہ علیہ جو حجاز میں تھے۔ ان کو مالکی کہا جاتا ہے اور چوتھے امام احمد بن حنبل رحمتہ اللہ علیہ جن کا مذہب حنبلی کہلاتا ہے۔ ان تمام فقہاء کرام نے شریعتِ اسلامی کے قوانین کو کتابی شکل میں واضح کیا۔ سب مستند اور قابلِ اعتبار ہیں اور شریعت کے عین مطابق ہیں۔ ہر دور میں مختلف علاقوں کے لوگ ان کے پیروکار ہیں۔ سب سے زیادہ لوگ فقہ حنفی کو ماننے والے ہیں۔

vi۔ اصول فقہ

علم اصول فقہ شرعی مسائل کے دلائل سے بحث کرتا ہے۔ اس علم میں بھی دورِ عباسیہ میں خوب ترقی ہوئی اور بے شمار کتب تحریر کی گئیں اور نہایت کامیابی کے ساتھ اس علم کو مدون کیا گیا۔ جو بعد میں آنے والے لوگوں کے لیے رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اصولِ فقہ پر ایک مستند کتاب امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کی ''الرسالۃ فی علم الاصول'' ہے۔ اس کے علاوہ امام محمد رحمۃ اللہ اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ وغیرہ کی کتب قابلِ ذکر ہیں۔

vii۔ تصوف

مختلف ادوار میں تصوف کے معنی ومفہوم میں قدرے تبدیلی پائی جاتی رہی ہے۔ لیکن اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ تصوف دراصل دل کی پاکیزگی اور روح کی طہارت کا نام ہے۔ اصل صوفی وہی ہے جو ہمہ وقت اللہ ربّ العزت سے ناتا

...ایسا کام نہیں کرتا جس سے اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا اندیشہ ہو۔ اگرچہ تصوف کا لفظ قرآن و حدیث میں نہیں ملتا لیکن تصوف کے مقاصد قرآن اور حدیث میں تفصیل سے بیان ہوئے ہیں، مثلاً عبادات میں احسان کا حصول، دل کے امراض یعنی کینہ، بغض، حسد، تکبر، حرص اور لالچ وغیرہ کی مذمت اور خشوع و خضوع، انابت، اخلاص نیت اور عجز و نیاز کے حصول نیز ذکر اور اس کی کثرت کی تاکید ہمیں قرآن و حدیث میں ملتی ہے جوکہ تصوف کی بنیاد اور اس کے ثمرات ہیں۔ اس لئے تصوف کو بے بنیاد کہنا اور اس کو عجمی سازش سمجھنا دراصل قرآن و حدیث اور سلف صالحین کی زندگیوں سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ سلف صالحین نے دین کے اس شعبے کی اتنی خدمت کی ہے کہ آج بھی ان کی زندگیاں صدق و صفا، علم و عمل اور اخلاص وللّٰہیت کے لیے مینارہ نور ہیں۔

البتہ تصوف کے نام سے جو دوسرے ادیان کی رسوم و اشغال کو اس میں داخل کیا گیا ہے وہ درست نہیں اور اس سے تصوف بدنام اور بعض اہل علم کے ہاں مشکوک بھی ہوا۔

۲۔ معاشرتی علوم

ایسا علم جو انسان کی معاشرت پسندی اور مدنی الطبع ہونے کی وضاحت کرے اور مل جل کر رہنے کے آداب سکھائے علم الاجتماع کہلاتا ہے۔ علمائے معاشرت نے انسان کی معاشرت پسندی کی دو وجوہات بیان کی ہیں۔

i۔ داخلی وجہ　　ii۔ خارجی وجہ

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ انسان کی جبلت یعنی اس کی فطرت میں ہی یہ عنصر رکھ دیا گیا ہے کہ وہ مل جل کر رہے اس لیے وہ معاشرت پسند واقع ہوا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ انسان بحیثیت مخلوق بے حد کمزور واقع ہوا ہے۔ بہت سی مخلوقات اور قدرتی آفات و بلیات انسان سے کئی درجے قوی ہیں اس لیے وہ مل جل کر رہنے میں ہی عافیت پاتا ہے۔

قرآن و حدیث میں جس وضاحت کے ساتھ معاشرتی تعلیمات کا ذکر ہے اس قدر وضاحت سے شاید ہی کسی اور شعبے کی تعلیمات بیان کی گئیں ہوں۔ جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام نے معاشرتی امن وسکون، فلاح و بہبود اور انسان کے مابین تعلقات کو کس درجہ اہمیت دی ہے۔ مثلاً: قرآنِ حکیم نے سب سے زیادہ باجماعت نماز پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے۔ لیکن نماز کے اوقات، رکعات کی تعداد، ارکانِ نماز، شرائطِ نماز وغیرہ کی تفصیلات صرف احادیث میں ہی ملتی ہیں۔ اس کے برعکس قرآنِ حکیم بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ

- ایک دوسرے کی غیبت نہ کرو
- باطل طریقے سے ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ۔
- والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔
- مرد وزن نگاہیں نیچی رکھیں۔
- انسان کو بڑا مکرم پیدا کیا گیا ہے۔
- تمام نسل انسانی ایک جوڑے سے پیدا کی گئی ہے۔
- اچھی باتوں کا حکم دو اور برائی کے کاموں سے روکو۔
- والدین، قرابت داروں اور مسکینوں وغیرہ کو ان کا حق دو۔ وغیرہ

معروف مسلم سکالر ڈاکٹر خالد علوی نے انسانی معاشرت پسندی کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرنے والے عناصر ذکر کیا ہے اور درج ذیل تفصیل بیان کی ہے۔

۱۔ جغرافیائی عوامل	۲۔ جنسی عوامل	۳۔ نفسیاتی عوامل
۴۔ ہم جنسی احساس	۵۔ خوف	۶۔ پیشہ ورانہ اتحاد
۷۔ زبان	۸۔ مذہب	۹۔ سیاسی عوامل۔
۱۰۔ قانونی وحادثاتی عوامل		

اسلام نے درج ذیل مقاصد کے حصول کے لیے معاشرت کا نظام عطا کیا ہے۔

ا۔ وحدتِ نسل:

قرآنِ حکیم نے وحدتِ نسل انسانی کا ذکر یوں کیا ہے:

يَآيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①　(النساء:1)

ترجمہ: لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک نفس سے پیدا کیا یعنی اول اس سے اس کا جوڑا بنایا پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت پیدا کر کے روئے زمین پر پھیلا دیے۔ اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے سے حقوق کا مطالبہ کرتے ہو اور قطع رحمی سے بچو کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔

ایک اور مقام پر قبائل اور خاندانوں کو بنانے کا مقصد محض شناخت بتایا گیا ہے ورنہ دراصل تمام انسان ایک ہی نسل سے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۭ
اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ (الحجرات:13)

ترجمہ: لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے۔ تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو۔ بیشک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا ہے سب سے خبردار ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا کہ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں تم سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کیے گئے تھے۔

۲۔ وحدتِ فکر

اسلام نے وحدتِ فکر کا بھی درس دیا تاکہ انسان فکری لحاظ سے بکھر نہ جائیں اور ایک ہی لڑی میں پروئے رہیں۔ قرآنِ حکیم کی درج ذیل آیات وحدتِ فکر پر ہی دلالت کرتی ہیں۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۣ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۠ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ
الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ
مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ
مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (البقرة:213)

ترجمہ: پہلے تو سب لوگوں کا ایک ہی مذہب تھا لیکن وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے تو اللہ نے ان کی طرف بشار[ت] دینے والے اور ڈر سنانے والے پیغمبر بھیجے اور ان پر سچائی کے ساتھ کتابیں نازل کیں تاکہ جن امور میں لو[گ] اختلاف کرتے تھے ان کا ان میں فیصلہ کر دے۔ اور اس میں اختلاف بھی انہیں لوگوں نے کیا جن کو کتاب [دی] گئی تھی باوجودیکہ ان کے پاس کھلے ہوئے احکام آ چکے تھے اور یہ اختلاف انہوں نے صرف آپس کی ضد سے [کیا] تو جس امر حق میں وہ اختلاف کرتے تھے اللہ نے اپنی مہربانی سے مومنوں کو اس کی راہ دکھا دی اور اللہ جس[کو] چاہتا ہے سیدھا رستہ دکھا دیتا ہے۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا
جَاۗءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَھُمْ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝
(آلِ عمران:19)

ترجمہ: دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے۔ اور اہل کتاب نے جو اس دین سے اختلاف کیا تو علم حاصل ہونے [کے] بعد آپس کی ضد سے کیا اور جو شخص اللہ کی آیتوں کو نہ مانے تو اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

۳۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر

اسلام ایسے معاشرے کی تشکیل چاہتا ہے جہاں خیر اور بھلائی کی قوتوں کا راج ہو اسی طرح برائی اور بے حیائی ک[ی] قوتوں کی بیخ کنی ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ جس معاشرے میں باہمی خیر کے قیام اور شر [کو] مٹانے کی سعی نہ ہو وہ بالآخر ہلاک ہو جاتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ
بِاللّٰهِ ۭ وَلَوْ اٰمَنَ اَھْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّھُمْ ۭ مِنْھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝
(آل عمران:110)

ترجمہ: مومنو! تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کی ہدایت کے لیے نکالا گیا ہے کہ تم نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہلِ کتاب بھی ایمان لے آتے تو ان کے لیے بہت اچھا ہوتا۔ ان میں ایمان لانے والے بھی ہیں لیکن تھوڑے اور اکثر نافرمان ہیں۔

اسلام کے پسندیدہ معاشرے کے قیام کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ بھلائی کی طاقتوں کے ساتھ تعاون بڑھایا جائے اور گناہ اور سرکشی کے کاموں میں معاونت نہ کی جائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّوَا لتَّقْوٰى ص وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْ وَانِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (سورة المائده : 2)

ترجمہ: (اور دیکھو) نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو اور خدا سے ڈرتے رہو کچھ شک نہیں کہ خدا کا عذاب سخت ہے۔

۴۔ ایثارِ باہمی

اسلام ایسے معاشرے کی تشکیل کا خواہاں ہے جہاں باہمی ہمدردی وایثار وقربانی کا جذبہ موجزن ہو۔ ضرورت پڑنے پر دوسروں کے کام آنا، اپنی پسند کو دوسروں کی ضرورتوں پر ترجیح نہ دینا اور دوسروں کے لیے وہی پسند کرنا جو اپنے لیے پسند ہو، ایسی اسلامی تعلیمات ہیں جن سے معاشرہ امن، محبت اور اخوت و یگانگت کا گہوارہ بن سکتا ہے۔

اس کے علاوہ اسلام نے معاشرتی تعلیمات کے ذریعے محروم طبقات کی رفاہِ عامہ کا بھی تصور دیا ہے۔ سائلوں، مسکینوں، غریبوں اور محتاجوں، ضرورتمندوں، بیواؤں اور یتیموں کی رفاہ کا بہت بڑا اجر رکھا گیا ہے۔ یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے کہ مبلغینِ اسلام نے شروع دن سے آج تک سنہری معاشرتی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر ہی لوگوں کو دینِ اسلام کی حقانیت کی طرف راغب کیا۔ جب ان محروم طبقات نے عملاً دیکھا کہ اس دین کی تعلیمات میں کتنی انسان پروری ہے تو وہ جوق در جوق حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ مسلمانوں نے ہر دور میں اسلام کی معاشرتی تعلیمات کے فروغ کے لیے کام کیا۔ انہیں کی بنیاد پر حقوق العباد کا پورا نظام استوار ہوا جو رفتہ رفتہ اسلامی اقدار میں بدل گیا اور ایسی اسلامی ثقافت ابھری جو اپنی مثال آپ تھی حتیٰ کہ انحطاط کے دور میں بھی مسلمانوں نے مذہبی تعلیمات کو اگرچہ پسِ پشت ڈالے رکھا لیکن معاشرتی تعلیمات پر کافی حد تک عمل پیرا رہے۔

حکومتی اور غیر حکومتی اداروں کی خدمات

اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان کہ تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر کسی سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا پیشِ نظر رکھا جائے تو انفرادی اور اجتماعی طور پر یہ بات بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ کس نے کیا کرنا ہے؟ اور کس کے ذمہ کون سے حقوق وفرائض ہیں۔ اسلامی نظامِ حیات میں حکومت کا فرض ہوتا ہے کہ وہ ریاست میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیتِ اعلیٰ کے تصور کو واضح کرتے ہوئے بحیثیتِ مجموعی شریعتِ اسلامیہ کے نفاذ کو یقینی بنائے۔ اجتماعی عدل و انصاف اور شورائی نظام قائم کرے۔ تمام لوگوں کے حقوق کی پاسداری کرتے ہوئے ان کی جان و مال، عزت وآبرو اور شخصی آزادی نیز رائے اور مسلک کی آزادی کو یقینی بنائے۔ اسی طرح معاشرے میں قانونی اور معاشرتی مساوات قائم کرے اور اس ضمن میں رنگ ونسل، زبان، عقیدے، ذات پات حتیٰ کہ مذہبی امتیازات کو بھی ختم کرے۔

جہاں تک مسلمانوں کے مختلف ادوار کا تعلق ہے ان میں مسلمان حکمران نہ صرف غیر مسلموں سے حسن سلوک روا رکھتے رہے ہیں بلکہ تاریخ شاہد ہے کہ انہوں نے اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ دورِ نبوت، خلفائے راشدین، بنو امیہ اور بنو عباس کے ادوار میں حکومتی اور غیر حکومتی اداروں کی خدمات سے رعایا مستفید ہوتی رہی ہے۔ اس ضمن میں عہدِ سلاطین کا دور سنہری باب سمجھا جاتا ہے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی کے بارے میں مورخین متفق ہیں کہ وہ بذاتِ خود بہترین سپہ سالار کے علاوہ ہر دلعزیز معاشرتی مصلح کی حیثیت رکھتے تھے۔ برصغیر پاک وہند میں بھی مسلمان حکمرانوں نے معاشرتی فلاح و بہبود کا خاص خیال رکھا۔ رفاہِ عامہ کے کئی منصوبے پایۂ تکمیل کو پہنچے اور عوام خوشحال ہوئے۔

غیر حکومتی اداروں میں خاندان بحیثیتِ ادارہ، مسجد بحیثیتِ ادارہ مکتب بحیثیت ادارہ اور مجموعی معاشرے کا کردار بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ مسلمانوں کی تاریخ کے مطالعے سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ اگر کبھی حکومتی سطح پر ماحول زوال پذیر بھی ہوا اور حکومت اپنے فرائض سے غفلت کی مرتکب بھی ہوئی تو دیگر معاشرتی اداروں نے مسلمانوں کی معاشرتی روایات واقدار کو سینے سے لگائے رکھا اور معاشرتی حسن کا باعث بنتے رہے۔

کہا جاسکتا ہے کہ آج کے دور میں سول سوسائٹی یا این جی اوز جو کردار ادا کرنے کی حامی بھرتی ہیں وہ کردار مسلمانوں کے معاشرتی نظام کا حصہ ہے۔ اسلام نے حقوق العباد کے ذریعے حقوق وفرائض کا ایسا جامع نظام عطا کیا ہے کہ جس پر عمل کرنے سے کوئی بھی معاشرہ ہر قسم کے تعصبات کی آلائشوں سے پاک ہوسکتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ سب سے پہلے لوگوں کے دل ودماغ میں اسلامی تعلیمات کی روح راسخ کردی جائے۔

۳۔ معاشی علوم

زندگی گزارنے کے لیے بہت سی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے جن کا لین دین چلتا رہتا ہے۔ چیزوں کی اہمیت اور ان کی مقدار کے حساب سے ان کی قیمت مخصوص کی جاتی ہے۔ اس مقصد کے لیے روپے، پیسے کو استعمال میں لایا جاتا ہے۔ اس سارے طریقے کار کو جو علوم واضح کرتے ہیں ان کو معاشی علوم کہا جاتا ہے۔ انگریزی میں جسے Economics کہا جاتا ہے۔ ہر دور میں معاشی علوم میں ترقی ہوتی رہی ہے اور کاروبار، لین دین، روپے پیسے، خرید و فروخت کے اصولوں کو اپنی اپنی مرضی سے اپنے علاقے کے حساب سے مرتب کیا جاتا رہا ہے۔ جن کو مختلف معاشی نظاموں کا نام دیا جاتا ہے۔ مثلاً اشتراکیت، سرمایہ دارانہ نظام وغیرہ۔ جن میں بظاہر فوائد نظر آتے ہیں مگر وہ بہت سی خامیاں اپنے اندر رکھے ہوئے ہیں۔ جن میں نہ حلال کی پرواہ ہے، نہ حرام کی، نہ کسی کو حق مکمل ملتا ہے۔ اسلام واحد مذہب ہے جس نے زندگی گزارنے کے تمام اصول و ضوابط واضح طور پر بتائے ہیں۔ جسمانی، روحانی تمام طرح کی ضروریات کو پورا کرنے کے طریقے بتائے ہیں۔ اسلامی نظامِ معیشت میں اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام رہنما اصول بتائے ہیں جن کی مدد سے مکمل اور بہترین نظامِ معیشت کو رائج کیا جاسکتا ہے۔

اسلامی معاشی نظام کے اصول

اسلامی نظامِ معیشت کے تین بنیادی اصول ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

i۔ شخصی ملکیت اور اسکی حدود

ii۔ منصفانہ تقسیم

iii۔ اجتماعی حقوق

i۔ شخصی ملکیت اور اسکی حدود

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾ (سورہ الانعام: ۱۶۵)

ترجمہ: اور وہی تو ہے جس نے زمین میں تم کو اپنا نائب بنایا اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کئے تاکہ جو کچھ اس نے تمہیں بخشا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے بیشک تمہارا پروردگار جلد عذاب دینے والا ہے اور بیشک وہ بخشنے والا ہے مہربان بھی ہے۔

جنہیں رزق میں فراخی عطا کی گئی ہے ان کا فرض ہے کہ مفلس اور محتاج لوگوں کی مدد کریں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾ (الذاریٰت: ۱۹)

اور ان کے مال میں مانگنے والوں اور نہ مانگنے والوں دونوں کا حق ہوتا ہے۔

اسلام جائز وسائل سے کمائی ہوئی دولت میں حق ملکیت تسلیم کرتا ہے اور جب وہ دولت ایک حد سے بڑھ جائے تو اس پر زکوٰۃ عائد کرتا ہے۔ زکوٰۃ نقدی، مال، تجارت، سونا چاندی اور مویشیوں پر عائد ہوتی ہے اور عشر وغیرہ زمین کی فصل اور غلے پر عائد ہوتی ہے تاکہ حکومت عشر اور زکوٰۃ کی آمدنی سے رعایا کے حقوق ادا کرے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی میں سستی یا نافرمانی کو برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ (البقرہ: ۴۳)

نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔

اسلام کے معاشی نظام کا پہلا اصول یہ ہے کہ ہر چیز کا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور انسان کو اس کی ملکیت بطور نیابت و امانت ملی ہوئی ہے۔

awazeinqilab.com

ii۔ منصفانہ تقسیم

اسلامی نظامِ معیشت کا دوسرا اہم اصول دولت کی مساویانہ نہیں بلکہ منصفانہ تقسیم ہے اور اس منصفانہ تقسیم کے لیے اللہ تعالیٰ نے تمام اصول وقواعد وضع کیے ہیں۔ اس میں نہ تو کسی کے ساتھ کمی کی جاسکتی ہے نہ زیادتی اور معاشرہ بھی خوشحال ہوتا ہے۔ باقی معاشی نظاموں میں غریب غریب تر اور امیر امیر تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ مال جس طرح مرضی کمایا جائے، جس طرح مرضی خرچ کیا جائے ان کے کوئی قواعد وضوابط نہیں ہیں۔ عورت کو مال وجائیداد میں کوئی حصہ نہیں دیا جاتا۔ مگر اسلام ایک ایسا دین ہے جس نے ہر انسان کو دولت میں ایک مقرر حصہ دیا ہے جس کی وجہ سے معاشرے میں بہت سی برائیوں سے بچا جاسکتا ہے۔

iii۔ اجتماعی حقوق

اسلام انفرادی دولت پر جماعت کے حقوق کو عائد کرتا ہے اور مختلف طریقوں سے اسکی وضاحت بھی کرتا ہے۔ جیسے سورۃ النساء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۝ (النساء:36)

ترجمہ: اور نیک سلوک کرو اپنے والدین کے ساتھ، اپنے رشتہ داروں، یتیموں، ناداروں، مسکینوں، قرابت داروں، پڑوسیوں، ملنے جلنے والوں، دوستوں، مسافروں، لونڈیوں اور غلاموں کے ساتھ۔ بے شک اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے، فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔

دولت سمیٹ سمیٹ کر بیٹھ جانے کی بجائے ان لوگوں پر خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے جن کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے۔ اسلامی نظامِ معیشت میں ایک اصول یہ بھی ہے کہ نہ صرف حلال طریقے سے روزی کما کر جمع کرلی جائے بلکہ اس کو خود پر اور اپنے اہل وعیال پر خرچ بھی کیا جائے۔ اور اس کے علاوہ دوسرے غریب و نادار لوگوں کو بھی فائدہ پہنچایا

جائے اور اس خرچ کا مقصد کوئی دکھاوا یا دنیاوی فائدہ نہ ہو بلکہ اللہ کی رضا کے لیے اسے خرچ کیا جائے اور لوگوں کے حقوق پورے کیے جائیں۔ ان میں صدقہ، زکوٰۃ اور خیرات شامل ہیں۔

اسلامی نظامِ معیشت کی خصوصیات

اسلام ایک عملی دین ہے جس میں صرف زندگی گزارنے کا حکم دے کر انسان کو بھٹکنے کے لیے نہیں چھوڑ دیا گیا بلکہ انسان کو قیامت تک آنے والے حالات کے لیے مکمل رہنمائی فراہم کی گئی ہے، جو کہ قرآن وسنت کی صورت میں ہمارے پاس محفوظ ہے۔ جس میں اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے زندگی کے ہر شعبے کے متعلق احکامات واضح کیے گئے ہیں۔ ایسے ہی نظامِ معیشت کو لوگوں پر نہیں چھوڑا گیا کہ وہ اپنی مرضی سے جیسا چاہیں نظام مرتب کریں بلکہ اصول وقواعد اور حدود و قیود بتا کر ایک مکمل معاشی نظام بیان کیا گیا ہے۔ اسلامی نظامِ معیشت کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ الٰہی نظام
۲۔ رزق من اللہ
۳۔ نجی ملکیت کا حق
۴۔ حکومت کی محدود مداخلت
۵۔ کسبِ حلال
۶۔ معاشی فلاح و بہبود
۷۔ نظامِ زکوٰۃ
۸۔ اعتدال وتوازن
۹۔ گردشِ دولت
۱۰۔ قانونِ وراثت

۱۔ الٰہی نظام

اسلام کے معاشی نظام کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ انسانوں کا بنایا ہوا نظام نہیں کیونکہ انسان خطا کا پتلا ہے اور اسے محدود علم دیا گیا ہے اس لیے اس کے بنائے ہوئے قواعد وضوابط اور نظاموں میں یقیناً کمی بیشی ہوسکتی ہے جیسے اشتراکیت اور سرمایہ دارانہ نظام میں ہے مگر اللہ رب العزت کے بنائے ہوئے نظام میں کوئی کمی نہیں ہوسکتی۔ اس لیے یہ نظامِ معیشت بہترین نظام ہے۔

۲۔ رزق من اللہ

تمام جانداروں کو پیدا کرنے والا اور ان کو رزق فراہم کرنے والی ذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ وہی رازق

awazeinqilab.com

ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ "زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے بھی جاندار ہیں ان کا رزق میرے ذمے ہے۔" (سورہ ھود:۶)

اسلامی معاشی نظام میں یہ خصوصیت ہے کہ انسان چاہے جیسے بھی جتنا بھی کمائے اسے اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ جو رزق اس کی قسمت میں اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے وہ اسے ہر حال میں مل کر رہے گا۔ اسے نہ تو کوئی انسان نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ فائدہ سوائے اللہ کے حکم کے۔

۳۔ نجی ملکیت کا حق

اسلام میں نجی ملکیت کے حق کو تسلیم کیا گیا ہے گو کہ، جو کچھ بھی انسان کو عطا کیا گیا ہے وہ اللہ کی طرف سے بطور امانت ہے، مگر پھر بھی اسے یہ حق بھی ساتھ ساتھ عطا کیا گیا ہے کہ وہ اگر دولت کو حلال طریقے سے کماتا ہے، تو وہ اس کا مالک ہے وہ اسے حدود و قیود کو مدِ نظر رکھ کر جس طرح چاہے خرچ کرے۔ اگر زیادہ کماتا ہے تب بھی وہ اس کا مالک ہے کم کماتا ہے تب بھی وہ اس کا مالک ہے باقی نظاموں کی طرح اسے اس حق سے کوئی محروم نہیں کرسکتا شرط صرف اتنی ہے کہ وہ اس مال و دولت کو یہ سوچ کر خرچ کرے کہ آخرت میں اس کا حساب دینا ہوگا۔

۴۔ حکومت کی محدود مداخلت

اسلام اس امر کو قطعاً پسند نہیں کرتا کہ حکومت لوگوں کے کاروبار اور معاشی سرگرمیوں میں بے جا مداخلت کرے۔ بلکہ اسلام لوگوں کو مکمل حقوق اور آزادی فراہم کرتا ہے۔ حکومت صرف لوگوں کے منتخب کردہ نمائندے ہیں۔ ان کا کام لوگوں کی سرپرستی اور رہنمائی کرنا ہے۔ ملک میں عدل و انصاف اور امن و امان کا قیام ان کا اصل کام ہے۔ صحیح معنوں میں قائم کردہ حکومت لوگوں کی جان و مال اور عزت کی محافظ ہوتی ہے ۔ ہر شخص کو جائز کاروبار کرنے کا پورا حق ہوتا ہے۔ بغیر کسی دباؤ اور مداخلت کے وہ اپنی پوری محنت اور تندہی سے اپنے مشاغل میں مصروفِ کار ہو کر ملکی پیداوار میں اضافہ کرتا ہے اور ملکی سالمیت اور استحکام کو پیشِ نظر رکھ کر کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا۔ لیکن جہاں فرد کی بعض معاشی سرگرمیوں سے معاشرے کو مجموعی طور پر نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو حکومت ضرور مداخلت کرے گی۔

۵۔ کسبِ حلال

اسلام میں حلال و حرام کو مکمل طور پر واضح کیا گیا ہے اور روزی کمانے کے لیے انسان کو چند حدود کے اندر رہنے کا

حکم دیا ہے، جس پر عمل کر کے صحت مند معاشرہ قائم کیا جاسکتا ہے۔ اسلام کے معاشی نظام میں کسبِ دولت اور صرفِ دولت دونوں کے سلسلے میں حلال و حرام کی تمیز کی گئی ہے۔ سود، چوری، ڈاکہ، خیانت، دھوکہ، غصب، بیت المال میں غبن، ناپ تول میں کمی، فحاشی پھیلانے والے کاروبار، شراب اور دوسری نشہ آور مصنوعات کی صنعت و تجارت، جوا، سٹہ اور بیع کے وہ تمام طریقے جو دھوکے یا دباؤ پر مبنی ہوں جن سے جھگڑا یا فساد برپا ہونے کا اندیشہ ہو ان سب کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ اس کے برعکس محنت اور حلال ذرائع سے مال کمانے کو عبادت میں شمار کیا گیا ہے اور حرام کمائی والوں کے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں نقصان اور عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

۶۔ معاشی فلاح و بہبود

اسلام ایسا دین ہے جو ایک دوسرے کا خیال رکھنے اور ایثار و قربانی کا درس دیتا ہے۔ اسی امر کو اسلام کے معاشی نظام میں بھی اہم مقام حاصل ہے۔ مسلمان جو کچھ بھی کماتا ہے اسے نہ تو عیاشی میں اڑا دیتا ہے اور نہ ہی ذخیرہ کر لیتا ہے بلکہ اسے اپنی ضروریاتِ زندگی پر جائز حد تک خرچ کرنے کے بعد لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے بھی خرچ کرتا ہے۔ اس کو اللہ کا حکم مان کر خرچ کرنے میں اپنی دنیا اور آخرت کا فائدہ حاصل کرتا ہے۔

قرآنِ پاک میں ارشاد ہے۔

"تم نیک کاموں میں جو کچھ خرچ کرو گے وہ تم کو پورا پورا واپس ملے گا اور تم پر ہرگز ظلم نہ ہوگا۔" (البقرہ:۲۸۲)

۷۔ نظامِ زکوٰۃ

اس معاشی نظام میں زکوٰۃ سب سے اہم جزو ہے۔ اور یہ خصوصیت صرف اسلامی نظامِ معیشت کو ہی حاصل ہے۔ مقررہ مقدار کے مال پر سال گزر جانے کے بعد اس کا $2\frac{1}{2}$ فی صد اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے نکالا جاتا ہے اسے زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ یہ ہر صاحبِ نصاب پر فرض ہے۔ اسے معاشی نظام کے علاوہ ایمان کا لازمی جزو قرار دیا گیا ہے۔ اس سے انسان کا نفس اور مال دونوں پاک ہوتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو اپنے معاشی حالات کے خراب ہونے کی وجہ سے بنیادی ضروریاتِ زندگی سے محروم ہوتے ہیں۔ ان کی مالی مدد ہوتی ہے اس میں کسی قسم کا دکھلاوا یا احسان جتلانا نہیں ہوتا بلکہ صرف اللہ کے حکم کی بجا آوری مقصود ہوتی ہے۔

awazeinqilab.com

۸۔ اعتدال وتوازن

اسلام کے معاشی نظام میں نہ تو فرد کی انفرادی حیثیت کو ختم کیا جاتا ہے اور نہ ہی اجتماعیت کے فوائد کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس دنیا میں رائج شدہ معاشی نظام انتہا پسند نظام ہیں۔ اسلام کسبِ حلال کے ساتھ ساتھ صرفِ دولت میں بھی اعتدال وتوازن کو پسند کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ: "اللہ کے نیک بندے جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اسراف کرتے ہیں اور نہ بخل سے کام لیتے ہیں۔" (الفرقان:٦٧)

اسلام اچھا پہننے، اوڑھنے، کھانے، پینے غرض ہر چیز میں بہترین چیز کے انتخاب کی اجازت دیتا ہے مگر فضول خرچی اور عیاشی کی ممانعت ہے۔ یہ نہیں کہ ہم خود تو اعلیٰ قسم کے کھانے کھا کر سو جائیں اور ہمارا پڑوسی بھوکا رہے۔ ایسے ہی زندگی کی ہر ضرورت میں میانہ روی اسلامی معاشی نظام کی خوبی ہے جس سے امیر امیر تر اور غریب غریب تر نہیں ہوتا بلکہ سب کو بنیادی ضروریات زندگی میسر ہوتی ہیں۔

۹۔ گردشِ دولت

نظامِ سرمایہ داری اور اشتراکیت میں کسی حد تک دولت کا ارتکاز چند ہاتھوں میں ہو جاتا ہے۔ لیکن اسلام میں دولت کو جمع کرنے کی ممانعت کی گئی ہے تاکہ امیر وغریب میں پیدا ہونے والا فرق مٹ جائے اور دولت چند لوگوں کے پاس رہنے کی بجائے گردش کرتی رہے۔ اس میں کاروباری لین دین کے علاوہ مختلف صدقات، خیرات، زکوٰۃ وغیرہ بھی شامل ہیں۔ اسی مقصد کے لیے بیت المال کا محکمہ اسلامی ریاست کا ضروری حصہ ہے۔ جس میں مال جمع کیا جاتا ہے اور لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے خرچ کیا جاتا ہے۔

۱۰۔ قانونِ وراثت

اسلامی معاشی نظام کی خصوصیات میں ایک یہ بھی ہے کہ مرنے والے کا ورثہ اس کے ورثاء میں ان کے مقررہ حقوق کے مطابق تقسیم ہوتا ہے۔ کسی کی حق تلفی نہیں کی جاتی۔ سب کو شرعی اصولوں کے مطابق ان کا حصہ ملتا ہے۔

اسلام کے معاشی نظام کی مذکورہ بالا خصوصیات اور نمایاں پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اسلام نے ایک مکمل اور منفرد نظامِ معیشت دیا ہے۔ جو اسے دنیا میں رائج دیگر معاشی نظاموں پر فوقیت دیتا ہے۔ اس پر عمل کر کے ایک خوشحال اور پاک صاف معاشرہ وجود میں آتا ہے، جہاں ہر فرد معاشی طور پر خوشحال ہوتا ہے۔

مسلم ماہرینِ معاشیات

دیگر علوم کی طرح مسلمانوں نے علم المعاشیات میں بھی علم وحکمت کا بہترین ذخیرہ کتب وقوانین کی صورت میں مرتب کیا۔ جن کو قانونی حیثیت حاصل ہوئی اور عملی صورت میں رائج بھی کیا گیا۔ مسلمان ماہرین معاشیات میں مندرجہ ذیل کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔

۱۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ
۲۔ ابوعبید القاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ
۳۔ علامہ ابنِ حزم رحمۃ اللہ علیہ
۴۔ علامہ ابنِ خلدون رحمۃ اللہ علیہ اور
۵۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ قابلِ ذکر ہیں۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سی کتب لکھیں جن میں معاشی افکار کے لحاظ سے "کتاب الخراج" بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ انہوں نے زمینوں سے حاصل شدہ فصلوں سے خراج کی وصولی کے بارے میں اصول دیے اور شراکت کو خراج سے بہتر قرار دیا۔ اس کے علاوہ ان کی کتاب امالی میں تحصیلِ محاصل کے اصولوں پر بحث کی گئی ہے۔

ابوعبید القاسم بن سلام رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کئی کتب تحریر کیں جن میں چند کو شہرت دوام حاصل ہوئی۔ انہوں نے "کتاب الاموال" میں مالی نظام کے بارے میں لکھا۔ انہوں نے پہلی دفعہ اسلامی ریاست میں عشور حاصل کرنے کا طریقہ واضح کیا کہ سال میں صرف ایک دفعہ عشور تاجر سے لیا جائے چاہے وہ عشور حاصل کرنے والے کے پاس سے سال میں جتنی دفعہ بھی گزرے۔ اس کے علاوہ انہوں نے جزیہ، خراج، اقطاع، غنیمت اور فئے کے فرق اور حمٰی (چراگاہ) اور اجتماعی مفاد کے بارے میں کتب تحریر کیں۔

علامہ ابنِ حزم ایک مفکر ماہرِ معاشیات اور عالم تھے۔ اسلام کے معاشی نظام میں آپ کی خدمات کا اعتراف کیے بنا نہیں رہا جاسکتا۔ آپ کے معاشی افکار کا زندہ وجاوید کارنامہ آپ کی تصنیف "المحلی" کی صورت میں موجود ہے جسے آپ نے نہایت عام فہم اور جامع انداز میں تحریر کیا۔

علامہ ابنِ خلدون کا نام ماہرِ معاشیات اور مفکرین میں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ رابرٹ فلنٹ کہتا ہے کہ:

awazeinqilab.com

''افلاطون اور ارسطو ابنِ خلدون کی برابری نہیں کر سکتے اور تمام سیاسی مفکرین تو اس قابل بھی نہیں کہ ان کا ابنِ خلدون جیسی مایہ ناز شخصیت کے ساتھ ذکر بھی کیا جائے''

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی معاشی افکار پر اپنی تصانیف میں روشنی ڈالی جن میں ان کی معروف تصنیف حجۃ اللہ البالغہ بھی ہے جس میں حکومت کے معاشی فرائض پر زور دیا گیا ہے، اس کے علاوہ معاشی بگاڑ کا اخلاقیات سے تعلق کے بارے میں بھی لکھا ہے۔ ٹیکسوں کا غلط استعمال اور بھاری ٹیکسوں کی مذمت کی ہے۔

۴۔ سائنسی علوم

نہ صرف دینی، معاشرتی، معاشی علوم میں مسلمانوں نے گرانقدر خدمات سر انجام دیں بلکہ سائنسی علوم میں بھی خوب ترقی کی۔ سائنسی علوم میں علم کیمیا، علم طبیعات، علم النفس، علم الفلکیات، علم الریاضی، علم الزراعۃ اور علم البحار وغیرہ شامل ہیں۔ ان علوم کی وجہ سے آج یورپ کے لوگ دن دگنی رات چوگنی ترقی کر رہے ہیں۔ حالانکہ یہ تمام علوم مسلمان سائنسدانوں کی وساطت سے ان تک پہنچے ہیں، مسلمان ہی ان کے موجد اور ان کی بنیادیں فراہم کرنے والے ہیں۔

علمِ کیمیا

یہ اس علم کا نام ہے جس میں مختلف عناصر کو کیمیائی طریقوں سے ملانے سے نئے مرکبات بنتے ہیں اور ان نئے بننے والے مرکبات کی خصوصیات پہلے والے عناصر سے مختلف ہوتی ہیں۔

جابر بن حیان وہ پہلا مسلمان سائنسدان تھا جس نے جدید کیمیا جسے انگریزی میں(Chemistry) کہا جاتا ہے، کی بنیاد رکھی۔ اس سے پہلے قدیم کیمیا کا نظریہ یہ تھا کہ سونا بنانے کے لیے کیا تراکیب استعمال کی جاتی ہیں۔ یونانی اور دیگر لوگوں نے زیادہ تر اپنا وقت اس میں لگایا کہ کیسے سونا بنایا جائے۔ جابر بن حیان نے آنے والی نسلوں کو یہ راستہ دکھایا کہ علم کیمیا صرف سونا بنانا اور تلاش کرنا نہیں ہے بلکہ اسے لوگوں کے فائدے کے لیے استعمال کیا جائے۔

جابر بن حیان نے علم کیمیا پر تقریباً 70 رسائل اور بہت سی کتابیں لکھیں۔ جن میں کتاب البیان، کتاب التجدید، کتاب الاسرار وغیرہ شامل ہیں۔ جابر نے اپنی کتابوں میں فولاد بنانے، چمڑا رنگنے، مختلف دھاتوں کے مرکبات، مختلف تیزاب، اور بالوں کے خضاب بنانے کے طریقے اور اصول وغیرہ لکھے ہیں۔ ان کے علاوہ اس کا اہم کارنامہ تین معدنی تیزابوں کی دریافت ہے۔

علم کیمیا میں دوسرے قابلِ ذکر ناموں میں محمد ابنِ زکریا رازی، ابو القاسم مجریطی اور الکاثی ہیں۔ ان کی کتابوں کے ترجمے لاطینی اور دیگر مغربی زبانوں میں کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ابنِ الوحشیہ، یعقوب بن اسحاق الکندی اور ابنِ سینا وغیرہ بھی مسلمان کیمیا دانوں میں شامل ہیں۔

علم طبیعات

علم طبیعات وہ علم ہے جسے انگریزی میں (Physics) کہا جاتا ہے۔ اس میں میکانیات، حرارت، روشنی، مقناطیسیت، سیاروں اور خلانوردی کا مطالعہ شامل ہے۔ یونانی کتابوں کے ترجمے کرنے کے علاوہ مسلمانوں نے اس شعبہ میں بہت سے نئے تصورات ایجاد کیے جن سے آج تک تمام دنیا مستفید ہو رہی ہے۔ مثلاً ابن الہیثم کے نظریات جو کہ زیادہ تر روشنی اور آنکھ کے بارے میں ہیں۔ اس کی مشہور تصانیف میں ''المناظر'' ہے۔ جس میں ''روشنی'' پر مکمل معلومات موجود ہیں۔ اس کے علاوہ بھی ان کی اور بہت سی کتب اور تصانیف ہیں۔ بوعلی سینا نے طبیعیات میں قدرتی اجسام (مادہ)، ان کی حرکت اور سکون کا مطالعہ کیا اور بہت سی نئی چیزیں دریافت کر کے علم طبیعیات میں اپنا اہم کردار ادا کیا۔ ابو البرکات البغدادی کی کتاب ''المعتبر'' میں طبیعات کے موضوع پر بحث موجود ہے۔

چینی اور یونانی مقناطیسی کشش سے واقف تھے لیکن مسلمان سائنسدانوں نے پہلی دفعہ اس کے عملی فوائد قطب نما کی صورت میں ظاہر کیے۔ جس میں فن جہاز رانی میں ترقی ہوئی۔ محمد العوفی کی جوامع میں سب سے پہلے اس کا ذکر کیا گیا۔ آنکھ اور روشنی کا تعلق اور خصوصیات، کیمرہ کی ایجاد، قیمتی پتھروں کے وزن کرنے کے طریقے، اور دیگر مائعات کے وزن مخصوصہ (Specific Gravity) کے اصول، درجہ حرارت معلوم کرنے کے طریقے، اور قوسِ قزح کی تشکیل جیسے بنیادی تصورات مسلمان سائنسدانوں کے کارنامے و خدمات ہی ہیں۔

علم فلکیات

اس کو علم الہیئت اور (Astronomy) بھی کہا جاتا ہے۔ علم فلکیات میں مسلمانوں نے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ اس علم میں کائنات کی ہندسی ساخت سے بحث کی جاتی ہے۔ جس کے ماتحت اجرام فلکی کی دوری، حرکات کے قواعد و ضوابط منضبط کیے جاتے ہیں۔ ان حرکات کی توضیح کے لیے متحرک نمونے (models) بنائے جاتے ہیں۔ جنہیں جدول

میں منتقل کرلیا جاتا ہے تا کہ کوئی شمار کنندہ سطح زمین پر کسی جگہ سے حتی الامکان سہولت اور صحت کے ساتھ اجرامِ فلکی کا مشاہدہ کر کے اس کے مقام کو متعین کر سکے۔ نیز اسکی مدد سے ایسے آلات کو ایجاد اور استعمال کیا جاتا ہے جو ہمارے مشاہدات کی درستگی کی زیادہ سے زیادہ ضمانت دے سکیں!

عرب علم ہیئت میں قدرے معلومات رکھتے تھے۔ بنو عباس کے عہد میں ''دار الحکمت'' کے نام سے ایک ادارہ قائم ہوا تھا۔ اس میں یونانی کتابوں کو عربی میں منتقل کیا گیا تھا۔ ان میں علم فلکیات کی بھی بہت سی کتابیں تھیں۔ اس کے علاوہ مسلمانوں نے عملی تجربات و مشاہدات کے لیے رصدگاہیں بنائیں اور بہت سی کتابیں تحریر کیں۔ جن میں یعقوب بن طارق نے زیج محلول فی السند ہند للدرجۃ درجۃ، احمد بن کثیر الفرغانی، کتاب العلل اور ترکیب الافلاک کے نام سے کتابیں تحریر کیں۔ عمر ابن الفرخان الطبری، یحییٰ بن ابی منصور، محمد بن موسیٰ الخوارزمی، الفرغانی، حبش الحاسب، الکندی، البتانی، وغیرہ شامل ہیں۔ ان کے علاوہ بھی ایک طویل فہرست ہے۔ جنہوں نے علم فلکیات میں کام کر کے آنے والی نسلوں کے لیے قیمتی ذخیرہ چھوڑا ہے۔

علم ریاضیات

مسلمانوں نے علم ریاضی میں دیگر علوم کی طرح بہت ترقی کی اور اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ایسے ایسے کارنامے سرانجام دیے جن کی مثال آج تک نہیں ملتی۔ نہ صرف مسلمان بلکہ پوری دنیا ان سے استفادہ کرتی ہے۔ مسلمانوں سے پہلے تمام اعداد و اشکال کے علم کو ریاضی کہا جاتا تھا۔ مگر مسلمانوں نے پہلی دفعہ اسے 4 اقسام میں تقسیم کر کے علیحدہ علیحدہ نام دیے جسے علم الحساب، علم ہندسہ، علم جبر و المقابلہ اور علم جیومیٹری کہا جاتا ہے۔

ریاضی میں ابتدائی کام یونانیوں کے ترجمے کرنے سے ہوا بعد میں مسلمانوں نے اس میں مشاہدوں اور تجربوں کی بنیاد پر بہت سی کتابیں لکھیں جن میں ریاضی کی تمام شاخوں کے اصول و ضوابط تحریر کیے۔

مسلمانوں کی ریاضی کی تاریخ درحقیقت محمد بن موسیٰ الخوارزمی سے شروع ہوتی ہے۔ اس کی مشہور کتاب ''المختصر فی حساب الجبر والمقابلہ'' ہے۔ الکندی پہلا ریاضی دان تھا جس نے ریاضی کی تقریباً تمام شاخوں پر باقاعدہ جامع رسالے لکھے۔ اس کے بعد اس کا شاگرد احمد سرخسی اپنے دور کا بہترین ریاضی دان تھا۔ ان کے علاوہ موسیٰ خوارزمی، الفرغانی، حبش الحاسب، ابن الہیثم، البیرونی، عمر خیام، شریف الدین بن طوی، نصیر الدین طوسی، الشیر ازی وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

علم الزراعۃ

علم الزراعت میں کاشتکاری و کھیتی باڑی وغیرہ آتا ہے۔ اسے انگریزی میں (Agriculture) کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں نے زراعت و فلاحت میں بہت سے موضوعات پر کام کیا اور کتابیں، رسالے اور مقالے لکھے۔ جن میں باغبانی، سبزیات، فصلیں، شہد کی مکھیاں پالنا، پرورش حیوانات، مرغبانی، آبپاشی، تحفظ اناج، زمین سے متعلق معلومات اور نظام زمینداری وغیرہ شامل ہیں۔ غرناطہ میں علم الزراعۃ کا اہم مصنف محمد بن مالک الطغری تھا۔

علم البحار

پہلی صدی ہجری میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے پہلا بحری بیڑا تیار کیا۔ موسیٰ بن نصیر رضی اللہ عنہ نے تیونس میں جہاز سازی کا کارخانہ قائم کیا۔ جس میں افریقہ اور بلاد مغرب کی حفاظت کے لیے جہاز تیار ہوتے تھے۔ تاریخ تمدن اسلام کے مورخ جرجی اریانی لکھتے ہیں کہ فاطمیوں کے عہد میں مصر کی بندرگاہ سکندریہ اور دمیاط میں بہت زیادہ تعداد میں جنگی جہاز اور بہت بڑی سمندری فوج تھی۔ مصر میں پہلا کارخانہ جس میں جنگی جہاز تیار ہوتے تھے جزیرہ دومنہ میں 154ھ میں قائم ہوا تھا۔ اسی طرح معز الدین فاطمی نے ایک دار الصناعۃ بنایا۔ جس میں چھ سو جنگی جہاز تیار ہوتے تھے۔ بنی عباس کے دور میں سمندری مواصلات کی ترقی اور جہاز بنانے کے لیے بے انتہا کام ہوا۔ بحری جنگ کی وجہ سے ہی 1453ء میں قسطنطنیہ فتح ہوا۔ مسلمانوں نے مختلف چیزوں کی بار برداری کے لیے مختلف قسم کے سمندری جہاز بنا رکھے تھے۔ مثلاً ''فریدہ'' گھوڑوں کو لادنے کے لئے ''حمالہ'' میں غلہ کی بار برداری کی جاتی تھی۔ ''غراب'' لڑاکا جہاز تھا۔ جس طرح دیگر علوم میں مسلمانوں نے خدمات سرانجام دیں ایسے ہی علم البحار میں بھی مسلمانوں نے خوب ترقی کی۔

2۔ اندلس (سپین) میں علوم کی ترقی، خدمات اور اثرات:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس اسلامی ریاست کی بنیاد مدینہ منورہ میں رکھی وہ خلفائے راشدین کے عہد میں ہی خاصی وسیع ہوگئی تھی۔ بنو امیہ کے دور میں فتوحات کا سلسلہ مزید وسیع ہوگیا اور اسلامی ریاست جزیرہ نمائے عرب کی حدود سے باہر نکل گئی۔ چشم فلک نے وہ دور بھی دیکھا جب اندلس کی سرزمین بھی اسلامی ریاست کا حصہ بن گئی۔

awazeinqilab.com

اندلس میں علوم کی ترقی اور خدمات

مسلمانوں نے نہ صرف فتوحات کر کے اپنا علاقہ وسیع کیا اور دینِ اسلام کی شمع روشن کی بلکہ علم وحکمت کے ایسے ایسے کام کیے کہ جن کی مثال دنیا میں کہیں نہیں ملتی اور اگر یہ کہا جائے کہ دینی و دنیاوی علوم کی صحیح معنوں میں بنیاد مسلمانوں نے رکھی ہے تو یہ بے جا نہ ہوگا۔ اندلس میں مسلمانوں کے دورِ حکومت کو تاریخ میں مسلمانوں کے علم وحکمت کی ترقی کا سنہری دور کہا جاتا ہے۔

سپین کے مسلمانوں کی اکثریت صاحبِ علم تھی اور حکمران بھی علوم وفنون میں مہارت رکھتے تھے اور علماء کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ یہ دور امن و امان کا تھا اس لیے اس دور میں علم وفن میں انتہا درجے کی ترقی ہوئی مسلمان زندگی کے ہر شعبے میں کارنامے سرانجام دیتے تھے۔ بنو امیہ کے دور میں بہت سے علوم کی بنیادیں رکھی جا چکی تھیں اور ان کی باقاعدہ کتابت بھی عمل میں آنا شروع ہوگئی تھی مگر اس دورِ حکومت میں مسلمانوں نے علم کا ذخیرہ اکٹھا کرنا شروع کر دیا جو کہ آج تک علمی دنیا میں استعمال کیا جا رہا ہے اور ترقی کی منازل طے کی جا رہی ہیں۔

اندلس کے مسلمان علماء نے نہ صرف دینی علوم میں ترقی کی بلکہ دنیاوی علوم جن میں سائنس، علم معاشیات، معاشرتی علوم وغیرہ شامل ہیں، میں بھی خوب ترقی کی اور اسی وجہ سے اس دور کو مورخین نے سنہری دور کہا ہے۔ اور اس علمی پیش رفت کو غیر مسلم مورخین بھی تسلیم کرتے ہیں۔ ایک غیر مسلم مشہور مورخ ہٹی (Hitti) کہتا ہے۔

''مسلمانوں کی علمی و ادبی ترقی نے مشرقِ وسطیٰ سے نکل کر سسلی اور اُندلس کے راستے اقوامِ یورپ کے ذہنوں کو سیراب کیا اور یورپ میں احیائے علوم کی تحریک پروان چڑھی جس نے نہ صرف یورپ بلکہ تمام متمدن دنیا کی کایا پلٹ دی''۔

یورپی اقوام آج خود کو عالم اور مسلمانوں کو کند ذہن کہتی ہیں اور اپنے علوم پر ناز کرتی ہیں۔ پر حقیقت یہ ہے کہ وہ سب علوم جن کو یورپی اقوام نے اپنی ملکیت ظاہر کیا ہے وہ مسلمانوں کی وراثت ہیں۔ مسلمانوں نے اندلس پر تقریباً آٹھ سو سال حکومت کر کے علمی ترقی کے بے شمار کارنامے سرانجام دیے۔ جن میں سے چند علوم اور ان میں مسلمانوں کی خدمات مندرجہ ذیل ہیں۔

دینی علوم:

مسلمانوں نے دینی علوم کو ہمیشہ بنیادی حیثیت دی اور کبھی بھی ان علوم کو نظر انداز نہیں کیا۔ اسی لیے تمام ادوار کی طرح اس دورِ حکومت میں بھی مسلمانوں نے دینی علوم کے فروغ اور بقا کے لیے بے شمار کارنامے سرانجام دیے۔ اس دور میں کتابت کا سلسلہ اپنے عروج پر تھا۔ دینی علوم جن میں تفسیر، حدیث، اصول تفسیر، اصولِ حدیث، فقہ، اصول فقہ، تصوف جیسے تمام علوم کے ماہر علماء موجود تھے۔ جن کو حکومتی سرپرستی حاصل تھی اور ان کو معاشی فکروں سے آزاد کر کے علم وحکمت میں کام کرنے کے لیے اپنی زندگیاں وقف کرنے کے لیے سرکاری خزانوں سے وظیفہ دیا جاتا تھا۔ ہر علاقے میں دینی مدارس کھولے گئے تھے جہاں جلیل القدر علماء لوگوں کو تعلیم دینے کے لیے ہر وقت موجود ہوتے تھے۔

علم تفسیر میں ابوعبد الرحمٰن، محمد بن عطیہ الغرناطی، ابومحمد عبد الحق شبلی، قاضی عبد الحکم وغیرہ نے بہت شہرت پائی۔ اسی دور کی ایک تفسیر ''تفسیر البدایہ الی بلوغ النہایہ'' ابومحمد بن ابوطالب قرطبی نے لکھی۔ تفسیر لکھنے کے لیے باقاعدہ اصول تفسیر کا علم سکھا اور سکھایا جاتا تھا تاکہ تفسیر لکھنے میں کوئی غلطی نہ ہو۔

علم حدیث میں بنو عباس کے دور میں بہت اعلیٰ پایہ کی کتب تحریر کی گئی تھیں جن میں صحاح ستہ نمایاں ہیں۔ اندلس کے دورِ حکومت میں بھی مسلمانوں نے تفسیر کی طرح حدیث اور اصولِ حدیث کے ذخیرہ میں اضافہ کیا۔ اس دور کے علماءِ حدیث میں ابو محمد قاسم بن اصبغ اور محمد بن عبد الملک اہم اور ممتاز درجہ رکھتے تھے۔ ابن اصبغ نے ایک کتاب ''احکام القرآن'' مدون کی ان کی ایک اور کتاب ''المجتبیٰ'' ہے۔ ابو ایوب سلمان بن محمد بن بطال البطلیموسی نے صحیح بخاری کی شرح لکھی۔ جسکی مدد سے فتح الباری تحریر کی گئی۔ ابو الحق مزینی نے موطاء امام مالک کی شرح اور اسکی تفصیل میں دیگر کتب تحریر کیں۔

حدیث کے علاوہ اس دورِ حکومت میں مسلمانوں نے شرعی مسائل کے زیادہ ہونے کی وجہ سے فقہ اسلامی پر بہت توجہ دی۔ اندلس میں چونکہ ابتدائی زمانے میں ہی یحییٰ الاندلسی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ فقہ مالکی کو اختیار کیا تھا اس لیے وہاں پر زیادہ تر فقہ مالکی کی کتابیں مرتب کی گئیں تھیں۔ مشہور کتب میں ''التہذیب''، ابو الولید کی ''النہایہ''، امام ابوبکر کی (العواصم والقواصم) ہیں۔ ان کے علاوہ ابوعمر یوسف نے ''کافی'' کے نام سے ایک کتاب تحریر کی جو ''فقہ'' کے حوالے سے جامع کتب میں شمار ہوتی ہے۔

awazeinqilab.com

فان کریمر اسلامی فقہ کے بارے میں لکھتا ہے کہ

''رومیوں کے بعد عرب یا مسلمان ہی وہ قوم ہیں جو اپنے سرمایہ قانون پر فخر کر سکتے ہیں۔''

حکمت و سائنس کی طرح فلسفہ بھی اس دور کے اہم علوم میں شامل تھا۔ الکندی، فارابی، بوعلی سینا اس دور کے مشہور فلسفی تھے۔ اسکندری حکیم عرب کہلاتا تھا۔ فارابی کو اپنے زمانے کا ارسطو اور معلم ثانی کہا جاتا ہے۔ بوعلی سینا فارابی کے شاگرد تھے۔ ان فلسفیوں سے مشرق و مغرب ہر علاقے کے لوگ متاثر ہیں۔ ابو بکر محمد بن یحییٰ ابن ماجہ بارہویں صدی کا عظیم فلسفی تصور کیا جاتا تھا۔ ابن رشد نے علم فلسفہ میں عظیم مقام حاصل کیا مگر اس کے کچھ نظریات و افکار اسلامی تعلیمات سے متصادم تھے۔

اسی دور میں ایک معروف بزرگ الکرخی نے علم تصوف میں خوب شہرت حاصل کی۔ اسی طرح ایک اور معروف بزرگ فلسفی ابو محمد کو ان کے علم کی وجہ سے قطب الدین کا لقب دیا گیا۔ انہوں نے تصوف کے موضوع پر کتاب ''اسرار الحکمت'' لکھی جو تصوف کی اعلیٰ تصنیف سمجھی جاتی ہے۔

سائنسی علوم

اندلس کے دورِ حکومت کو سائنس کا اسلامی دور کہا جاتا ہے۔ اس دور میں نہ صرف یونانیوں کے علمی ذخیرے کو عربی زبان میں تبدیل کیا گیا بلکہ سائنس اور اس کے فروغ میں بھی مسلمانوں نے اپنا لوہا منوایا۔ سائنسی علوم میں علم طب، علم کیمیا، علم ریاضی، علم طبیعات، علم فلکیات، علم التاریخ اور علم جغرافیہ نمایاں ہیں۔

علم طب اور دوا سازی میں اندلس کے مسلمانوں نے بہت اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ مختلف جڑی بوٹیوں سے ادویات ایجاد کیں اور بہت سی مہلک بیماریوں کے علاج دریافت کیے۔ علم طب کے لیے باقاعدہ یونیورسٹیاں قائم تھیں اور طبیب بننے کے لیے اسناد دی جاتی تھیں۔ باقاعدہ لیبارٹریاں اور تجربہ گاہیں بنائی گئیں۔ یورپ میں جب طاعون پھیلا تو ابن الخطیب نے پہلی دفعہ چھوت کے ذریعے امراض پھیلنے کا نظریہ پیش کیا۔ رازی، طبری، بوعلی سینا جیسے طبیب اور عالم پیدا ہوئے۔ طبری نے کتاب ''المعالجۃ'' لکھی، زکریا الرازی نے ''الحاوی'' اور کتاب ''الجدری والحصبۃ'' لکھی۔ اسی دور میں زخموں کو ٹانکوں سے جوڑنے کا آغاز مسلمانوں نے کیا۔

علم کیمیا میں جابر بن حیان کو اس دور میں سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ اسے علم کیمیا کا موجد بھی کہا جاتا ہے۔ جابر بن حیان نے سب سے پہلے تیزاب تیار کیا۔ وہ الکوحل، گندھک، فولاد بنانا اور دیگر کیمیائی مصنوعات کا موجد

ہے۔ اس نے علم کیمیا پر بہت سی کتب تحریر کیں جن میں مختلف کیمیاوی عملوں، تجربوں اور کیمیائی آلات کے بارے میں بحث موجود ہے۔ اس کے علاوہ محمد بن زکریا الرازی، ابو القاسم، مجریطی اور الکاثی علم کیمیا کے ماہرین تھے۔

علمِ ہیئت اور علم الریاضی میں یونانیوں سے علمی ذخیرہ عربی میں منتقل کرنے کے بعد اندلس کے مسلمان سائنسدانوں نے ان علوم میں بھی خوب ترقی کی۔ ریاضی کو الجبرا، جیومیٹری، ہندسہ میں تقسیم کیا۔ الخوارزمی نے صفر اور ہندسوں کا پہلی دفعہ استعمال کیا۔ اس کی مشہور تصنیف ''المختصر فی الحساب الجبر والمقابلہ'' ہے۔ اس دور کے ریاضی کے ماہرین کی ایک لمبی فہرست بنائی جا سکتی ہے۔ یورپی اقوام اسی دور کے بنائے گئے قوانین سے آج تک استفادہ کر رہے ہیں۔ علم فلکیات اور ہیئت میں مسلمانوں نے گرانقدر خدمات سر انجام دیں۔ چاند گرہن، سورج گرہن، سیاروں اور ستاروں کا فاصلہ، قوس قزح جیسے نظریات کو پہلی دفعہ اسی دور میں صحیح طرح سامنے لایا گیا۔ مسلمان ماہرین فلکیات میں اس وقت نو بخت، محمد بن موسیٰ الخوارزمی، عمر خیام، ابن یونس، احمد بجستانی، عباس ابن بعد جوہری وغیرہ تھے۔ گھڑی، کیلنڈر، دوربین، کرۂ زمین کے گھیراؤ کی پیائش، وغیرہ اسی دور کی ایجادات ہیں۔

ابن الہیثم علم طبیعیات کا ماہر سائنسدان تھا۔ اس نے نظر، روشنی اور بہت سے اہم موضوعات پر کام کیا۔ اس کی مشہور تصانیف روشنی اور بصارت کے نظریات پر مشتمل ہیں۔ اس کے علاوہ اس دور کے مشہور علماء طبیعیات میں بوعلی سینا، یعقوب کندی، احمد بن موسیٰ وغیرہ آتے ہیں۔

علم التاریخ کے نامور عالم اور مورخ ''ابن قوطیہ'' تھے۔ انہوں نے قرطبہ میں رہتے ہوئے اس کی تاریخ لکھی جسے ''افتتاح الاندلس'' کہا جاتا ہے۔ تاریخ نویسی میں اس دور کے مشہور ناموں میں ابن خلدون، ابنِ حیان، ابن الخطیب اور ابن عساکر وغیرہ تھے۔

مسلمان علماء نے بہت سے علاقوں کا سفر کیا۔ علم الجغرافیہ کو نظر انداز نہیں کیا۔ یورپ والے مسلمان جغرافیہ دانوں کے علم کو تین سو سال تک بطورِ سند استعمال کرتے رہے۔ گیارھویں صدی کا عظیم ترین جغرافیہ دان ابو عبیدہ بن العزیز البکری ہے۔ اس کی تصنیف ''المسالک والممالک'' بہت مشہور ہے۔ مسلمانوں نے یونانیوں کے جغرافیہ سے متعلق بہت سے نظریات کو درست کیا۔

اثرات

اندلس میں مسلمانوں کے دورِ حکومت کو علم و ادب کا دور کہا جاتا ہے۔ اس دور میں کاغذ کی ایجاد ہوئی اور علم و ادب

کے ذخیروں کو کتابی شکل میں آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کیا گیا۔ رابرٹ بریفالٹ مسلمانوں کی علمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ "دنیائے حاضر پر اسلامی علوم وفنون کا بڑا احسان ہے۔ عربوں نے علم کے ان تمام سرچشموں سے جو دستیاب ہو سکتے تھے، اپنا علم حاصل کیا۔ انہوں نے قدیم علوم میں تحقیق کی نئی روح پیدا کی۔ ریاضیات کو ترقی دی اور تجربے اور مشاہدے کی پیائش کے اسلوب اختیار کیے۔ انہوں نے یونانیوں کے علمی نظریات پر تنقید بھی کی اور ان میں اضافہ بھی کیا۔"

اس دور میں یورپ میں صرف پادری پڑھے لکھے ہوتے تھے اس کے برعکس مسلم دنیا کا یہ حال تھا کہ تقریباً تمام لوگ پڑھے لکھے تھے اور سب کو علم حاصل کرنے کی پوری آزادی تھی۔ اسی لیے علم و دانش میں ان کی مثال ملنا ناممکن ہے۔ مورخین کے مطابق آٹھویں صدی سے لے کر چودھویں صدی تک صرف اور صرف مسلمان سائنسدان ہی مشہور تھے۔ ان کے علوم نے دنیا کے ہر خطے میں علم وحکمت کے دروازے کھولے اور دنیا کو نئے نئے علوم سے روشناس کرایا۔ ہر طرف مدارس اور جامعات بنائے، کتب خانے بنائے، جن سے ہر کوئی مستفید ہوسکتا تھا۔ یہاں تک کہ غیر مسلم اور عیسائی بھی۔ اسی علم کے ایسے اثرات تھے کہ بہت جلد اندلس کے اصلی باشندے بھی اسلام قبول کرنے لگے اور بعض غیر مسلم لوگ اپنے بچوں کے نام مسلمانوں کے ناموں پر رکھنے لگے۔ ہر طرف مسلمانوں کی عزت ہوتی تھی اور دور دور سے لوگ علم سیکھنے ان کے پاس آتے تھے۔ نئی نئی چیزوں کی ایجادات ہوئیں اور علوم کو لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کیا جانے لگا۔

ایک اور مشہور مورخ جارج سارٹن نے مسلمانوں کی علمی و سائنسی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے کہا ہے کہ "گیارہویں صدی عیسوی میں علم و حکمت کا حقیقی ارتقاء مسلمانوں کا مرہونِ منت تھا۔ اس زمانے میں اچھوتی اور نادر خدمات کا تعلق صرف ریاضی سے ہے اور اول تا آخر مسلمانوں ہی کی سعی کا نتیجہ ہے۔"

3۔ دورِ انحطاط میں مسلم دنیا میں علم کی حالت، بے توجہی کے اسباب اور اثرات

جس طرح مختلف قوموں پر عروج و زوال آتے رہتے ہیں اسی طرح مسلمان بھی اپنے دور کے علمی عروج پر پہنچے۔ لیکن جب اخلاقی پستی کا شکار ہوئے تو پھر انحطاط کا دور شروع ہو گیا۔

مسلمانوں کے دورِ انحطاط میں علمی پیش رفت رک گئی یا اس کی سمت غیر ضروری مباحثوں اور غیر منطقی دلیلوں کی طرف ہوگئی۔

مورخین کا خیال ہے کہ جب کسی قوم کے حکمران عیش وعشرت کا شکار ہو جائیں تو اس قوم پر زوال ضرور آتا ہے۔

قوم بحیثیت مجموعی اخلاقی زوال کا شکار ہو جاتی ہے۔ جب اخلاقی زوال آ جائے تو معاشی، علمی اور تحقیقی زوال آ کر رہتے ہیں۔

مسلمانوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ دورِ انحطاط میں علمی بے توجہی کے اسباب و اثرات درج ذیل تھے۔

- علمائے کرام فروعی وفقہی مسائل میں الجھ کر رہ گئے۔
- نااہل لوگ حکومتی عہدوں پر فائز ہوگئے۔
- حکمرانوں نے عظیم درسگاہوں کی سرپرستی سے ہاتھ کھینچ لیا اور تحقیق کا کام رک گیا۔
- تحقیقی اور سائنسی سرگرمیاں تقریباً ختم ہوگئیں جسکی وجہ سے علمی ترقی نہ ہوسکی۔
- یہود و نصاریٰ کی سازشیں کامیاب ہوگئیں۔
- علمی خزانے لوٹ لیے گئے، جلا دیے گئے یا پھر تباہ کر دیے گئے۔
- مذہبی تعلیمات کو سطحی عقلی کسوٹی پر پرکھا جانے لگا۔
- دورِ حاضر کے مسائل سے نبرد آزما ہونے کی بجائے رجعت پسندی کو شیوہ بنا لیا گیا۔
- اجتہاد کا راستہ روک دیا گیا جسکی وجہ سے امت ذہنی پراگندگی کا شکار ہوگئی۔
- کلمہ حق کہنے والوں کو سخت سزائیں سنائی گئیں۔
- امت مختلف فرقوں میں بٹ کر رہ گئی۔
- دولت کی فراوانی نے مسلمانوں کو عیاشی میں مبتلا کر دیا۔
- جہاد فی سبیل اللہ کے اہم فریضے کو ترک کر دیا۔

awazeinqilab.com

4۔ عصرِ حاضر اور مستقبل میں علمی پیش رفت کے حوالے سے اُمّتِ مُسلمہ کی ذمہ داریاں

انسان کو علم کی دولت عطا کی گئی جس کا ذکر سورۃ البقرہ میں آتا ہے۔ اس سے علم اور مسلمانوں کے ساتھ کا پتہ چلتا ہے کہ علم مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کا عظیم تحفہ ملا ہے۔ ایسے ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب سب سے پہلی وحی نازل ہوئی وہ بھی علم کے حوالے سے تھی۔ جو کہ سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیات تھیں۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿۲﴾ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ﴿۳﴾
الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿۴﴾ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ﴿۵﴾ (العلق:1-5)

ترجمہ: اے نبی! اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے تمام کائنات کو پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہ تھا۔

علم مسلمانوں پر حاصل کرنا فرض کیا گیا ہے۔ اس پر عمل کر کے مسلمانوں نے نہ صرف عرب بلکہ تقریباً پوری دنیا میں حکمرانی کی۔ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمانوں کی کامیابی کا راز اللہ تعالیٰ کی تعلیمات پر عمل کرنے اور علم میں ترقی کی منازل طے کرنے میں تھا۔ مسلمانوں نے بہت قلیل مدت میں عرب سے عجم تک اپنی سلطنت قائم کی اور علم و حکمت کے میدان میں گرانقدر خدمات سرانجام دیں جن کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ مگر بدقسمتی سے مسلمانوں کی آنے والی نسلوں نے اپنے آباء واجداد کے علمی خزانے کو سنبھالنے میں کوتاہیاں کیں اور غیر مسلم نے اسے اپنا لیا اور اس لیے آج مسلمان ان سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ وہ لوگ ترقی کی منازل طے کر کے Super Power بن گئے ہیں۔ مسلمانوں کی بے توجہی اور نااہلی کی وجہ سے انہوں نے مسلمانوں کے خزانے کو اپنا ورثہ بنا لیا ہے۔

عصرِ حاضر اور مستقبل میں علمی پیش رفت کے حوالے سے مسلمانوں کی کچھ ذمہ داریاں بنتی ہیں جنہیں پورا کر کے مسلمان دوبارہ دنیا پر حکمرانی کر سکتے ہیں۔ ان ذمہ داریوں میں سے کچھ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ اسلامی تعلیمات کو عام کرنا

اسلام ایسا دین ہے جو کسی مخصوص وقت، مخصوص قوم یا علاقے کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ قیامت تک آنے والی تمام انسانیت کے لیے ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ دینِ اسلام کی تعلیمات کو بنیاد بنائیں اور ان پر عمل کر کے دنیا جہاں کو مسخر کریں۔ قرآن و سنت میں قیامت تک کے لیے علوم موجود ہیں۔ اگر ضرورت ہے تو اس میں غور و فکر کرنے کی، وقت دینے کی اسلامی تعلیمات کو اتنا پھیلایا جائے کہ کوئی بھی اس علم سے محروم نہ رہے۔

۲۔ مشترکہ زبان کو رائج کرنا

عربی مسلمانوں کی مشترکہ زبان ہونی چاہیے۔ اور ہر مسلمان کو آنی چاہیے تاکہ ہر طرح کا علم حاصل کرنا سب کے لیے ممکن ہو۔ جیسے انگریز زیادہ تر انگریزی میں علم حاصل کرتے ہیں اور ان کا علم حاصل کرنے کے لیے انگریزی ضروری ہے ایسے ہی مسلمانوں کو اپنے علمی خزانے کو اسی زبان میں محفوظ رکھنا چاہیے جو کہ سب کے لیے بولنا اور سمجھنا آسان ہو۔

۳۔ معاشی تفاوت کا خاتمہ

آج کل کے دور میں علم حاصل کرنے میں جو ایک رکاوٹ آ رہی ہے وہ معاشی تفاوت ہے۔ یعنی غریب غریب تر ہوتا جا رہا ہے اور امیر امیر تر۔ اس طرح بہت سے لوگ ایسے ہیں جو علم حاصل کرنا چاہتے ہیں مگر ان کے معاشی حالات ان کو اس بات کی اجازت نہیں دیتے۔ ایسے ہی تعلیم کو مہنگا کر کے لوگوں سے علم حاصل کرنے کا حق چھینا جا رہا ہے۔ یہ مسلمان امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ علم کو اتنا عام کرے اور اتنا سستا کہ ہر انسان اسے حاصل کر سکے اور ملک و قوم کی ترقی میں اپنا مثبت کردار ادا کر سکے۔

۴۔ رنگ و نسل اور علاقائی تعصبات کا خاتمہ

مسلمان امت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اندر سے رنگ و نسل اور علاقائی تعصّبات کا خاتمہ کر کے خود کو صرف مسلمان کہے اور کہلوائے۔ ایسے ہی علم کو اپنی گمشدہ میراث سمجھ کر جہاں سے بھی ملے حاصل کرے۔ یہ نہ کہے کہ یہ انگریزوں کا علم ہے تو یہ مسلمانوں کا۔ علم تو علم ہے۔ اور ایسے ہی عربی و عجمی نہ بنے۔ مل جل کر ایک امتِ واحدہ بن کر Super Power کا مقابلہ کریں اور ہر شعبہ میں علم حاصل کریں اور ترقی کریں۔

awazeindia.com

۵۔ قول وفعل میں مطابقت

مسلمان امت کو چاہیے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ ایمانداری اور خلوص کے ساتھ رہیں۔ اور قول وفعل میں مطابقت رکھیں۔ کسی بھی شعبہ میں غداری یا کرپشن نہ کریں۔ اگر کسی ملک کے ساتھ کوئی وعدہ کریں تو اسے پورا کریں۔ اور علم حاصل کرنے کے لیے صرف زبانی معاہدے نہ کریں بلکہ ان پر عمل بھی کریں۔

۶۔ مشترکہ تعلیمی پالیسی

مسلمان تقریباً دنیا کے ہر ملک میں آباد ہیں اور اس کے علاوہ تقریباً اس وقت 56 کے قریب آزاد مسلمان ممالک دنیا میں موجود ہیں۔ ان کو چاہیے کہ علمی پیش رفت میں کوئی ایسی مشترکہ تعلیمی پالیسی بنائی جائے جس میں علمی اہمیت پر زور دیا گیا ہو اور موجودہ اور آنے والے وقت کے لیے بہترین لائحہ عمل اختیار کیا گیا ہو۔ جس کے مطابق مسلمان دوبارہ علم وحکمت کی دنیا میں اپنا اعلیٰ مقام حاصل کر سکیں۔ دینی اور دنیاوی تمام علوم میں ترقی کریں اور اپنے علمی خزانے کو آنے والی نسلوں کے لیے بچا کر رکھ سکیں۔

۷۔ تعلیمی اداروں کا قیام

وہ مسلمان ممالک جو معاشی لحاظ سے مستحکم ہیں۔ ان کو چاہیے کہ دوسرے مسلمان ممالک کی تعلیمی اداروں کے قیام میں مدد کریں۔ ان کی مالی لحاظ سے بھی مدد کریں اور ان کو ماہرفن اساتذہ وغیرہ بھی مہیا کریں تاکہ علم کو ہر طرف عام کیا جاسکے۔ ایسے ہی اپنے اپنے ملک میں بھی زیادہ سے زیادہ معیاری تعلیمی ادارے قائم کیے جائیں جہاں ہر طرح کے جدید علوم حاصل کرنے کی سہولیات میسر ہوں۔

۸۔ طلباء کی معاشی مدد کرنا

وہ مسلمان طلباء و طالبات جو معاشی حالات کے خراب ہونے کی وجہ سے علم نہیں حاصل کر سکتے۔ ان کو وظائف کی صورت میں مدد فراہم کی جائے۔ اس کے لیے حکومت کو چاہیے کہ وہ حکومتی بجٹ میں اس مقصد کے لیے ایک مخصوص حصہ الگ کر دے۔ ایسے ہی پڑوسی مسلمان ممالک بھی دوسرے مسلمان بھائیوں کی مدد کر سکتے ہیں۔

NOT FOR SALE

۹۔ کتب خانے تعمیر کرانا

جب مسلمانوں نے اندلس پر حکمرانی کی تھی اس دور میں ان کے پاس کتابوں کا ایک ضخیم ذخیرہ موجود تھا۔ نہ صرف یونانیوں کے عربی و لاطینی زبانوں میں ترجمے موجود تھے بلکہ اپنے نئے نئے علوم کے بارے میں جس میں دینی و دنیاوی، سائنسی تمام طرح کے علوم شامل تھے، کا ایک وسیع ذخیرہ کتب خانوں میں موجود تھا۔ ہر علاقے میں ہزاروں کی تعداد میں کتب خانے موجود تھے جن میں بغداد کا شہر سب سے زیادہ مشہور تھا۔ مگر جب مسلمانوں پر زوال آیا تو فاتح اقوام نے اس خزانے کو نیست و نابود کر دیا۔ کچھ جلا دیا، کچھ دریا میں بہا دیا اور کچھ اپنے علاقوں میں لے گئے۔ آج جن کی بنیاد پر وہ ترقی کر رہے ہیں۔

مسلمان امت کو چاہیے کہ وہ اس سنہری دور کی طرح اب بھی اپنے کتب خانوں میں اضافہ کریں اور اپنی علمی وراثت کو اپنے کتب خانوں میں محفوظ کریں تاکہ تحقیق کی راہیں کھلیں اور علمی شعبہ میں ترقی ہو۔

۱۰۔ سائنسی علوم کو فروغ دینا

علم کو فروغ دیتے وقت اس بات کو مدنظر رکھنا ضروری ہے کہ اس میں صرف دینی علم نہ ہو بلکہ سائنسی علوم کو بھی اتنی ہی اہمیت دی جائے۔ اور جیسے قدیم علماء و سائنسدانوں نے سائنس میں اپنا لوہا منوایا۔ اور علم کیمیا، فلکیات، ریاضی، غرض ہر شعبہ میں ایجادات کیں اور دنیا کو نئی راہ دکھائی ایسے ہی آج اور آنے والے دور کے مسلمانوں کو بھی خود کو علم کے لیے وقف کرنے کی ضرورت ہے تاکہ سائنس کی اس دوڑ میں وہ اعلیٰ مقام حاصل کر کے اپنے آباء واجداد کا نام دوبارہ علمی پیش رفت میں اجاگر کر سکیں۔

۱۱۔ طلباء کے وفود کا تبادلہ

مسلمان ممالک کو چاہیے کہ وہ اپنے اپنے علاقے کی علمی سرگرمیوں میں دوسرے علاقوں کے طلباء کو شریک کریں۔ طلباء کو ایک دوسرے کے ملک میں جا کر وہاں کے اساتذہ سے علم حاصل کرنے کا موقع بھی ملے۔ بجائے اس کے کہ طلباء یورپی اقوام میں جا کر علم حاصل کریں، مسلمان ممالک میں ایک دوسرے سے علم حاصل کریں۔ یورپی اقوام کی اندھی تقلید کرنے کی بجائے اپنے مسلمان سائنسدانوں کے علوم سے استفادہ کر کے نئے نئے تجربات کریں اور اپنے اور دوسروں کے علم میں اضافہ کریں۔

NOT FOR SALE
awazeinqilab.com

۱۲۔ دیارِ غیر میں طلباء کی حفاظت

آج کل علمی دنیا میں جو ایک اہم مسئلہ مسلمانوں کو درپیش ہے وہ غیر مسلم ممالک میں گئے ہوئے مسلمان طلباء کی حفاظت ہے۔ کیونکہ آج کل مسلمان طلباء کو وہاں پر دہشت گرد قرار دیا جاتا ہے یا ان کے تعلیمی سلسلے کو درمیان میں منقطع کیا جاتا ہے۔ ایسے میں امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے نوجوان طلباء کو غیر مسلم ممالک میں حفاظتی اقدامات کے ساتھ بھیجیں اور وہاں پر ان کو رہنے کے مکمل حقوق دلوائیں تاکہ وہاں پر طلباء اپنی تعلیمی سرگرمیاں احسن طریقے سے پوری کر کے واپس اپنے ملکوں کو خیر وعافیت کے ساتھ لوٹ سکیں۔

۱۳۔ ریسرچ سینٹرز کا قیام

سائنسی علوم میں ترقی کے لیے ریسرچ سینٹرز بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ اس لیے زیادہ سے زیادہ ریسرچ سینٹرز قائم کیے جائیں تاکہ سائنسی علوم کو فروغ دیا جاسکے اور سائنس اور ٹیکنالوجی میں نئی نئی ایجادات ہوسکیں۔

۱۴۔ مختلف سیمینارز کا اہتمام

ریسرچ سینٹرز کے قیام کے ساتھ ساتھ مختلف عنوانات پر سیمینارز کا بھی اہتمام کیا جائے جس میں مختلف ریسرچرز اور محققین وعلماء کے علم وتجربات سے فائدہ اٹھایا جاسکے اور نئے نئے علوم وتصورات سے سب کو آگاہی کا موقع مل سکے۔

۱۵۔ ذرائع ابلاغ اور نئی ٹیکنالوجی کا استعمال

کمپیوٹر اور سائنسی ایجادات نے اس دنیا کو Global Village بنا کر فاصلے مٹا دیے ہیں۔ ان ذرائع ابلاغ اور نئی ٹیکنالوجی کو علم کے فروغ کے لیے استعمال کیا جائے۔ ان ایجادات کو فضول وقت ضائع کرنے والے مشاغل کی بجائے علمی پیش رفت کے لیے استعمال کیا جائے۔

۱۶۔ مسلمانوں کی علمی خدمات کی اشاعت وحفاظت

مسلمانوں نے جو علمی خدمات سرانجام دی ہیں ان کی باقاعدہ نشرواشاعت ہو اور ان کی حفاظت کی جائے تاکہ آئندہ کے لیے مسلمان علماء اور سائنسدانوں کے علمی خزانے محفوظ ہوسکیں۔

۱۷۔ دہشتگردی کا خاتمہ

موجودہ دور میں مسلمانوں کی مشکلات میں دہشت گردی نے اور اضافہ کردیا ہے جس سے عموماً مسلم ممالک ہی متاثر ہو رہے ہیں ظرفہ تماشہ یہ ہے کہ غیر مسلم ممالک خود ہی دہشت گردی کو ہوا دیتے ہیں، مسلمانوں کو مسائل کے دلدل میں پھنسا کر ان ہی کو موردِ الزام بھی ٹھہرایا جاتا ہے۔ ان حالات میں امتِ مسلمہ کو جذبات کی بجائے عقل وشعور اور حکمت و تدبر سے کام لینا چاہیے تاکہ مسلم ممالک کے وسائل علمی ترقی میں استعمال ہوں اور دشمن کی چال ناکام ہو۔

ان تمام ذمہ داریوں پر عمل کر کے ہم دوبارہ مسلمان امت کو علمی دنیا میں اعلیٰ مقام دلا سکتے ہیں۔ اور مستقبل میں امت کو ترقی کی انہیں اونچی منازل تک پہنچا سکتے ہیں جن پر وہ دورِ بنوعباس اور اندلس میں تھی۔

5۔ اشاعتِ علم کے لیے افراد اور اجتماع کی ممکنہ کاوشیں، مستقبل کا نقشہ اور امت کا رویہ

آج کے دور میں علم کی اہمیت سے کوئی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ یہی اہمیت اللہ تعالیٰ نے اس وقت بتائی تھی جب انسان کو دنیا میں خلیفہ بنا کر بھیجا گیا تھا۔ امت کو اسے ہر دور میں یاد رکھنا چاہیے۔ اگر ہم علم حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کی تعلیمات پر عمل کریں گے تو نہ صرف دنیا ہمارے قدموں میں ڈھیر ہوگی بلکہ آخرت بھی سنور جائے گی۔ ہر دور میں مسلمانوں نے علم کو فروغ دینے کے لیے بے حد خدمات سرانجام دی ہیں اور اشاعتِ علم میں اپنا حصہ ڈالا ہے۔ عصرِ حاضر میں اشاعتِ علم کے لیے ہر فرد اور گروہ کو ممکنہ کوششیں کرنی چاہیے اور مستقبل میں امت کو علم کی منازل طے کرنے میں مدد دینی چاہیے۔

اس کے لیے ضروری امر یہ ہے کہ سب سے پہلے ہر فرد کو علم حاصل کرنا چاہیے۔ اسے اپنی زندگی کا اولین فریضہ سمجھنا چاہیے۔ اس طرح اگر امت کا ہر فرد پڑھا لکھا ہوگا تو یقیناً معاشرہ خوشحال ہوگا۔ مسلمان ہر شعبہ زندگی میں کامیاب ہونگے۔ نہ صرف ایک فرد، ایک گروہ ایک علاقہ اور ملک خوشحال ہوگا بلکہ اس کا اثر پوری امت پر پڑے گا اور مستقبل بہتر ہوگا۔

علم کی اشاعت اور حصول میں فرد و اجتماع کو یہ کوشش کرنی ہوگی کہ نہ صرف اپنے دینی ورثہ کو سنبھال کر رکھنا ہے اور اس کو اپنے اندر سمونا ہے بلکہ دنیاوی علوم کو بھی حاصل کرنا ہے۔ اس میں معاشی، معاشرتی، سائنسی تمام طرح کے علوم شامل ہیں۔

awazeinqilab.com

امت میں ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ کچھ لوگ علم دین سے ایسے لگ جاتے ہیں کہ دنیوی علوم کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے جب کہ دنیوی علوم پڑھنے والے عموماً مذہب سے بیگانہ ہو جاتے ہیں جس سے مسلمان معاشرہ دو طبقوں میں بٹ گیا ہے اور ہر طبقہ دوسرے کو اپنا حریف سمجھتا ہے۔ یہ رویہ افتراق کی خلیج وسیع کرنے کا سبب بنتا ہے اس لیے مسٹر اور مُلا کی یہ تقسیم ختم کر دینی چاہیے اور ہر طبقہ دوسرے طبقہ سے استفادہ کی سبیل پیدا کرے تاکہ دونوں قسم کے علوم ایک دوسرے کی مددگار ہو کر ترقی کی راہ پر چلیں، غیروں کی سازشوں کا قلع قمع ہو اور ترقی یافتہ استعماری طاقتوں کا صحیح مقابلہ کیا جا سکے جو مسلمانوں کو دینی اور دنیاوی دونوں شعبوں میں کمزور کر کے ان پر اپنا تسلط قائم کرنا چاہتی ہیں اور تمام معدنی ذخائر اور ایٹمی ذخائر پر قبضہ کرنا چاہتی ہیں۔

موجودہ دور میں علم نے سائنس اور ٹیکنالوجی کے شعبوں میں خوب ترقی کی ہے۔ مگر افسوس اس بات کا ہے کہ لوگ اسے غلط کاموں میں بھی استعمال کر رہے ہیں۔ اشاعتِ علم میں یہ امر ضروری ہے کہ ہر فرد اسے مثبت انداز میں لوگوں کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کرے۔ جس سے ملک و قوم ترقی کرے۔ جب ہر انسان یہ رویہ و سوچ اختیار کرے گا تو یقیناً امتِ مسلمہ کا مستقبل روشن ہوگا۔

علم حاصل کرنے اور اشاعت کے وقت عصبیت کو جگہ نہیں دینی چاہیے۔ ہر فرد خود کو امت کا فرد سمجھے نہ کہ کسی مخصوص علاقے یا گروہ کا فرد۔ ایسے ہی یہ سب سے ضروری ہے کہ جہاں ہم کسی دوسرے کی علم حاصل کرنے میں مدد کر سکتے ہیں، وہاں ہم نے اپنا کردار ادا کرنا چاہیے۔ اشاعتِ علم اور حصول علم سے دوسروں کی پوری پوری مدد کرنی چاہیے۔

مشق

سوال 1: درج ذیل سوالوں کے جواب لکھیں۔

i۔ دینی علوم کے حوالے سے مسلمانوں کی خدمات پر روشنی ڈالیں۔

ii۔ صحاح ستہ کسے کہتے ہیں؟ ان کی تفصیل بیان کریں۔

iii۔ اسلامی نظامِ معیشت کی خصوصیات بیان کریں۔

iv۔ مسلمانوں نے سائنسی علوم میں کون کون سے کارنامے سرانجام دیے؟

v- کون سے عناصر انسان کو معاشرت پسند بناتے ہیں؟

vi- آپ کے خیال میں مسلمانوں نے کس شعبے میں سب سے زیادہ کام کیا؟

vii- دورِ حاضر میں مسلمان علمی عروج کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟

viii- اندلس میں مسلمانوں نے کیا کارہائے نمایاں سرانجام دیے؟

ix- مسلمانوں کی علمی بے توجہی کے اسباب کیا تھے؟

سوال 2: سبق کے مطابق مناسب ترین جواب پر (✓) کا نشان لگائیں۔

i- علم کے حوالے سے سب سے پہلے آیات نازل ہوئیں۔

ا۔ سورۃ الفاتحہ میں ب۔ سورۃ الکوثر میں ج۔ سورۃ العلق میں د۔ سورۃ البقرۃ میں

ii- مسلمانوں کی علمی ترقی کے لیے کون سا ملک مشہور ہے۔

ا۔ سعودی عرب ب۔ پاکستان ج۔ اندلس د۔ ترکی

iii- ناسخ و منسوخ کا علم کس کے لیے ازحد ضروری ہے۔

ا۔ اصول تفسیر ب۔ اصولِ حدیث ج۔ اصول فقہ د۔ تصوف

iv- مسلمان ریاضی دان تھا۔

ا۔ الخوارزمی ب۔ جابر بن حیان ج۔ طارق بن زیاد د۔ محمد بن قاسم

سوال 3: مندرجہ ذیل سوالات کا مختصر جواب دیں۔

i- اصول فقہ کی تعریف بیان کریں۔

ii- اسلامی نظام معیشت میں منصفانہ تقسیم سے کیا مراد ہے؟

iii- اسلام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر روشنی ڈالیے۔

سرگرمی

معلم/معلمہ، طلباء/طالبات میں ایک تحریری مقابلہ کروائیں جس کا عنوان "دورِ انحطاط میں علمی بے توجہی کے اسباب و اثرات" ہو۔

awazeinqilab.com

باب چہارم

اسلام کا نظامِ حکومت و ریاست

تدریسی مقاصد

اس سبق کا مقصد طلبہ اور طالبات کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ:

- اسلامی تہذیب وتمدن کی ابتداء، ارتقاء اور عصر حاضر میں اس کی اہمیت جان سکیں اور اس میں اپنا کردار ادا کرنے کی تحریک پاسکیں۔
- طلبہ ایک اسلامی ریاست کے شہری ہونے کی حیثیت سے اپنے حقوق و فرائض کو جان سکیں۔
- اسلام کا دیا ہوا تصور ریاست وطرز حکومت کا دور حاضر سے موازنہ کرسکیں۔

ا۔ اسلامی نظامِ حکومت کا تصور

اسلامی تعلیمات کی روح یہی ہے کہ اللہ کی زمین پر اللہ کی حاکمیت قائم ہو جائے۔ یہ بات اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کسی بھی معاشرے کی اجتماعی قوت اسلام کے تابع نہ ہوجائے۔ تمام انبیائے کرام علیہم السلام یہی جدوجہد کرتے رہے کہ اقتدار اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشا کے تابع رہے۔ اس بات کا اندازہ درج ذیل آیت کریمہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ دعا سکھائی۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۝ (بنی اسرائیل: 80)

ترجمہ: اور کہو کہ اے پروردگار مجھے (مدینے) میں اچھی طرح داخل کیجیے اور (مکے) سے اچھی طرح نکالیو۔ اور اپنے ہاں سے زور اور قوت کو میرا مددگار بنائیو۔

... روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ اس سے مراد یہی ہے کہ اے اللہ تعالیٰ یا تو مجھے اقتدار عطا کر یا مجھے ایسی حیثیت عطا فرما جس میں کوئی حکومت میری مددگار بن جائے تاکہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ صحیح معنوں میں ادا کرسکوں۔

کنز العمال کی اس حدیث سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

ترجمہ: اسلام اور حکومت و ریاست دو جڑواں بھائی ہیں۔ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں ہوسکتا۔ پس اسلام کی مثال ایک عمارت کی سی ہے اور حکومت گویا اس کی نگہبان ہے جس عمارت کی بنیاد نہ ہو وہ گر جاتی ہے اور جس کا نگہبان نہ ہو وہ لوٹ لی جاتی ہے۔ (کنز العمال)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلانِ نبوت کے بعد جس انداز اور حکمتِ عملی سے دعوتِ حق کا آغاز کیا اس کا مقصود و مطلوب یہی تھا کہ غیر اللہ کی عبادت و اطاعت ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ نظامِ زندگی مجموعی طور پر احکاماتِ الٰہی کے تابع ہو جائے۔ معاشرتی رسم و رواج اور روایتی نظامِ عبادات کو ختم کر کے انسانی عظمت و وقار میں اضافہ ہو جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے شمار مصائب و آلام برداشت کیے اور بالآخر ہجرت کرنے پر بھی مجبور ہو گئے۔ آمدِ مدینہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میثاقِ مدینہ کے ذریعے ایک ایسی ریاست کی بنیاد رکھ دی جس پر صرف دس سال کے عرصہ میں اسلامی حکومت کا قیام عمل میں آ گیا۔ یہ قرآنی تعلیمات کا اعجاز تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین و ریاست میں امتیاز روا نہ رکھا اور مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کو اللہ کے قانون کے تابع کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دین اور ریاست و حکومت کا حسین امتزاج پیش کر کے ایسی مثال قائم فرما دی کہ جس میں فلاح ہی فلاح تھی۔

دراصل اسلام نظامِ حکومت کا ایسا تصور پیش کرتا ہے، جس میں درج ذیل اوصاف موجود ہوں۔

ا۔ احکاماتِ ربانی کو تمام ادیانِ باطلہ پر غلبہ حاصل رہے۔

ب۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مضبوط نظام قائم ہو۔

ج۔ دنیاوی امور عملی طور پر اخروی فلاح سے منسلک ہوں۔

د۔ معاشرتی مساوات اور امن و سکون کا بول بالا ہو۔

ہ۔ تسخیر کائنات معرفتِ الٰہی کی طرف رہنمائی کرے۔

و۔ اقتدار و حکومت بجائے خود مقصود نہ ہو بلکہ اصلاحِ انسانیت کے عظیم کام کی انجام دہی کا ذریعہ بنے۔

درج بالا نکات سے بآسانی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ اسلامی نظامِ حکومت کا تصور محض مادی اقتدار کا حصول نہیں ہے بلکہ یہ اقتدار روحانی منازل طے کرنے کا ایسا زینہ ہے جس میں ایسا معاشرہ تشکیل پاتا ہے کہ جس میں نیکیوں کو فروغ حاصل ہوتا ہے اور برائیوں کا استحصال ہوجاتا ہے۔ باطل کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور حق باطل پر غالب آجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سچ ثابت ہوتا ہے

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝ (بنی اسرائیل:81)

ترجمہ: اور کہہ دو کہ حق آ گیا اور باطل نابود ہوگیا بیشک باطل نابود ہونے والا ہے۔

۲۔ اسلامی نظامِ حکومت کے اصول:

اسلامی نظامِ حکومت کی بنیاد یہ ہے کہ حکم دینے اور قانون بنانے کے اختیارات انسان کے پاس نہ ہوں اس لیے کہ انسانی قوانین ناقص ہوسکتے ہیں اور پھر یہ بات قرینِ قیاس بھی نہیں کہ چند انسان قوانین بنائیں اور باقی محض ان پر عمل کرنے والے ہوں۔ اسلامی نظام حکومت میں قانون صرف اور صرف اللہ کا بنایا ہوا ہوتا ہے۔ جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

مَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ ۚ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝
(یوسف: 40)

ترجمہ: جن چیزوں کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں۔ جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ نے انکی کوئی سند نازل نہیں کی (سن رکھو کہ) اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے اس نے ارشاد فرمایا ہے کہ اسکے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ۝ (المائدہ:۴۴)

ترجمہ: اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔

لَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا ۝ (الکھف:۲۶)

ترجمہ: اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے۔

أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۗ (الاعراف:۵۴)

ترجمہ: دیکھو سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا ہے

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۚ (یوسف:۴۰)

ترجمہ: اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے۔

حکمران بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے اور فیصلہ بھی اسی کا ہے

أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ۝
(المائدہ:۵۰)

ترجمہ: پس کیا یہ زمانہ جاہلیت کے سے فیصلے کے خواہشمند ہیں۔ اور جو لوگ یقین رکھتے ہیں ان کے لیے اللہ سے اچھا فیصلہ کس کا ہوگا۔

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَكَمُ وَاِلَيْهِ الْحُكْمُ (ابی داؤد)

ترجمہ: بے شک حکمران اللہ ہی ہے اور فیصلہ بھی اسی کا ہے۔

مندرجہ بالا آیات اور حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی ریاست میں اقتدارِ اعلیٰ کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اسلامی حکومت کا کام اقتدارِ اعلیٰ کے احکامات پر عمل کروانا ہوتا ہے۔ البتہ انتظامی معاملات و مشکلات میں مسلمانوں کو محدود حاکمیت عطا کی گئی ہے۔ گویا مختلف زمانوں اور ادوار میں درپیش مسائل کے وقت اگر شریعتِ الٰہیہ میں صریح احکامات موجود نہ ہوں تو ایسی صورتِ حال میں اہلِ اجتہاد کی اجتماعی رائے سے قانون سازی ہوگی۔

اسلام نے زندگی کے ہر شعبے میں کچھ حدود و قیود اور اصول وضوابط قطعی طور پر مقرر کر دیے ہیں۔ ان اصول وضوابط اور حدود و قیود کا منشا یہ ہے کہ زندگی کے تمام پہلوؤں میں توازن اور اعتدال قائم رہے اور مجموعی طور پر نظامِ عدل کا بول بالا ہو جائے۔ اگر ان سے صرفِ نظر کیا گیا تو نظامِ زندگی فاسد ہو کر رہ جائے گا۔ البتہ ان حدود و قیود کے اندر رہ کر ضمنی اور فروعی اصول وضوابط بنائے جاسکتے ہیں۔

گویا اسلام نے ریاست وحکومت کی تشکیل کے لیے ایک ڈھانچہ (Framework) دیا ہے۔ اسی ڈھانچے کے اندر رہتے ہوئے حالات و واقعات کے مطابق نظامِ حکومت کی تفصیلات طے کی جاسکتی ہیں۔ اسلامی ریاست وحکومت کا فرض ہے کہ وہ معاشی نظام بنانے کے لیے درج ذیل ہدایات کو مدنظر رکھے۔

۱۔ بلاوجہ شخصی ملکیت کے حق کو گزند نہ پہنچے۔
۲۔ سود اور جوئے کی حرمت قائم رہے۔
۳۔ زکوٰۃ کا نظام قائم و دائم رہے۔
۴۔ وراثتی حق ملکیت کو تسلیم کیا جاتا رہے۔
۵۔ آجر واجیر کے حقوق غصب نہ ہوں۔

درج بالا حدود و قیود میں رہتے ہوئے اسلامی ریاست وحکومت جو بھی قوانین بنائے گی وہ اسلامی تعلیمات کی روح کے مطابق ہوں گے۔

۳۔ اسلامی ریاست کی خصوصیات:

اسلامی ریاست میں اجتماعی عدل کا متوازن نظام رائج ہوتا ہے۔ یہ ہمہ گیر ریاست ہوتی ہے اور پوری انسانی زندگی پر محیط رہتی ہے۔ اسلامی ریاست میں نہ تو آمریت کا جبر ہوتا ہے اور نہ ہی شخصی آزادی سلب کی جاتی ہے۔ اسلامی ریاست فلاحی ہوتی ہے اور اپنے مکینوں کی فلاح و بہبود کے لیے ہمہ تن مصروفِ عمل رہتی ہے۔ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو بھی تحفظ حاصل ہوتا ہے۔ ان کی جان ومال اور آبرو کی حفاظت ریاست کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اسلامی ریاست میں اعضائے ریاست باہمی طور پر مربوط ہوتے ہیں۔ تمام اداروں کا مرکز ومحور ایک ہی نکتہ ہوتا ہے کہ زمین پر اللہ کی حاکمیت قائم ہو اور کسی پر ظلم و زیادتی نہ ہو اور معاشرتی طور پر امن وسکون کا بول بالا ہو۔

چونکہ اسلامی ریاست میں حقیقی فرماں روائی اور حاکمیت اللہ تعالیٰ ہی کی ہوتی ہے اس لیے اس کے نازل کردہ قوانین کو بنیادی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ مسلمان حکمران کی حیثیت ایک خلیفہ کی ہوتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کروانے کے لیے مناسب ماحول فراہم کرتا ہے۔ اس لیے اس کے عدالتی، انتظامی اور تشریعی اختیارات محدود ہوتے ہیں۔
ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ (ص:20)

ترجمہ: اور ہم نے انکی بادشاہی کو مستحکم کیا اور انکو حکمت اور فیصلہ کن خطابت عطا فرمائی۔

مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی ریاست وحکومت میں:

i۔ اصل حاکمیت اور فرماں روائی اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔
ii۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شارح ہیں، اس لیے ان کی زندگی تمام عالمین کے لیے اسوۂ حسنہ ہے۔

awazeinqilab.com

iii- انسان کو محدود اختیارات حاصل ہیں وہ دراصل اللہ کا خلیفہ اور نائب ہے۔

iv- معاشی و معاشرتی برائیوں کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔

v- حقیقی عدل و انصاف کا شفاف نظام قائم ہوتا ہے۔

vi- قانونی مساوات اور قانون کی حکمرانی قائم ہوتی ہے۔

vii- عظمتِ انسانی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔

viii- بلا تفریقِ مذہب و ملت جان و مال اور آبرو کا تحفظ ہوتا ہے۔

ix- امن و سکون اور باہمی محبت یگانگت کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔

x- ملی تعمیر و ترقی میں سب کو یکساں مواقع حاصل ہوتے ہیں۔

xi- ریاست کے تمام اداروں میں مثالی ہم آہنگی قائم ہو جاتی ہے۔

xii- جواب دہی کا موثر نظام موثر انداز میں کام کرتا ہے۔

xiii- بلند اخلاقی اقدار کو مسلسل فروغ حاصل ہوتا ہے۔

xiv- فلاحِ عامہ کے لیے عملی اقدامات کیے جاتے ہیں۔

xv- ریاست کے جغرافیائی اور نظریاتی تحفظ کے لیے باقاعدہ نظام وضع کیا جاتا ہے۔

xvi- تعلیم و تربیت کے ذریعے تسخیرِ کائنات کا سفر جاری رہتا ہے۔

۴۔ دورِ جدید میں اسلامی ریاست کے لیے ممکنہ کوششیں:

عروج و زوال قوموں کی زندگی کا حصہ ہوا کرتے ہیں۔ اقوامِ عالم میں ایسا بارہا ہوا ہے کہ کوئی قوم زوال کی پستیوں سے اٹھی اور ایک مستحکم طاقت بن گئی اور سال ہا سال حکومت کرتی رہی۔ پھر آہستہ آہستہ زوال کا شکار ہو گئی۔ اسی دوران کسی اور قوم نے بامِ عروج حاصل کر لیا اور وہ سپر پاور بن گئی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں جس اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تھی وہ اپنی مثال آپ تھی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انتہائی مشکل حالات میں اسلامی سلطنت قائم فرمائی تھی۔ چونکہ اس کی بنیاد فطری اسلامی اصولوں پر تھی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی اس کی سربراہ تھی اس لیے وہ دس سال کے مختصر عرصے میں انتہائی مضبوط ہو گئی تھی۔ پھر خلفائے راشدین نے اسے مزید وسعت دی اور اسلامی مملکت ناقابلِ تسخیر بن گئی۔ آہستہ آہستہ یہ سفر جاری رہا۔ اسلامی ریاست وسیع ہوتی گئی اور زندگی کے تمام شعبوں میں ترقی کرتی گئی۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ نہ صرف نظم و نسق کے اعلیٰ معیار کے لحاظ سے بلکہ تحقیق و تسخیر کے لحاظ سے بھی اسلامی مملکت کا روئے زمین پر کوئی ثانی نہیں تھا۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ جب یورپ جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا، مسلمان اجرامِ فلکی پر کمندیں ڈالنے میں مصروفِ عمل تھے۔ لیکن پھر جب یہ اسلامی مملکت اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی حدود سے تجاوز کرنے لگی تو زوال کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گری اور بالآخر ایسا وقت آ گیا جب مسلمان قوم عملاً غلام بن کر رہ گئی۔

دوسری جنگِ عظیم کے بعد مسلمان برسوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے لگے۔ اور حالات نے ایسی کروٹ لی کہ مسلمانوں میں سیاسی آزادی کا شعور زور پکڑنے لگا۔ جب تک مسلمان استعماری طاقتوں کے غلام رہے تب تک وہ تہذیبی اور تمدنی طور پر بھی زوال پذیر ہی رہے۔ بیسویں صدی میں آہستہ آہستہ مسلمانوں نے اپنے انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو جاری و ساری رکھنے کا فیصلہ کیا۔ اسی احساس کے پیشِ نظر نظامِ حیات اور اسلامی ریاست کے قیام کے عوامی مطالبے نے زور پکڑا۔

اس وقت کم و بیش چھپن اسلامی ممالک جغرافیائی اور عالمی منشور کے لحاظ سے آزاد ہیں۔ کچھ ممالک برائے نام مسلمان ہیں اس لیے کہ وہاں نہ تو اسلامی معاشرے کے اوصاف نظر آتے ہیں اور نہ ہی عوامی فلاح و بہبود کے لحاظ سے انہیں مثالی کہا جا سکتا ہے البتہ کچھ ممالک ایسے ضرور ہیں جہاں اسلامی تشخص نظر آتا ہے۔ البتہ ان ریاستوں کو صحیح معنوں میں اسلامی ریاستیں بنانے کے لیے کوششیں جاری ہیں۔

تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ جب تک مسلمان استبدادی اور استعماری قوتوں کے غلام رہے تب تک وہ اپنی اجتماعی زندگی میں تو اسلامی نظریہ حیات پر کماحقہ عمل نہ کر سکے البتہ ان کے اندر ایمان کی چنگاری فروزاں رہی

اور وقت آنے پر وہ شعلۂ جوالہ بن گئی تاہم آزادی کے ساتھ ہی کچھ ایسے عناصر در آئے جو اسلامی نظریہ حیات کی روح سے میل نہیں کھاتے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان ملک میں بھی اسلامی ریاست کے مطالبے نے زور پکڑ لیا حالانکہ مسلمان ممالک کو تو فطری طور پر ہی اسلامی ریاست ہونا چاہیے اور اس کی تمام تر توانائیاں اسلامی ریاست کے فروغ کے لیے ہی صرف ہونی چاہییں۔ لیکن بدقسمتی سے ایسی صورتِ احوال ہمیں نظر نہیں آتی۔ اس کی بڑی بڑی وجوہات درج ذیل ہیں۔

ا۔ اکثریت کا حقیقی اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ ہونا۔

ب۔ برسرِ اقتدار حکمرانوں کا مغربی طاقتوں سے مرعوب ہونا۔

ج۔ جدید تعلیم یافتہ طبقے کا اسلامی تعلیمات سے دور ہونا۔

د۔ مسلمانوں کا فروعی اختلافات میں الجھے رہنا۔

ہ۔ اجتہادی طاقتوں کا پس منظر میں چلے جانا۔

و۔ مغرب کے پیدا کردہ تعصبات کا فروغ پانا۔

ز۔ سائنسی، تحقیقی اور علمی لحاظ سے پس ماندہ ہونا۔

ح۔ مغرب زدہ نظام ہائے تعلیمات کا جاری رہنا۔

ط۔ حقیقی اسلامی تعلیمات کو ازکارِ رفتہ سمجھنا۔

ی۔ باہمی اتحاد و یگانگت اور معاونت کا ناپید ہونا۔

یہی وہ عناصر ہیں جو اسلامی ریاست کے قیام میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ ان رکاوٹوں کو دور کرنے کا احسن طریقہ یہی ہو سکتا ہے کہ وسیع پیمانے پر حقیقی اسلامی تعلیمات کو پھیلایا جائے اور نئی نسل کی ایسی تعلیم و تربیت کی جائے کہ وہ ذہنی قلبی اور روحانی طور پر آزاد ہوں۔ انہیں ایمان توکل، قناعت، عملِ پیہم اور تسخیر کائنات کے بھولے ہوئے سبق یاد دلائے جائیں تاکہ وہ مسلمانوں کے سوادِ اعظم کے جذبات و احساسات کا احترام کرتے ہوئے میدانِ عمل میں نکلیں اور خداداد صلاحیتوں کو مثبت طریقے سے استعمال میں لاتے ہوئے اپنے اندر ایسی قیادت کو اُبھاریں جو اسلامی ریاست کے قیام کی ضامن بن جائے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اکثر مسلمان ممالک میں ایسی تحریکیں جنم لے رہی ہیں جو اسلامی ریاست کے قیام کی طرف حکمرانوں کو سوچنے پر مجبور کر رہی ہیں۔ ان ممالک میں ترکی، ملائیشیا، بنگلہ دیش، ایران، مصر، شام، عراق، پاکستان اور مشرقِ

وسطی کے دیگر ممالک شامل ہیں۔ امید کی جانی چاہیے کہ وہ دن دور نہیں جب اسلامی ریاست کے قیام کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوگا۔ جس میں:

i- قانونِ خداوندی کی بالادستی ہوگی، اس لیے کہ حاکمیت صرف اللہ ہی کی ہوتی ہے۔

ii- ریاست کے کمزور ترین شخص سے لے کر سب سے زیادہ طاقتور شخص تک قانون سب کے لیے برابر ہوگا اور لوگوں کے درمیان عدل قائم ہو جائے گا۔

iii- رنگ و نسل اور حسب و نسب کے تمام امتیازات ختم ہو جائیں گے اور مساوات کا عملی مظاہرہ ہوگا۔ فضیلت کا معیار تقویٰ ہوگا۔

iv- حکمران راعی ہوں گے اور ان کا احتساب ہو سکے گا۔ وہ اقتدار کو امانت سمجھیں گے اور حتی المقدور امانت میں خیانت نہیں کریں گے۔

v- ریاست میں شورائیت کا نظام قائم ہو جائے گا اس لیے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے باہمی مشاورت سے معاملات حل کرنے کی تدبیر سکھائی ہے۔

vi- تمام لوگ اطاعت فی المعروف کے قاعدے پر عمل کریں گے، اس لیے کہ اللہ کی نافرمانی میں کوئی اطاعت نہیں۔

vii- اقتدار کو ذمہ داری اور امانت سمجھا جائے گا اور اس کی طلب ممنوع قرار پائے گی اس لیے کہ اقتدار طلب کرنے والا خائن ہی ہوتا ہے۔

viii- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نظام نافذ ہوگا اس لیے کہ اس کے بغیر اسلامی ریاست کا حسن قائم ہی نہیں رہ سکتا۔

ix- تسخیر کائنات کا عمل شروع ہو جائے گا کیونکہ یہ زمین و آسمان اللہ رب العزت نے انسانوں کے لیے مسخر کر دیے ہیں۔ ان میں انسانوں کی ضرورتوں کے خزانے پوشیدہ ہیں۔ اسلامی ریاست میں ایسا نظامِ تعلیم فروغ پائے گا جس کے فارغ التحصیل تسخیرِ کائنات کا فریضہ سرانجام دینے کے اہل ہوں گے۔

x- عمومی فلاح و بہبود کے ذریعے کوئی ذی روح اسلامی مملکت میں نہ تو بے یار و مددگار رہ سکتا ہے اور نہ ہی بھوکا اور پیاسا، اس لیے اسلامی ریاست میں سب کی بنیادی ضرورتیں پوری ہوں گی۔

درج بالا اوصاف کی حامل اسلامی ریاست کے قیام کے لیے کوششوں کو درج ذیل شعبوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

ا۔ تعلیمی کاوشیں	ب۔ اجتہادی کاوشیں
ج۔ معاشی کاوشیں	د۔ معاشرتی کاوشیں
ہ۔ عدالتی کاوشیں	و۔ سائنسی کاوشیں

نئے پیش آمدہ مسائل کو اجتہاد کے ذریعے حل کیا جائے۔ امت مسلمہ کا کوئی فرد جاہل اور ان پڑھ نہ رہے۔ معاشی اورمعاشرتی ناہمواریاں ختم ہو جائیں۔ سائنسی اور تحقیقی لحاظ سے قوم ترقی کرے۔ قرآن و حدیث کی روشنی میں قانون سازی ہو اور عاملہ اس پر دیانتداری سے عمل کروائے اور اگر کہیں قانون کی خلاف ورزی ہو تو عدالتوں میں انصاف ہوتا نظر آئے۔

اس ملک میں اسلامی یا مثبت تبدیلی کس طرح پیدا کی جائے، اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مندرجہ ذیل تجاویز پیش خدمت ہیں۔

ایمان کی تازگی

اس کار عظیم کے لیے مسلمانوں کو خود تیاری اور اپنے اندر تبدیلی پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے پہلی تیاری یہ ہے کہ مسلمان اسلام پر نیا اور تازہ ایمان لائیں۔ اسلام کو نئے دین، نئے پیغمبر، نئی شریعت اور نئی تعلیم کی قطعاً ضرورت نہیں۔ اسلام آفتاب کی طرح نہ کبھی پرانا تھا اور نہ اب پرانا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت دائمی اور آخری نبوت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین محفوظ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات زندہ ہیں لیکن نئے فتنوں، نئی طاقتوں، نئی ترغیبات اور نئی دعوتوں کا مقابلہ کمزور ایمان اور مجروح رسوم و عادات سے نہیں کیا جاسکتا۔ مسلمانوں کو موجودہ مادہ پرستی اور شک و اضطراب پر فتح حاصل کر کے اپنے اندر نئی ایمانی روح، تازہ یقین اور تازہ جوش و خروش پیدا کرنا ہوگا۔

شعور کی تربیت

کسی قوم کے لیے سب سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ وہ صحیح شعور سے خالی ہو۔ مسلم ممالک کے متعلق اگر یہ کہا جائے کہ ان کے عوام کا شہری، تمدنی اور سیاسی شعور انتہائی کمزور ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ خیر خواہ اور بدخواہ کے ساتھ ان کا معاملہ تقریباً یکساں ہے۔ ان کا حافظہ نہایت کمزور ہے وہ اپنے قائدین اور رہنماؤں کے ماضی کو اور ماضی قریب کے واقعات کو فوراً بھول جاتے ہیں ان کا سیاسی شعور تقریباً ناپید ہے یہی وجہ ہے کہ وہ غالب قوموں اور خودغرض رہنماؤں کا بازیچہ اطفال بنے ہوئے ہیں۔ حکومتیں ان کی مرضی کے خلاف فیصلے کرتی رہتی ہیں۔ مسلمانوں کی بڑی خدمت یہ ہوگی کہ ان کے مختلف طبقات میں صحیح شعور پیدا کیا جائے اور جمہور کی عقلی، مدنی اور سیاسی تربیت کی جائے۔

خودغرضی اور نفس پرستی سے چھٹکارا

خودغرضی اور انانیت شخصی ہو یا خاندانی، جماعتی ہو یا طبقاتی قوموں کی زندگی کے لیے ایک غیر طبعی چیز ہے جس سے پہلی فرصت میں چھٹکارا حاصل کرنا ہے۔ دنیا کا مستقبل اب صرف عدل پسند، رحم دل اور متوازن اسلام کے ساتھ وابستہ ہے۔ اسلام میں اس طرح کی انانیت اور خودغرضی کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس میں شخصی برتری یا خاندانی برتری اور خودغرضی کو قدم رکھنے کی جگہ نہیں جو آج بعض مشرقی قوموں اور اسلامی ملکوں میں پائی جاتی ہے۔

صنعتی اور جنگی تیاری

مسلمان اگر اسلامی ریاست کی خواہش رکھتے ہیں اور اسلام کے پیغام کی اشاعت ان کا مقصود ہے تو اس کے لیے ممتاز قوت اور تربیت، صنعت و علوم، تجارت اور فن حرب میں مکمل تیاری کی ضرورت ہوگی۔ زندگی کے ہر شعبہ اور اپنی ہر ضرورت میں مغرب سے مستغنی اور بے نیاز ہونا پڑے گا۔ جب تک مسلمان علم و سیاست اور صنعت و تجارت میں مغرب کے محتاج رہیں گے مغرب ان کا خون چوستا رہے گا۔ اس علمی و صنعتی شعبہ میں کوتاہی کا نتیجہ ہے کہ مغرب اب مسلمان دنیا پر مسلط ہے اور اس کو تباہی، غارت گری، قتل و خون ریزی اور خودکشی میں مبتلا کر دیا ہے۔

نئی علمی تنظیم

اگر مسلمانوں کی خواہش ہے کہ وہ نئے سرے سے اپنی زندگی کا آغاز کریں اور غیروں کی غلامی سے آزاد ہوں تو

اس کے لیے محض تعلیمی خودمختاری کافی نہ ہوگی بلکہ علمی قیادت بھی بہت ضروری ہے اور یہ کوئی آسان کام نہیں۔ یہ مسئلہ بہت گہرے غور و فکر کا محتاج ہے۔ اس کے لیے ضرورت ہے کہ وسیع پیمانہ پر تصنیف و تالیف اور علوم کی تدوین جدید کا کام شروع کیا جائے اس کام کے سربراہ کار عصری علوم سے اتنی واقفیت اور گہری بصیرت رکھتے ہوں جو تحقیق و تنقید کے درجے تک پہنچی ہو اور اس کے ساتھ اسلام کے اصلی سرچشموں سے پورے طور پر سیراب ہوں اور اسلامی روح سے ان کا قلب و نظر معمور ہو اس مقصد کے لیے منظم ادارے قائم کرنے ہوں گے اور ایسے ماہرین فن کا انتخاب کرنا ہوگا جو ہر فن میں دستگاہ رکھتے ہوں۔

مشق

ا۔ درج ذیل سوالات کے جوابات تحریر کریں۔

ا۔ اسلام نے نظامِ حکومت کا کون سا تصور پیش کیا ہے؟

ب۔ کیا تمام مسلمان ملک اسلامی ریاستیں ہیں؟ بحث کریں۔

ج۔ اسلامی ریاست کے قیام میں کون کون سی رکاوٹیں حائل ہیں؟

د۔ حقیقی اسلامی ریاست کے کیا اوصاف ہوتے ہیں؟

ہ۔ اسلامی ریاست کے قیام کے لیے ممکنہ کوششوں پر روشنی ڈالیں۔

سوال 2: دیے گئے الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔

معرفتِ الٰہی ، ریاست ، مدینہ ، حاکمیت ، نائب ، حقوق ، نہی عن المنکر

ا۔ اللہ کی زمین پر اللہ ہی کی ______ قائم ہونی چاہیے۔

ب۔ اسلام میں حکومت اور ______ دو جڑواں بھائی ہیں۔

ج۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ______ میں اسلامی ریاست قائم فرمائی۔

د۔ تسخیرِ کائنات کا سفر ______ پر منتج ہوتا ہے۔

ہ۔ اسلام نے امر بالمعروف اور ______ کا واضح نظام دیا ہے۔

و۔ انسان کی حیثیت زمین پر ______ کی ہے۔

ز۔ دینِ اسلام نے آجر و اجیر کے ______ مقرر کر دیے ہیں۔

سوال 3: درست جملوں کے سامنے ✓ اور غلط کے سامنے X کا نشان لگائیں۔

i- مسلمان حکمران خود مختار ہوتا ہے۔

ii- اسلام نے سود اور جوئے کی حرمت قائم کی ہے۔

iii- اسلامی ریاست ہمہ گیر ہوتی ہے۔

iv- جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت ریاست کی ذمہ داری نہیں ہوتی۔

v- مسلمانوں کی علمی پسماندگی بھی اسلامی ریاست کے قیام میں رکاوٹ ہے۔

vi- اسلام صرف مسلمانوں کے حقوق کو تحفظ دیتا ہے۔

vii- اٹھارویں صدی عیسوی میں مسلمانوں نے آزادی حاصل کر لی تھی۔

viii- پہلی جنگِ عظیم میں مسلمانوں نے فتح حاصل کر لی۔

ix- تمام مسلمان ممالک میں اسلامی ریاستیں قائم ہیں۔

x- موجودہ دور میں تمام مسلمان ممالک باہمی اتحاد میں منسلک ہیں۔

سرگرمیاں

i- بیس اسلامی ملکوں کے نام تحریر کریں۔

ii- ایسے اسلامی ملکوں کے نام لکھیں جہاں کفار کی جانب سے دہشت گردی کا بازار گرم ہے۔

iii- اسلامی ریاست میں نوجوانوں کے کردار پر بحث کریں۔

iv- چند بڑی بڑی اسلامی تحریکوں کے نام لکھیں۔

awazeinqilab.com

باب پنجم

عصرِ حاضر اور اسلامی ریاستیں

تدریسی مقاصد

اس سبق کا مقصد طلبہ اور طالبات کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ:

1. اسلام کے تصورات سے آگاہ ہو کر عصرِ حاضر کے ان مسائل کو حل کر سکیں جو امت مسلمہ کو درپیش ہیں۔
2. مسلم ممالک اور غیر مسلم ممالک میں اقامت و سکونت کے حدود اور آداب جان سکیں۔

غیر مسلم ریاستوں میں مسلمانوں کی دینی، سماجی اور ثقافتی مشکلات اور ان کا حل؛

اس وقت کم و بیش کرۂ ارضی پر 188 آزاد اور خود مختار مملکتیں موجود ہیں۔ ان میں سے 57 ممالک مسلمان ہیں۔ زیادہ تر مسلمان ممالک براعظم ایشیا میں پائے جاتے ہیں۔ ان میں سعودی عرب، عراق، کویت، پاکستان، ترکی، ملائشیا، انڈونیشیا زیادہ اہم ہیں۔ اس کے بعد براعظم افریقہ کا نمبر آتا ہے جہاں مسلمان ملکوں کی تعداد زیادہ ہے۔ ان میں سوڈان اور مراکش زیادہ اہم ہیں۔ دنیا کا کوئی براعظم ایسا نہیں ہے جہاں مسلمان نہ بستے ہوں۔ بعض غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کی تعداد کافی زیادہ ہے اور بعض میں نسبتاً کم تعداد میں مسلمان آباد ہیں۔ براعظم یورپ میں واحد اسلامی ریاست بوسنیا ہے۔

غیر مسلم ریاستوں میں مسلمانوں کو مختلف النوع مسائل کا سامنا ہے، لیکن ان میں دینی، سماجی اور ثقافتی مشکلات زیادہ اہم ہیں۔

i۔ دینی مشکلات

جن غیر مسلم ممالک میں مسلمان اقلیت میں ہیں انہیں کئی قسم کی مشکلات درپیش ہیں لیکن ان میں دینی اور مذہبی نوعیت کی مشکلات سرِ فہرست ہیں۔ ایسے ممالک میں مسلمان اپنی مذہبی عبادات زیادہ آزادی سے ادا نہیں کر سکتے۔ مثلاً جہاں مسلمانوں کی آبادی بکھری ہوئی ہوتی ہے وہ پانچ وقت کی نماز بھی باقاعدگی سے مساجد میں ادا نہیں کر سکتے۔ مساجد یا تو سرے سے ہیں ہی نہیں یا پھر گھر سے اتنی دور ہیں کہ وہاں پانچ وقت جانا محال ہوتا ہے۔ اسی طرح عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کے جانور آسانی سے دستیاب نہیں ہوتے اور اگر مسلمان کہیں سے بندوبست کر بھی لیں تو ان کو ذبح کرنے میں مشکلات آتی ہیں۔ علاوہ ازیں قربانی کا گوشت تقسیم کرنے میں بھی کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ رمضان المبارک کے مہینے میں سحر و افطار کے اوقات کے وقت افطاری و سحری کے اعلانات نہیں ہو سکتے۔ عیدین کی نمازیں بھی دور دراز جا کر ادا کرنی پڑتی ہیں کیونکہ مسلمانوں کی آبادی کم بھی ہوتی ہے اور بکھری ہوئی بھی ہوتی ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت بھی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر مستحق مسلمان قریبی ہمسائے میں نہ ملیں تو زکوٰۃ کے پیسے دور دراز علاقوں میں ان تک پہنچانا پڑتے ہیں۔ دینی مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لیے ضروری ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سکے مسلمانوں کو چاہیے کہ ایک ساتھ یعنی ایک ہی علاقے میں رہیں تاکہ مذہبی عبادات و رسومات کی ادائیگی میں کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے اور مسلمان اپنے مذہبی فرائض خوش اسلوبی اور اطمینانِ قلب سے ادا کر سکیں۔

ii۔ سماجی مشکلات

غیر مسلم ریاستوں میں مسلمانوں کو کئی قسم کی سماجی مشکلات یعنی معاشرتی مشکلات کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چونکہ مسلمانوں کا سماج کافی حد تک ان کے مذہب سے جڑا ہوا ہوتا ہے اس لیے معاشرتی و سماجی سرگرمیوں میں کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور مسلمان چاہتے ہوئے بھی ان سے صرفِ نظر نہیں کر سکتے۔ مثلاً کھانے پینے کی اشیاء میں مسلمان حلال حرام کا بے حد خیال رکھتے ہیں جبکہ غیر مسلم جو چاہیں اور جیسے چاہیں کھا پی جاتے ہیں۔ چنانچہ معاشرتی اجتماعات میں انہیں دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح شادی بیاہ کے امور کی ادائیگی میں بھی کئی مسائل آتے ہیں۔ مثلاً جوان مسلمان لڑکے اور لڑکیوں کا اختلاط، مناسب مسلمان رشتوں کی عدم دستیابی وغیرہ چونکہ حکومتِ وقت مسلمانوں کی نہیں ہوتی اس لیے وہ بھی ان مسائل کے حل میں خاصی ناکام رہتی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ امدادِ باہمی کے اصولوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے

مختلف علاقوں میں کیمونٹی ہال تعمیر کروائیں یا حکومتوں پر مناسب انداز میں واضح کریں کہ انہیں کون کون سی سہولتیں درکار ہیں۔

یہ بات باعثِ تشویش ہے کہ بعض ترقی یافتہ ممالک میں مسلمانوں کو سماجی حقوق حاصل نہیں ہیں۔ 9 ستمبر 2001ء کے واقعہ کے بعد دنیا بھر کے غیر مسلم ممالک خصوصاً یورپ و امریکہ میں مسلمان زیرِ عتاب آ گئے اور اب دیندار مسلمانوں کی معمولی معمولی باتوں پر تلاشی لی جاتی ہے، ان کو تفتیشی سینٹروں کے چکر لگانے پڑتے ہیں، ان کو شک کی نظر سے دیکھا جاتا ہے حتی کہ ان کے فون بھی ریکارڈ کیے جاتے ہیں اور ان کی نجی زندگی میں بے جا مداخلت کی جاتی ہے۔

iii۔ ثقافتی مشکلات

غیر مسلم ریاستوں میں مسلمانوں کو ثقافتی مشکلات کا بھی سامنا ہے جس کی وجہ سے انہیں بسا اوقات اپنی ثقافت سے منہ موڑنا پڑتا ہے۔ اس میں لباس، زبان، خوراک، رہائش اور خاندان کے دیگر امور شامل ہیں۔ مثلاً مسلمان لباس کو صرف زیبائش کے لیے استعمال نہیں کرتے بلکہ اس کا اصل مقصد ستر پوشی ہوتا ہے جبکہ غیر مسلم ریاستوں میں لباس محض حسن و زیبائش کا ذریعہ بن کر رہ گیا ہے۔ غیر مسلم ریاستوں میں مسلمان خاندان اپنے بچوں اور بچیوں کو نظامِ تعلیم کے مخلوط اداروں میں بھیجنے پر مجبور ہیں کیونکہ اس کے سوا حصول علم کا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ اسی طرح عام روزمرہ زندگی میں مرد و عورت کا سرِ عام میل جول اسلامی ثقافت کے مطابق درست نہیں اور مسلمان اسے دل سے ناپسند کرتے ہیں۔ روزمرہ زندگی کے معمولات سے لے کر شادی بیاہ کے امور تک مسلمان اپنی ثقافت کو زندہ رکھنے کے سلسلے میں مشکلات سے دوچار ہیں۔ بہت سے غیر ممالک نے خواتین کے پردے پر پابندی عائد کر رکھی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلم ریاستیں اپنے بھائیوں کی دینی، سماجی اور ثقافتی مشکلات کے حل کے لیے آگے بڑھیں اور ایسا لائحہ عمل تیار کریں جس سے ان کی مذہبی سماجی اور ثقافتی اقدار کو فروغ ملے۔ اس ضمن میں مسلمان ممالک کی تنظیم او آئی سی (OIC) نہایت اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ اس لیے اسے فعال بنانے کی ضرورت ہے۔

پاکستان بطورِ مسلم ریاست

اسلامی جمہوریہ پاکستان جنوبی ایشیا میں واقع ہے۔ پاکستان کے مشرق میں بھارت، شمال میں چین اور مغرب میں افغانستان اور ایران واقع ہیں۔ پاکستان کا مطلب ہے پاک لوگوں کے رہنے کی جگہ اور یہ نام چوہدری رحمت علی نے 1933 میں تجویز کیا تھا۔ 1947 سے پہلے پاکستان بھارت اور بنگلہ دیش برطانوی کالونی کا حصہ تھے۔ یہ برصغیر اور ہندوستان کے نام سے جانے جاتے تھے۔ ہندوستان کی آزادی کی تحریک کے دوران ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنے لیے ایک علیحدہ ملک کا مطالبہ کیا۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ اس تحریک کا مقبولِ عام نعرہ تھا۔ اور اسی نعرے کی گونج میں پاکستان وجود میں آیا۔ پاکستان کی تحریک کے اندر اسلامی روح شامل تھی۔ برصغیر پاک و ہند کے مسلمان دین کی بنیاد پر دیگر مسلم ممالک سے گہری محبت رکھتے ہیں۔ پاکستان کے لوگ اکثر مقامات پر اپنی اسی محبت کا مظاہرہ کر چکے ہیں۔ تحریکِ پاکستان کے آغاز ہی سے مسلمانوں نے دیگر مسلم ممالک کے لیے اپنی روایتی پالیسی پر ہی عمل کیا۔

تقسیمِ ہندوستان کے بعد بھی پاکستان کی تمام حکومتیں اور عوام دیگر اسلامی ممالک سے اچھے تعلقات کے خواہاں ہیں۔ پاکستان نے مشکل کی ہر گھڑی میں دنیا کے دوسرے مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ چاہے وہ فلسطین کے مسلمان ہوں یا تیونس، مراکش، سوڈان یا کشمیر کے۔

پاکستان نے بحیثیت مسلمان ریاست دیگر دنیا کے مسلمانوں کی ہر جائز اخلاقی و سیاسی مدد کی۔ پاکستان نے شروع ہی سے فلسطین و کشمیر کے مسلمانوں کی آزادی کے حق میں پالیسی وضع کی اور اسی پالیسی پر چلتے ہوئے بھارت اور اسرائیل کے عزائم کی مذمت کی۔

OIC دنیا میں مسلم ممالک کا سب سے بڑا فورم ہے۔ پاکستان کی ہمیشہ سے خواہش رہی ہے کہ OIC عالمِ اسلام کے معاشی، سیاسی، تکنیکی اور سائنسی معاملات میں مدد کرے۔ اور مسلمانوں کے اتحاد کے لیے قابلِ عمل اقدامات کرے۔ پاکستان کے تمام مسلم ممالک سے اچھے تعلقات ہیں اور اس کے عوام تمام دنیا کے مسلمانوں سے گہری محبت رکھتے ہیں۔ 712ہجری میں پاکستان کی ایک اسلامی ریاست کے طور تشکیل کی پہلی اینٹ اسی وقت رکھ دی گئی تھی جب پہلے مسلمان سپہ سالار محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کی سرزمین پر قدم رکھا اور مسلمان خواتین اور بچوں کو راجہ داہر کی قید سے آزاد کر کے پہلی مسجد تعمیر کی۔ پاکستان کے بانی قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ نے فرمایا ”پاکستان کی تحریک کا آغاز اسی دن ہو گیا تھا جب برصغیر میں پہلا شخص مسلمان ہوا تھا۔“

awazeinqilab.com

پاکستان کی تحریک، تشکیل، اور سیاسی حالت

تحریکِ پاکستان و تشکیل پاکستان

سن 711 عیسوی میں اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دور میں محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے سندھ پر حملہ کیا اور علاقے کو فتح کرلیا اور یوں برصغیر دنیا کی سب سے بڑی عرب ریاست کا حصہ بن گیا جس کا دار الحکومت دمشق، زبان عربی اور مذہب اسلام تھا۔ اس طرح یہ علاقہ سیاسی، مذہبی اور ثقافتی طور پر عرب دنیا سے مربوط ہوگیا۔ اس واقعے نے برِصغیر اور جنوبی ایشیا کی تاریخ پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

1206ء سے لے کر 1857ء تک برصغیر پر مسلمانوں کی حکومت رہی۔ اسی دوران آہستہ آہستہ انگریز ہندوستان پر قابض ہو گئے۔ 1857ء میں ہندوؤں اور مسلمانوں نے مل کر انگریزوں کو ملک سے نکالنے کے لیے جنگ کی، جسے جنگِ آزادی کا نام دیا گیا لیکن ناکامی ہوئی۔ 1857ء کی جنگِ آزادی مسلمانوں کے جذبۂ حریت کا کھلا مظاہرہ تھا۔ ناقص تنظیم اور وسائل کی کمی اور کسی متفقہ رہنما کے بغیر مسلمان اس جنگِ آزادی میں ناکام ہو گئے۔ اس نازک وقت پر سرسید احمد خان نے برِصغیر کے مسلمانوں کو آگہی اور علم کی روشنی و اہمیت سے روشناس کرایا۔ انہوں نے طاقت کو تعلیم سے جوڑا اور یہ بات واضح کی کہ مسلمانوں کی معاشی، معاشرتی اور سیاسی زبوں حالی کا واحد علاج تعلیم ہے۔ انہوں نے واضح کیا کہ مسلمان جدید تعلیم سے آراستہ ہو کر ہی انگریزوں اور ہندوؤں کے غلبے سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔ انہوں نے ایک علیحدہ اسلامی ریاست کے تصور کی بنیاد رکھی۔ انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کو آمادہ کیا کہ وہ ایک علیحدہ اسلامی ریاست کے قیام کے لیے متحد ہو جائیں تا کہ ان کے تمام معاملات قرآن و سنت کی روشنی میں طے ہوسکیں۔

1885ء میں کانگریس کی بنیاد کے بعد اکثر مسلمان رہنما اس میں شامل ہوئے مگر بعد ازاں ان پر یہ بات واضح ہو گئی کہ کانگریس صرف ہندوؤں کی نمائندہ جماعت ہے۔ اس وقت مسلمانوں کو ایک علیحدہ سیاسی جماعت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ 1906ء میں مسلم لیگ کا قیام عمل میں آیا جو بعد میں مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت کے طور پر سامنے آئی۔ مولانا حسرت موہانی نے ایک منصوبہ پیش کیا جس میں برِصغیر کو دو ریاستوں میں تقسیم کرنے کی بات کی گئی تھی۔

مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور مولانا ظفر علی خان نے پاکستان کے تصور کو اخبارات میں مضامین کے ذریعے عام کر دیا۔ تاہم سب سے قابلِ قدر کارنامہ عظیم شاعر اور فلسفی علامہ اقبال نے سرانجام دیا۔ انہوں نے اپنی شاعری

کے ذریعے پاکستان کے قیام کو ناگزیر بنادیا۔ اسلام ہی نظریۂ پاکستان کی بنیاد بنا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے ایک اجلاس سے جو الٰہ آباد میں منعقد ہوا علامہ اقبال نے خطاب کرتے ہوئے پہلی بار ایک علیحدہ اسلامی ریاست کا تصور پیش کیا۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال کو مصورِ پاکستان بھی کہا جاتا ہے۔

1937ء سے قائدِ اعظم محمد علی جناح (جو کہ ایک عظیم شخصیت کے مالک تھے) نے مسلمانوں کے علیحدہ ملک کی جدوجہد کی ذمہ داری سنبھالی۔ انہوں نے برصغیر کے تمام مسلمانوں کو متحد کیا اور ان پر یہ بات واضح کی کہ مسلمان مصیبت میں کبھی نہیں گھبراتا۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمانانِ ہند نے قائدِ اعظم کو اپنا رہنما منتخب کیا اور ان کی ہر بات پر لبیک کہا۔

قائدِ اعظم کے آنے کے بعد تحریکِ پاکستان نے بہت تیزی سے مقبولیت پائی اور کامیابی کے تمام مراحل عبور کرگئی۔ انہوں نے واضح کیا کہ کانگریس کے عزائم نے مسلمانوں کے لیے کوئی اور راستہ نہیں چھوڑا سوائے اس کے کہ وہ ایک علیحدہ آزاد اسلامی ریاست کے قیام کی جدوجہد کریں۔ 23 مارچ 1940ء کو لاہور میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں قراردادِ پاکستان منظور ہوئی۔

ایک انتھک اور جذبہ ایثار سے لبریز تحریک کے بعد بالآخر 14 اگست 1947 کو پاکستان ایک اسلامی ریاست کے طور پر وجود میں آیا۔

پاکستان کی سیاسی حالت

ہندوستان کی تقسیم کے وقت انگریزوں نے کچھ ایسے سقم چھوڑے جنہوں نے پاکستان کی ترقی اور سیاسی مضبوطی کو شدید نقصان پہنچایا۔ اسی وجہ سے ہندوستان سے 1948ء اور 1965ء میں دو جنگیں صرف کشمیر کے مسئلے کی وجہ سے لڑی جاچکی ہیں۔ پاکستان میں بہنے والے تمام دریا مقبوضہ کشمیر سے گزر کر آتے ہیں۔ 1960ء میں سندھ طاس معاہدے میں پاکستان کو تین دریاؤں راوی، بیاس اور ستلج سے ہاتھ دھونا پڑا۔ جبکہ دریائے سندھ، چناب اور جہلم پر پاکستان کے حق کو تسلیم کرلیا گیا۔

1948ء میں قائدِ اعظم کی وفات ہوگئی۔ ان کے بعد حکومت لیاقت علی خان کے ہاتھ میں آئی۔ 1951ء میں لیاقت علی خان کو شہید کر دیا گیا۔ 1951 سے 1958ء تک کئی حکومتیں آئیں اور ختم ہوگئیں۔ 1956ء میں پاکستان میں پہلا آئین نافذ ہوا۔ اس کے باوجود سیاسی بحران کا نتیجہ یہ نکلا کہ 1958ء میں پاکستان میں مارشل لاء لگ گیا۔

awazeinqilab.com

پاکستان میں موجود تمام بڑے آبی ڈیم جنرل ایوب کے دورِ حکومت میں بنائے گئے۔ ایوب دور میں پاکستان میں ترقی تو ہوئی لیکن مشرقی پاکستان میں انتشار کا آغاز ہو گیا۔ 1962ء میں پاکستان کے دوسرے آئین کا نفاذ ہوا مگر مشرقی پاکستان کے حالات آہستہ آہستہ بگڑنے لگے۔ ایوب خان عوامی احتجاج کی وجہ سے حکومت سے علیحدہ تو ہو گئے لیکن جاتے جاتے انہوں نے حکومت اپنے فوجی پیش رو جنرل یحییٰ خان کے حوالے کر دی جو کہ اس کے بالکل ہی اہل نہ تھے۔ 1971ء کے عام انتخابات میں مشرقی پاکستان سے عوامی لیگ کی واضح کامیابی کے باوجود فوجی حکمران نے اقتدار کی منتقلی کی بجائے مشرقی پاکستان میں فوجی آپریشن کو ترجیح دی۔ ہندوستان نے اس صورتِ حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے علیحدگی پسندوں کی بھرپور مالی اور عسکری مدد کی جس کے نتیجے میں آخر کار دسمبر 1971 میں سقوطِ ڈھاکہ ہو گیا اور مشرقی پاکستان ایک علیحدہ ملک کی صورت میں دنیا کے نقشے پر ابھرا۔

1972ء سے لے کر 1977ء تک پاکستان میں پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت تھی۔ ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کے صدر اور بعد ازاں وزیرِ اعظم رہے۔ اس دور میں وطنِ عزیز کی تمام سیاسی جماعتوں کی رضامندی سے 1973ء کا آئینِ پاکستان مرتب اور نافذ العمل کیا گیا۔ اس دور میں سوشلسٹ اور بین الاسلامک (Pan Islamic) عنصر بڑھا۔ اس دور میں پاکستان میں صنعتوں اور اداروں کو قومیا لیا گیا۔ اس دور کے آخر میں حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف میں کشیدگی بڑھ گئی اور اس کے نتیجے میں 1977ء میں دوبارہ مارشل لاء لگ گیا۔

1977ء سے 1988ء تک پاکستان میں مارشل لاء کا دور تھا۔ اس دورِ حکومت میں پاکستان کے حکمران جنرل ضیاء الحق تھے۔ اسی دور میں 1985ء کے غیر جماعتی انتخابات ہوئے اور جونیجو حکومت بنی جسے 1988ء میں ضیا الحق نے برطرف کر دیا۔ 1988ء میں صدرِ مملکت کا طیارہ بہاول پور کے قریب ایک حادثے کا شکار ہو گیا۔ جس میں وہ جاں بحق ہو گئے۔

اس کے بعد 1988ء میں انتخابات ہوئے اور بے نظیر بھٹو کی قیادت میں PPR اور اس کی حلیف جماعتیں اقتدار میں آئیں۔ کچھ عرصہ بعد صدر غلام اسحاق خان نے حکومت کو برطرف کر دیا۔ 1990ء میں نواز شریف کی قیادت میں آئی۔ جے۔ آئی اور اس کی حلیف جماعتیں اقتدار میں آئیں۔ 1993ء میں یہ حکومت بھی برطرف ہو گئی۔

اس کے بعد نئے صدر فاروق لغاری تھے۔ اگلے انتخابات 1993ء میں ہوئے اور ان میں دوبارہ پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت وجود میں آئی لیکن صدر فاروق لغاری نے یہ حکومت بھی برطرف کر دی۔ 1997ء کے انتخابات میں دوبارہ نواز شریف کی قیادت میں مسلم لیگ اور اس کی حلیف جماعتیں اقتدار میں آئیں۔ اس حکومت کے آخری وقت میں

فوجی حلقوں اور حکمرانوں میں کشیدگی بڑھ گئی اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ 1999ء میں دوبارہ فوجی حکومت آ گئی۔ جنرل پرویز مشرف ملک کے چیف ایگزیکٹو بن گئے اور 2001ء میں ہونے والے انتخابات کے بعد وزیرِ اعظم ظفر اللہ خان جمالی بنے۔ 2004ء میں جنرل مشرف نے شوکت عزیز کو وزیرِ اعظم بنانے کا فیصلہ کیا۔ مختصر عرصہ کے لیے چوہدری شجاعت حسین نے وزیرِ اعظم کی ذمہ داریاں سرانجام دیں اور شوکت عزیز کے قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہونے کے بعد وزارتِ عظمیٰ سے مستعفی ہو گئے۔ شوکت عزیز قومی اسمبلی کی مدت 15 نومبر 2007ء کو ختم ہونے کے بعد مستعفی ہو گئے۔ 16 نومبر 2007ء کو سینٹ کے چیئرمین جناب میاں محمد سومرو نے عبوری وزیرِ اعظم کا حلف اٹھایا۔ 2008ء کے عام انتخابات میں پاکستان پیپلز پارٹی سب سے بڑی پارلیمانی پارٹی بن کر سامنے آئی۔ پاکستان پیپلز پارٹی نے بعض دوسری چھوٹی جماعتوں کے ساتھ اتحاد کر کے حکومت بنائی اور متفقہ رائے سے سید یوسف رضا گیلانی کو وزیرِ اعظم پاکستان چن لیا۔

پاکستان بحیثیتِ اسلامی فلاحی ریاست

پاکستان دو قومی نظریے کی بنیاد پر وجود میں آیا تھا۔ برصغیر کے مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ وہ ہندوستان میں بسنے والے دیگر لوگوں سے ہر لحاظ سے ایک الگ قوم ہیں۔ ان کا مذہب، ثقافت، تاریخ اور زندگی کے اغراض و مقاصد دوسرے لوگوں سے مختلف ہیں۔ اس لیے وہ ایک ایسا خطۂ ارضی حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں اقتدارِ اعلیٰ کا اصل مالک اللہ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کی حاکمیت ہو، ملک میں اجتماعی عدل کا نظام قائم ہو اور وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق آزادانہ زندگی بسر کریں۔ اس لیے انہوں نے قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ کی قیادت میں الگ وطن کے قیام کے لیے عظیم جدوجہد کی اور بالآخر یقینِ محکم اور عملِ پیہم کے ذریعے اسلامی دنیا کی سب سے بڑی ریاست کے قیام کا کرشمہ سرانجام دیا جو تاریخِ انسانی میں اپنی مثال آپ تھی۔ برصغیر کے مسلمانوں کی جدوجہد کا اصل مقصد محض الگ وطن کا حصول نہیں تھا اور نہ ہی وہ ایسا ملک چاہتے تھے کہ جہاں زندگی کی بنیادی ضروریات مثلاً خوراک، لباس اور گھر وغیرہ دستیاب ہوں بلکہ وہ تو ایسا ملک قائم کرنا چاہتے تھے جہاں مسلمان اخلاقی اور روحانی تربیت کے ذریعے دنیا میں کامیاب زندگی گزاریں اور آخرت میں بھی کامیابی حاصل کریں۔

پاکستان کے قیام کا مقصد اسے صحیح معنوں میں اسلامی فلاحی مملکت بنانا تھا۔ ایک ایسی اسلامی ریاست جہاں اسلامی شعائر کی پاسداری ہو اور لوگوں کو ایسا ماحول فراہم کیا جائے جہاں وہ اسلامی تعلیمات پر آزادانہ طریقے سے عمل کر سکیں۔

بانئ پاکستان ایک ایسی ریاست کے قیام کے خواہاں تھے جہاں قانون کی حکمرانی ہو اور قانون کی نظر میں سب برابر ہوں۔

awazeinqilab.com

تعصب اور تنگ نظری کے بغیر تمام شہریوں کو انصاف فراہم ہو، غیر مسلم شہریوں کو تمام سماجی حقوق حاصل ہوں اور وہ اپنے مذہب، عقیدے اور مسلک کے مطابق آزادی سے اپنی عبادت گاہوں میں عبادت کرسکیں۔ اس کے علاوہ ان کا مطمحِ نظر یہی تھا کہ ایک ایسی ریاست قائم ہو جائے جہاں تمام شہریوں کو زندگی کی بنیادی سہولتیں دستیاب ہوں۔ ان میں خوراک، لباس، مکان، صحت اور تعلیم کی سہولتیں شامل ہیں۔

پاکستان کے قیام کے مقاصد اور اہداف ان ممالک سے مختلف ہیں جو کسی تاریخی یا جغرافیائی یا سماجی حادثے کی بدولت معرضِ وجود میں آتے ہیں۔ قائدِ اعظم نے قیام پاکستان کے مقاصد کا ذکر درج ذیل طریقے سے کیا تھا؛

"اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم پاکستان حاصل کر چکے ہیں لیکن یہ ہماری جدوجہد کا اختتام نہیں ہے بلکہ ایک نئے مقصد کی طرف سفر کا آغاز ہے۔ ہماری ذمہ داریاں بہت بڑھ گئی ہیں۔ ان کو پورا کرنے کے لیے ہماری کوششوں اور عزائم میں بھی اسی تناسب سے اضافہ ہونا چاہیے۔ ہمارا مقصد صرف یہی نہیں ہونا چاہیے کہ ہم ہر کسی کی ضرورت پورا کریں اور خوف دور کریں بلکہ ہمیں آزادی، اخوت اور مساوات کی ان اقدار کی بھی پاسداری کرنی چاہیے جن کو اسلام نے ہم پر لازم قرار دیا ہے۔"

قائدِاعظمؒ کے فرمودات کی روشنی میں بعد ازاں پاکستان کی دستور ساز اسمبلی نے قراردادِ مقاصد (Resolution Objectives) منظور کی۔ قراردادِ مقاصد میں اس عزم کا اظہار کیا گیا کہ مملکتِ پاکستان جمہوریت، آزادی، رواداری، معاشرتی انصاف اور بھائی چارے جیسے اسلامی اصولوں کی پیروی کرتے ہوئے تمام غیر مسلم پاکستانیوں کو تمام بنیادی حقوق فراہم کرے گی۔ غیر مسلموں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنے مذہب کا تحفظ کرسکیں اور اپنی ثقافت کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ قانون اور انصاف کی بالادستی ہوگی اور عدلیہ کو شہریوں کے بنیادی حقوق کے تحفظ کے لیے بااختیار اور آزاد بنایا جائے گا۔

11 اکتوبر 1947 کو قائدِ اعظم نے ایک اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے جن خیالات کا اظہار فرمایا تھا ان سے بھی صاف عیاں ہوتا ہے کہ ان کے ذہن میں اسلامی فلاحی مملکت کا تصور کتنا واضح اور جامع تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا:

"پاکستان کے حصول کے لیے ہم گذشتہ دس سالوں سے جدوجہد کر رہے تھے۔ اللہ کے فضل سے آج یہ حقیقت بن گئی ہے۔ ہمارے لیے ایک خود مختار ریاست کا قیام بذاتِ خود ایک مقصد نہیں تھا بلکہ اعلیٰ مقصد کے حصول کا ذریعہ تھا۔ ہم چاہتے تھے کہ ہم ایک ایسی ریاست بنائیں جس میں ہم آزاد لوگوں کی طرح سانس لے سکیں۔ اپنی اسلامی ثقافتی روایات کے مطابق زندگی بسر کرسکیں اور سنہری اسلامی اصولوں

کو آزادی سے روبہ عمل آنے کا موقع مل سکے تاکہ معاشرتی انصاف کا بول بالا ہو سکے۔"

پاکستان نے اسلامی فلاحی مملکت کے حصول کے لیے درج ذیل قومی مقاصد کا تعین کیا تاکہ وطن عزیز کے حقیقی مقصدِ قیام کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے جس کے لیے لاکھوں لوگوں نے بے مثال قربانیاں دی تھیں۔

ا۔ عمل پیہم کے جذبے کا فروغ
ب۔ خوراک میں خود کفالت
ج۔ تعلیمی ترقی
د۔ معاشرتی مساوات کا قیام
ہ۔ وسائل کی منصفانہ تقسیم
و۔ عالمی امن و محبت

ا۔ عملِ پیہم کے جذبے کا فروغ

ایک قول ہے کہ جس کا آج گزشتہ کل سے بہتر نہیں وہ تباہ ہوگیا (مقالات حریری)

پاکستان کے قیام کے بعد اسے خوشحال اور توانا بنانے کے لیے ضروری ہے کہ مسلسل محنت کی جائے۔ پاکستان کی تعمیر و ترقی کے لیے مثبت اور تعمیری سرگرمیوں کے ذریعے اپنی صلاحیتوں کو صرف کیا جائے۔ تمام پاکستانی مشاہیر اسی جذبے کے فروغ کی تلقین کرتے رہے ہیں۔ مفکر پاکستان علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے فلسفے کا نچوڑ ہی یہی ہے کہ ہمت کے ساتھ مسلسل آگے بڑھا جائے یہی قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے درج بالا خطاب کا پیغام ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے جو پاکستان کو حقیقی معنوں میں اسلامی فلاحی مملکت بنائے گا۔ پاکستانی عوام اسی جذبے پر کارفرما نظر آتی ہے۔

ب۔ خوراک میں خود کفالت

خوراک انسان کی سب سے بنیادی ضرورت ہے، اس لیے اس میں خود کفالت کے بغیر کسی قسم کی ترقی و خوشحالی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ جس ملک کے عوام کو خوراک ہی دستیاب نہ ہو وہ کبھی بھی ملکی معاملات میں دلچسپی نہیں لیں گے۔ تاحال پاکستان کا شمار ترقی پذیر ملکوں میں ہوتا ہے لیکن قدرت نے ہمیں اپنی نعمتوں سے مالا مال کیا ہوا ہے۔ قدرتی وسائل کا درست استعمال ہی پاکستان سے غربت کے خاتمے کا طریقہ ہے۔ قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس بات پر متفکر رہتے تھے کہ ہمارے دیہاتوں میں غربت بہت زیادہ ہے۔

حکومت غربت کے خاتمے کے لیے سنجیدہ کوششیں کر رہی ہے۔ کافی حد تک خوراک میں خود کفالت بھی حاصل کر لی گئی ہے۔ وہ وقت دور نہیں جب وطن عزیز سے غربت کا خاتمہ ہو جائے گا اور تمام ملکی وسائل کا احسن استعمال ہوگا۔

awazeinqilab.com

ج۔ تعلیمی ترقی

اگرچہ میٹرک تک مفت اور لازمی تعلیم ہمارے آئین کا حصہ ہے لیکن عملی طور پر تاحال اس پر مکمل طور پر عمل درآمد نہیں ہوسکا۔ صرف 59 فیصد پاکستانی خواندہ ہیں۔ لڑکیوں میں خواندگی کی شرح اور بھی کم ہے۔ پاکستان میں پہلی تعلیمی کانفرنس، جو 27 نومبر 1947ء کو کراچی میں ہوئی تھی، کے موقع پر قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیغام کے ذریعے سائنسی اور فنی تعلیم کے حصول پر زور دیا تھا تاکہ آنے والے دنوں میں ہماری اقتصادی حالت مستحکم ہو اور ہمارے لوگوں کی عزتِ نفس مجروح نہ ہو۔ قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے نوجوان نسل کے اخلاق و کردار سنوارنے کے لیے بھی تعلیمی نظام میں تبدیلی لانے پر زور دیا تھا۔ آج بھی اگر ہمارے تعلیمی نظام کا جائزہ لیا جائے تو ان دو عناصر کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔

ا۔ عام تعلیم کی بجائے پیشہ ورانہ فنی اور سائنسی تعلیم کو عام کیا جائے۔

ب۔ تعلیم کے ذریعے نوجوانوں کے اخلاق و کردار میں مثبت رویے پیدا کیے جائیں۔

حکومتِ پاکستان نے حال ہی میں صوبائی اور وفاقی سطح پر فنی تعلیم عام کرنے کا جامع پروگرام مرتب کیا ہے۔ ہائر ایجوکیشن کمیشن کے ذریعے لائق نوجوان نسل کو ملک کے اندر اور باہر مفت اعلیٰ تعلیم فراہم کی جارہی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ عنقریب اس کے اثرات ملک و قوم کے سامنے آنا شروع ہو جائیں گے اور تعلیمی لحاظ سے پاکستان ایک جدید اسلامی فلاحی ریاست بن جائے گا۔

د۔ معاشرتی مساوات کا قیام

پاکستان کے قیام کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ تمام لوگوں کو معاشرتی اور قانونی مساوات حاصل ہو اگرچہ آئینی اور قانونی طور پر کسی کو پاکستان میں استثنیٰ حاصل نہیں ہے لیکن پھر بھی عملی طور پر ہم اکثر مشاہدہ کرتے ہیں کہ بدقسمتی سے کچھ بااثر لوگ معاشرتی طور پر زیادہ اہم اور زیادہ قابلِ عزت خیال کیے جاتے ہیں۔ پاکستان کی قانون ساز صوبائی اور قومی اسمبلیاں ایسی قانون سازی میں سنجیدہ ہیں جس کے مطابق سب کو یکساں معاشرتی اہمیت ملے گی اور پاکستان درحقیقت ایک اسلامی فلاحی مملکت بن کر ابھرے گا۔

ایک موقع پر قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا:

''پاکستان کا آئین ابھی بننا ہے۔ اسے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی بنائے گی۔ مجھے علم نہیں ہے کہ اس

کی اصل صورت کیا ہوگی لیکن میں آپ کو اتنا ضرور بتا سکتا ہوں کہ یہ جمہوری نوعیت کا ہوگا جس میں اسلامی اصولوں کو بنیادی حیثیت دی جائے گی۔ اس لیے کہ یہ اسلامی اصول آج بھی اسی طرح قابلِ عمل ہیں جس طرح آج سے 1300 سال پہلے قابلِ عمل تھے۔ اسلام نے ہمیں مساوات کا درس دیا ہے اور یہ تعلیم دی ہے کہ ہم تمام لوگوں میں عدل وانصاف کریں۔

ہ۔ وسائل کی منصفانہ تقسیم

فلاحی ریاست وہ ہوتی ہے جس میں تمام قدرتی اور ملکی وسائل کی تقسیم کار منصفانہ بنیادوں پر کی جاتی ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ ملکی وسائل کسی خاص طبقے، گروہ یا جماعت کے قبضے میں ہوتے ہیں۔ پاکستان میں قومی وسائل کی منصفانہ تقسیم کے لیے ہر دور میں جامع لائحہ عمل تیار کیے گئے لیکن سب میں کوئی نہ کوئی سقم موجود رہا۔ مزید کوششیں کی جارہی ہیں کہ ملکی وسائل سے سب یکساں مستفید ہوں۔ کوئی طبقہ، فرد یا جماعت احساسِ محرومی کا شکار نہ ہو۔ بلکہ وسائل کی یکساں تقسیم سے لوگوں کی صلاحیتوں میں مزید اضافہ ہوتا ہے وہ زیادہ دلجمعی اور لگن سے کام کرتے ہیں۔ جذبہ حب الوطنی میں بھی نمایاں حد تک مثبت اضافہ ہوتا ہے۔ جس سے قومی سوچ جنم لیتی ہے اور ملک کی نظریاتی سرحدیں زیادہ مستحکم ہو جاتی ہیں۔ جس ملک کی نظریاتی سرحدیں محفوظ ہوں اس کی جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت زیادہ آسان ہو جاتی ہے۔

و۔ عالمی امن ومحبت

فلاحی ریاست خود بھی پرامن رہتی ہے اور عالمی امن ومحبت کی بھی داعی ہوتی ہے۔ فلاحی ریاست میں لوگوں کو ایسا ماحول مُہیا کیا جاتا ہے جس میں پر تشدد اور دہشت گردی کی سرگرمیاں نہ ہوں۔ قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ پرامن ریاست کے خواہاں تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ پاکستان کے باسیوں کو تشدد سے پاک ماحول فراہم کیا جائے تاکہ یہ اپنی خداداد صلاحیتوں کو زیادہ سے زیادہ استعمال کریں اور ملک ترقی کرے۔ ان کی خواہش تھی کہ پاکستان اسلام کا قلعہ بنے تاکہ اس کے بسنے والوں کا نصب العین امن وسلامتی بن جائے کیونکہ مسلمان کی تعریف ہی یہ ہے کہ اس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہتے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے پچھلے چند سالوں سے پاکستان میں دہشت گردی کی کاروائیاں بہت زیادہ ہوگئی ہیں اور اب تک ان کاروائیوں میں چھتیس ہزار لوگ جان بحق ہو چکے ہیں۔ یہ دہشت گردی فلاحی مملکت کے قیام میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔

بحیثیت مجموعی اگر ہم بغور جائزہ لیں تو نہیں کہا جاسکتا کہ پاکستان ایک اسلامی فلاحی مملکت بن چکی ہے لیکن اگر

awazeinqilab.com

اس کے معروضی حالات کا جائزہ لیں تو ہم بآسانی اس حقیقت کا ادراک کر لیں گے کہ پاکستان کے اندر ایک جدید اسلامی فلاحی ریاست بننے کی صلاحیت موجود ہے۔ اگر عام شہری درج ذیل فرائض سرانجام دیں تو ہم بہت جلد اسلامی فلاحی ریاست کا قیام عمل میں لاسکتے ہیں۔

ا۔ قانون کی پابندی کریں اور دوسروں کو قانون کی پاسداری کی تلقین کریں۔

ب۔ تعمیرِ ملت کے لیے کسی قسم کی قربانی اور ایثار سے گریز نہ کریں۔

ج۔ رشوت دینے اور لینے سے احتراز کریں تاکہ میرٹ کی بالادستی ہو۔

د۔ حرص، لالچ اور ہوس اختیار نہ کریں کیونکہ اس سے کرپشن جنم لیتی ہے۔

ہ۔ پرامن اور باہمی اخوت ومحبت والی زندگی گزاریں۔

و۔ زیادہ سے زیادہ بامقصد تعلیم حاصل کریں تاکہ ہماری صلاحیتوں میں اضافہ ہو۔

ز۔ اپنے اخلاق وکردار میں بہتری لائیں تاکہ دوسرے متاثر ہوں اور وہ بھی اچھے کردار کے مالک بن جائیں۔

ح۔ ہمیشہ اپنے کام سے کام رکھیں بلاضرورت دوسروں پر تنقید نہ کریں۔

ط۔ عام انتخابات میں اہل اور ایماندار قیادت کو اعتماد کا ووٹ دیں۔

ی۔ خوداحتسابی کریں تاکہ قومی احتساب کا کلچر پروان چڑھے۔

مشق

سوال 1: درج ذیل سوالوں کے جواب تفصیل سے لکھیں۔

ا۔ غیر مسلم ریاستوں میں مسلمان کن مسائل سے نبردآزما ہیں؟

ب۔ پاکستان کی تشکیل میں کون کون سے محرکات شامل تھے؟

ج۔ کیا پاکستان ایک اسلامی فلاحی ریاست ہے؟

د۔ فلاحی ریاست کے نمایاں خدوخال کیا ہوتے ہیں؟

ہ ذمہ دار شہری کے فرائض بیان کریں۔

سوال 2: درست جملوں کے سامنے (✓) اور غلط کے سامنے (X) کا نشان لگائیں۔

ا۔ سب سے زیادہ اسلامی ممالک براعظم افریقہ میں ہیں۔

ب۔ بوسنیا ایک اسلامی ملک ہے۔

ج۔ مسلمان ہر قسم کا گوشت کھا لیتے ہیں۔

د۔ او۔آئی۔سی مسلم ممالک کی تنظیم ہے۔

ہ۔ بھارت اور اسرائیل پاکستان کے دوست ہیں۔

و۔ پاکستان جغرافیائی حادثے کے طور پر معرضِ وجود میں آیا۔

ز۔ معاشرتی مساوات اسلام کا اصل حسن ہے۔

سوال 3: دیے گئے الفاظ میں سے مناسب الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پر کریں۔

(قلعہ۔ دہشت گردی۔ رسائل۔ آئین۔ عوامی لیگ۔ کشمیر۔ پاسداری۔ کانگرس۔ حصہ۔ کل)

ا۔ قائدِ اعظم نے فرمایا پاکستان کا ______ جمہوری ہوگا۔

ب۔ جس کا آج گذشتہ ______ سے بہتر نہیں وہ تباہ ہوگیا۔

ج۔ چند سال پہلے پاکستان میں ______ نام کی کوئی چیز نہ تھی۔

د۔ پاکستان اسلام کا ______ ثابت ہوگا۔

ہ۔ قدرتی وملکی ______ کی تقسیم منصفانہ ہونی چاہیے۔

و۔ ہمیں اسلامی ______ کی پاسداری کرنی چاہیے۔

ز۔ مشرقی پاکستان میں ______ کو برتری حاصل ہوئی۔

ح۔ پاکستان اور بھارت کا اصل تنازع ______ ہے۔

ط۔ 1885ء میں ______ کی بنیاد رکھی گئی۔

ی۔ قراردِ مقاصد پاکستانی آئین کا ______ ہے۔

awazeinqilab.com

سرگرمی: مندرجہ ذیل چارٹ کو مکمل کریں۔

نمبر شمار	نام اسلامی ملک	آبادی	کرنسی	دارالحکومت
1	پاکستان	تقریباً 18 کروڑ	روپیہ	اسلام آباد
2	ایران			
3	افغانستان			
4	سعودی عرب			
5	ترکی			
6	متحدہ عرب امارات			
7	انڈونیشیا			
8	بنگلہ دیش			
9	سوڈان			
10	مصر			

مندرجہ ذیل چارٹ کو مکمل کریں

باب ششم

عربی زبان و ادب

تدریسی مقاصد

اس سبق کا مقصد طلبہ اور طالبات کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ:

عربی زبان میں اس قدر مہارت حاصل کرلیں تا کہ اسلامی تعلیمات عربی متن میں پڑھ اور سمجھ سکیں۔

عربی زبان کا مطالعہ

اسلام کا سورج طلوع ہونے سے پہلے عربی ادب اپنے عروج پر تھا۔ خصوصاً شاعری میں عربوں کو کمال حاصل تھا اور ہر قبیلہ اپنے شاعروں پر فخر کیا کرتا تھا۔ اور اگر کسی قبیلے کا شاعر نہ ہوتا تو اس کو باعثِ عار سمجھا جاتا تھا۔ عرب اپنے آپ کو باقی تمام لوگوں سے فصیح سمجھتے تھے۔ عرب کا ایک معنی صاف اور واضح زبان والا ہونا بھی ہے اور اس کے مقابلے میں وہ غیر عربوں کو عجم کہتے تھے جس کا معنی ہے گونگا۔ ان حالات میں اللہ تعالٰی نے اپنے آخری رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم کو بھیج کر ان پر قرآن مجید نازل فرمایا جس نے عربوں کی زبانوں کو گنگ کر دیا جو اپنے آپ کو بڑا فصیح کہا کرتے تھے وہ کہنے لگے کہ "یہ کسی شاعر کی شاعری یا جادوگر کی جادوگری یا کاہن کی سجع ہے" (تاریخ الادب العربی، احمد حسن الزیات، ص167 المکتبۃ العلمیہ)

awazeinqilab.com

تعارف:

یہ سورت ترتیب مصحفی کے لحاظ سے قرآنِ مجید کی پہلی سورت ہے اسی لیے اس کو فاتحۃ الکتاب کہتے ہیں۔ اس کے کئی نام ہیں جن میں ام الکتاب، سبع مثانی، وغیرہ شامل ہیں۔ اس سورت کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشادِ گرامی کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ سورت نصف میرے لیے اور نصف میرے بندے کے لیے ہے۔ یہ سورت مکی ہے اور اسکی چھے آیات ہیں۔ نماز کی ہر رکعت میں اس کو پڑھا جاتا ہے۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝٢ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝٣
اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝٤ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝٥
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝٦

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو جہانوں کا رب ہے۔ بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔ روزِ جزا کا مالک ہے۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا نہ ان لوگوں کا جن پر تیرا غصہ ہوا اور نہ گمراہوں کا۔

لغوی وضاحت

[بسم اللہ الرحمن الرحیم] یہ آیت دعائیہ ہے۔ ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ہر کام شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھیں۔ قرآن مجید کی سورۂ توبہ کے علاوہ تمام سورتیں بسم اللہ سے شروع ہوتی ہیں۔

[الحمد] تعظیم کے ساتھ تعریف کرنا یا شکر ادا کرنا۔

[للہ] لفظ اللہ کے شروع میں ''لام'' حرف جار ہے۔ لفظ ''اللہ'' کے بارے میں علماء کا قول ہے کہ لفظ ''اِلٰہ'' پر الف لام داخل کر کے ''اللہ'' بنا ہے اور یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے۔

[ربّ] یہ تربیۃ سے مشتق ہے اور یہ مصلح کا ہم معنی ہے۔ اصل یہ ہے کہ ایک چیز کو آہستہ آہستہ کمال تک پہنچانے کو تربیت کہتے ہیں۔ تربیۃ کا مطلب ہے دوسرے کے معاملات کو درست کرنا۔ نیز ربّ کے کئی معانی ہیں جیسے مالک، مصلح، معبود وغیرہ۔

[العالمین] یہ اسمِ مشتق ہے اس کا واحد نہیں آتا۔ یہ اللہ کے علاوہ تمام مخلوقات کو شامل ہے۔

[الرحمن الرحیم] یہ دونوں لفظ ''الرحمۃ'' سے مشتق ہیں۔ ''الرحمن'' فعلان کے وزن پر صیغۂ مبالغہ ہے۔ صیغۂ مبالغہ میں پائی جانے والی صفت دائمی نہیں ہوتی جیسے غضبان (غصہ میں ہونا) ''الرحیم'' فعیل کے وزن پر صفت ہے۔ فعیل کے وزن پر پائی جانے والی صفت دائمی ہوتی ہے۔ جیسے علیم (بہت زیادہ علم والا) علماء نے لکھا ہے کہ الرحمن کی صفت تمام مخلوقات کے لیے ہے اور الرحیم کی صفت مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

[الدین] اس کا مطلب ہے جزا، بدلہ

[اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ] عبادت کے معنی انتہائی خضوع اور انتہائی عاجزی کے اظہار کے ہیں جبکہ استعانت کے معنی مدد طلب کرنے کے ہیں۔

[الصراط] اس کا مطلب ہے راستہ

[اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ] جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا وہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں۔

[الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ] ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوا۔ اس کے مصداق یہود اور ان کے پیروکار ہیں۔

[الضَّآلِّیْنَ] گمراہ سے مراد نصاریٰ ہیں اور اُن کے نقش قدم پر چلنے والے

awazeinqilab.com

تبصرہ:

یہ سورت دعائیہ ہے۔ ابتدا میں حمد وثنا ہے پھر بندے کی عاجزی کا اظہار ہے اور پھر دعا ہے۔

ادبی لحاظ سے اس میں اسلوب التفات ہے یعنی ابتدا میں غائب کا صیغہ ہے پھر غائب سے بدل کر مخاطب کا صیغہ ہو جاتا ہے۔

یہ سورت فصاحت و بلاغت کا نمونہ ہے۔

ایاک نعبد اصل میں ایاہ نعبد ہونا چاہیے تھا لیکن اس میں غائب سے مخاطب کی طرف التفات ہے۔ اور مفعول فاعل سے پہلے آنے کی وجہ سے تخصیص ہوگئی کہ اے اللہ ہم تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے اور یہی ترکیب ایاک نستعین کی بھی ہے اور خاص تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

قرآنِ مجید کی تمام سورتوں کی طرح یہ سورت بھی عربی ادب کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

سورۃ الفجر

تعارف:

یہ مکی سورت ہے۔ اس سورت میں تین اہم موضوعات کا ذکر ہے۔

۱۔ بعض سابقہ قوموں کا ذکر جنہوں نے اللہ کے رسولوں کو جھٹلایا اور پھر ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا جیسے قومِ عاد، قوم ثمود اور قوم فرعون۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کی بندوں کو آزمانے میں سنت کا ذکر خیر و شر کے ذریعے اور غنیٰ اور فقر کے ذریعے۔ نیز انسان کی مالٰ کے لیے شدید محبت کا ذکر۔

۳۔ آخرت کے گھر اور اسکی سختیوں کا ذکر۔ نیز قیامت کے دن انسانوں کا خوش بختوں اور بدبختوں میں تقسیم ہونا اور نیک اور برے نفسوں کا انجام۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

وَالْفَجْرِ ﴿1﴾ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴿2﴾ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴿3﴾ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ﴿4﴾ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ
حِجْرٍ ﴿5﴾ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿6﴾ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿7﴾ الَّتِيْ لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي
الْبِلَادِ ﴿8﴾ وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿9﴾ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ﴿10﴾ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي
الْبِلَادِ ﴿11﴾ فَاَكْثَرُوْا فِيْهَا الْفَسَادَ ﴿12﴾ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿13﴾ اِنَّ رَبَّكَ
لَبِالْمِرْصَادِ ﴿14﴾ فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَكْرَمَنِ ﴿15﴾
وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّيْٓ اَهَانَنِ ﴿16﴾ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿17﴾
وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿18﴾ وَتَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿19﴾ وَّتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا
جَمًّا ﴿20﴾ كَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿21﴾ وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿22﴾ وَجِايْٓءَ يَوْمَئِذٍ
بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ يَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَاَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿23﴾ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ ﴿24﴾
فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُعَذِّبُ عَذَابَهٗٓ اَحَدٌ ﴿25﴾ وَّلَا يُوْثِقُ وَثَاقَهٗٓ اَحَدٌ ﴿26﴾ يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿27﴾
ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿28﴾ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ﴿29﴾ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ﴿30﴾

ترجمہ: فجر کی قسم۔ اور دس راتوں کی۔ اور جفت اور طاق کی۔ اور رات کی جب رخصت ہونے لگے۔ اور بیشک یہ چیزیں عقلمندوں کے نزدیک قسم کھانے کے لائق ہیں (اس بات پر کہ کافروں کو ضرور عذاب ہوگا)۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے قوم عاد کے ساتھ کیا کیا۔ جو ارم کہلاتے تھے دراز قد مانند ستونوں کے۔ کہ تمام ملک میں ایسے پیدا نہیں ہوئے تھے۔ اور ثمود کے ساتھ کیا کیا جو وادی قری میں چٹانیں تراشتے تھے۔ اور فرعون کے ساتھ کیا کیا جو میخوں والا تھا۔ یہ لوگ ملکوں میں سرکش ہو رہے تھے۔ پس ان میں بہت سی خرابیاں کرتے تھے۔ اور تمہارے پروردگار نے ان پر عذاب کا کوڑا برسا دیا۔ بیشک تمہارا پروردگار تاک میں ہے۔ مگر انسان عجیب مخلوق ہے کہ جب اس کا پروردگار اس کو آزماتا ہے کہ اسے عزت دیتا اور نعمت بخشتا ہے۔ تو کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے عزت بخشی۔ اور جب دوسری طرح آزماتا ہے کہ اس پر روزی تنگ کر دیتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے پروردگار

نے مجھے ذلیل کیا۔ یوں نہیں، بلکہ تم لوگ یتیم کی خاطر نہیں کرتے۔ اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو۔ اور میراث کے مال کو سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔ اور مال کو بہت ہی عزیز رکھتے ہو۔ یوں نہیں جب زمین کوٹ کوٹ کر برابر کردی جائے گی۔ اور تمہارا پروردگار جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے قطار در قطار آ جائیں گے۔ اور دوزخ اس دن سامنے لائی جائے گی تو انسان اس دن سوچے گا مگر اب سوچنے سے اسے فائدہ کہاں مل سکے گا؟ کہے گا کاش میں نے اپنی اس زندگی کے لیے کچھ آگے بھیجا ہوتا۔ تو اس دن نہ کوئی اللہ کے عذاب کی طرح کا عذاب دے گا۔ اور نہ کوئی اس کے جکڑنے کی طرح جکڑے گا۔ اے اطمینان والی جان!۔ اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل۔ تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ سو تو میرے خاص بندوں میں شامل ہو جا۔ اور میری بہشت میں داخل ہو جا۔

لغوی وضاحت:

[و] قسم کے لیے ہے۔

[الفجر] صبح کا وقت جب رات کا اندھیرا چھٹتا ہے اور صبح طلوع ہوتی ہے۔

[الشفع] جفت، جوڑا بنانا

[الوتر] طاق، مفرد

[حجر] عقل: حجر کا لغوی معنی روکنا ہے اور چونکہ عقل نادانی سے روکتی ہے اس لیے اس کو حجر کہا گیا۔

[عاد] سابقہ قوموں میں سے ایک قوم کا نام ہے جس نے فن تعمیر میں بہت ترقی کی تھی۔ پہاڑوں کو تراش کر ان کے اندر خوبصورت محل بنایا کرتے تھے۔ یہ لوگ پنے فن میں یکتا تھے۔

[اِرَم] یہ قوم عاد کا جدِّ امجد تھا۔ اِرَم کا شجرۂ نسب اِرم بن سام بن نوح ہے۔

[عماد] اونچے ستونوں کو کہتے ہیں۔ یہ ان کی تعمیری ترقیوں کی طرف کنایہ ہے۔

[ثمود] یہ قوم عاد کی نسل میں سے تھے اور تعمیر کے شوق میں ان کے وارث ہوئے۔ چنانچہ ان کو عاد ثانیہ بھی کہا گیا ہے۔ ان کا مسکن "وادی القرٰی" تھا۔

[جابوا الصخر] چٹان میں سوراخ کرنا۔ پھاڑنا

[ذی الاوتاد] میخوں والا۔ محاورۃ عرب کے مطابق ذی الاوتاد سے مراد ہے شان وشوکت والا۔ اور بعض روایتوں میں آیا ہے کہ فرعون کے ہاں سزا دینے کا ایک طریقہ یہ تھا کہ مجرم کو زمین پر لٹا کر اس کے ہاتھ پیروں میں میخیں ٹھونک دی جاتی تھیں۔ اس لیے فرعون کو ذی الاوتاد کہا گیا۔

[طغوا] حد سے بڑھ گئے تھے، سرکش ہو گئے تھے۔

[فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ] اللہ کے اس قول میں استعارہ ہے۔ اللہ کے عذاب کی سختی کو پانی انڈیلنے سے تشبیہ د
ہے۔ کہ جس تیزی سے پانی گرتا ہے اتنی ہی تیزی سے اللہ کا عذاب ان پر نازل ہوا۔ صَبَّ کا معنی ہے انڈیلنا اور سَو
معنی ہے کوڑا۔ یعنی اللہ کے عذاب کا کوڑا ان پر برسا۔

[اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَاد] المرصاد: نگرانی کا راستہ یا جگہ، گھات لگانے کی جگہ۔ اس آیت میں استعارہ ہے۔ اس میں ا
بندوں پر نگرانی کو گھات لگانے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

[ابتلٰہ] اسے آزمایا

[تَحَاضُّونَ] ایک دوسرے کو کسی کام پر ابھارنا۔

[لَمّاً] جمع کرنا

[جَمّاً] کثرت ہونا، زیادتی ہونا۔

[اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ] زمین کے نشیب و فراز کو دور کر کے برابر کر دینا۔ قیامت کی طرف اشارہ ہے۔ کہ زمین برابر کردی جائے

[يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ قَدَّمْتُ لِحَيَاتِيْ] اس میں انسان کی حسرت کا ذکر ہے کہ اس دن وہ کہے گا کاش میں نے اگلی زندگی ک
کچھ نیک اعمال آگے بھیجے ہوتے۔

[وَثَاقَهٗ] باندھنا، قید کرنا۔

[النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ] یعنی وہ نفس جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت وخوشنودی میں زندگی گزاری۔

اسی طرح استعارہ کا استعمال ہوا ہے جیسے

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ اور اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ

اس میں سجع بھی واقع ہوئی ہے۔

جیسے وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۙ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۙ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۚ اور وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۙ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْاَوْتَادِ ۙ الَّذِيْنَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۙ کہانی کی طرز پر سابقہ قوموں کا ذکر کیا گیا ہے۔

awazeinqilab.com

سورة الضحٰی

تعارف

یہ سورت مکی ہے اور مکی دور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا سخت ابتلا کا دور ہے۔ ان حالات کے تناظر میں اللہ تعالیٰ نے یہ سورت نازل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب اور مخلوق میں سب سے افضل ہستی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام مرتبے کو بیان فرمایا اور اس مکی دور کی تنگیوں کے بعد جو دنیاوی اور اخروی انعامات و فضائل آپؐ پر ہونے والے تھے ان کا ذکر فرمایا ہے۔

ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔ پھر آخرت کے انعامات کا ذکر ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن کے حالات کا تذکرہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یتیمی کی حالت میں پرورش پائی اور آخر میں سورت کو تین وصیتوں پر ختم فرمایا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یتیموں پر شفقت فرمائیں، محتاجوں پر رحم فرمائیں اور مسکینوں کے آنسو پونچھیں۔

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

وَالضُّحٰى ۙ﴿۱﴾ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۙ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ؕ﴿۳﴾ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ؕ﴿۴﴾ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ؕ﴿۵﴾ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۪﴿۶﴾ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۪﴿۷﴾ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ؕ﴿۸﴾ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ؕ﴿۹﴾ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿۱۰﴾ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾

ترجمہ: آفتاب کی روشنی کی قسم۔ اور رات کی تاریکی کی قسم جب وہ چھا جائے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہارے پروردگار نے نہ تو تم کو چھوڑ دیا اور نہ تم سے ناراض ہی ہوا۔ اور آخرت تمہارے لئے دنیا سے کہیں بہتر ہے۔ اور تمہارا پروردگار عنقریب تمہیں اتنا کچھ عطا فرمائے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ بھلا اس نے تمہیں یتیم پا کر جگہ نہیں دی

بیشک دی۔ اور تمہیں رستے سے ناواقف دیکھا تو سیدھا رستہ دکھایا۔ اور اس نے تمہیں تنگ دست پایا تو غنی کر دیا۔ تو تم بھی یتیم پر ستم نہ کرنا۔ اور مانگنے والے کو جھڑکی نہ دینا۔ اور اپنے پروردگار کی نعمت یعنی وحی کا بیان کرتے رہنا۔

[وَالضُّحٰى] چاشت کا وقت

[سَجٰى] جب رات کا اندھیرا زیادہ گہرا ہو جائے۔ یہاں مراد ہے کہ جب لوگ سکون سے سو جائیں۔

[وَدَّعَ] اس نے چھوڑا

[قَلٰى] غصہ ہوا

پوری آیت قریش کے جواب میں ہے جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ تمہارے رب نے تمہیں چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رب نے نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑا ہے اور نہ اس کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غصہ ہے۔

[آوٰی] ٹھکانہ دیا

[مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى] یہاں ضالّ سے مراد گمراہی نہیں ہے کیونکہ پیغمبر (نعوذ باللہ) گمراہ ہو ہی نہیں سکتا۔ یہاں استعارہ ہے۔ شریعت کی موجودگی کو ھدٰی سے تشبیہ دی ہے اور عدم موجودگی کو ضال سے تشبیہ دی ہے۔ (ہم نے تمہیں حق کا متلاشی پایا تو ہدایت کی راہ دکھا دی) اس میں راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ ضال کا معنی ہے بے خبر، یعنی آپ وحی اور دینی علوم سے بے خبر تھے، پس اللہ نے تمہاری رہنمائی فرمائی۔

ان دو تین آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر انعامات کا ذکر فرمایا ہے۔

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ؕ﴿۹﴾ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿۱۰﴾ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿۱۱﴾

[لَا تَقْهَرْ] نہ دبا، نہ مغلوب کر۔

[لَا تَنْهَرْ] نہ جھڑک

[فَحَدِّثْ] بیان کرو، نعمت پر شکر ادا کرنا

awazeinqilab.com

ان تین آیتوں میں مخاطب تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا گیا ہے لیکن یہ نصیحت تمام امت کو کی گئی ہے کہ یتیم کو مت دباؤ، سوال کرنے والے کو مت جھڑکو اور اپنے رب کی نعمت کا شکر ادا کرو۔

تبصرہ

یہ سورت بھی ادب کا اعلیٰ نمونہ ہے اسلوب قسم سے اس کو شروع کیا گیا۔ درمیان میں اللہ نے اپنے انعامات گنوائے اور آخر میں وصایا ذکر کیے۔

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى میں استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔

سجع: ان آیات میں سجع ہے۔

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝

خطباتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطالعہ

تعارف:

اسلام سے پہلے بھی عرب معاشرے میں خطبے کا اپنا مقام تھا اگرچہ شاعری کو زیادہ اہمیت حاصل تھی۔ عصا کے ہاتھ میں پکڑ کر خطبہ دینے کا رواج اسلام سے پہلے سے تھا۔ اسلام کے ظہور کے بعد خطبہ اپنے کمال کو پہنچ گیا۔ کیونکہ تبلیغ اسلام کے لیے خطبہ کی اپنی اہمیت تھی۔ پس اسلامی دور میں خطبے کے اغراض و مقاصد میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر، فتنوں کا ختم کرنا، فوجوں کو جوش دلانا وغیرہ شامل تھے۔

اس دور کے خطبوں کی امتیازی خصوصیات میں الفاظ کی چاشنی، متانت اسلوب، قوت تاثیر اور قرآن مجید سے اقتباس اور حمد وثنا سے اس کی ابتداء کرنا شامل ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا ارشاد گرامی ہے۔

"اَنَا اَفْصَحُ الْعَرَب" (طبرانی فی الکبیر) میں عربوں میں سب سے زیادہ فصیح ہوں۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت خالص عربی ماحول میں ہوئی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کے بارے میں جاحظ یوں رقمطراز ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلام ایسا ہے جس کے الفاظ تھوڑے اور معانی وسیع ہیں۔ بناوٹ سے پاک اور تکلف سے دور ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تفصیل کے موقع پر تفصیل سے کام لیتے اور اختصار کے موقع پر اختصار سے کام لیتے اور نامانوس الفاظ استعمال نہ فرماتے اور غیر مناسب بازاری الفاظ سے اجتناب فرماتے۔۔۔۔۔۔

یہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند خطبوں کا مطالعہ کریں گے جن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسلوب بیان کا پتہ چلتا ہے۔

مکہ مکرمہ کا خطبہ جب آپؐ نے اپنے اہل کو دعوت دی

حمِد الله واثنى عَلَيهِ ثمّ قالَ:

إنَّ الرَّائِدَ لا يَكْذِبُ اَهْلَهٗ وَاللّٰهِ لَو كَذَبْتُ النَّاسَ جَمِيْعاً مَا كَذَبْتُكُمْ وَلَوْ غَرَّرْتُ النَّاسَ جَمِيْعًا مَا غَرَرْتُكُمْ وَاللّٰهِ الَّذِى لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِنِّىْ لَرَسُولُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ خَاصَّةً وَّاِلَى النَّاسِ كَافَّةً وَاللّٰهِ لَتَمُوْتُنَّ كَمَا تَنَامُوْنَ وَلَتُبْعَثُنَّ كَمَا تَسْتَيْقِظُوْنَ وَلَتُحَاسَبُنَّ بِمَا تَعْمَلُوْنَ وَلَتُجْزَوُنَّ بِالْاِحْسَانِ إحْسَاناً وَبِالسُّوْءِ سُوْءًا وَإنَّهَا لَجَنَّةٌ اَبَدًا اَوِالنَّارُ اَبَدًا. (السيرة الحلبية :459، نور اليقين: 31)

ترجمہ: اللہ کی حمد وثنا کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بے شک رائد اپنے اہل سے جھوٹ نہیں بولتا۔ اللہ کی قسم اگر میں تمام لوگوں سے جھوٹ بولوں تو تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا اور اگر میں تمام لوگوں کو دھوکا دوں تو تم کو دھوکا نہیں دوں گا۔ اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں میں خاص طور پر تمہاری طرف اور تمام لوگوں کی طرف بھی اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں اللہ کی قسم تمہیں ضرور موت آئے گی جیسے تم سوتے ہو اور جیسے تم جاگتے ہو۔ اسی طرح تم دوبارہ ضرور اٹھائے جاؤ گے اور جو تم اعمال کرتے ہو ان کا ضرور حساب دینا ہوگا اور تمہیں اچھائی کا بدلہ اچھائی سے اور برائی کا بدلہ برائی سے ضرور ملے گا اور وہاں یا تو ہمیشہ کے لیے جنت ہے یا ہمیشہ کے لیے آگ ہے۔

[رَائِدَ] اپنے اہل وعیال کے لیے آب و دانہ تلاش کرنے والا

[غَرَّرْتُ] میں نے دھوکا دیا۔
[لَتُبْعَثُنَّ] تم موت کے بعد دوبارہ ضرور اٹھائے جاؤ گے
[لَتُحَاسَبُنَّ] تمہارا ضرور حساب لیا جائے گا۔
[كَافَّةً] تمام
[لَتَمُوْتُنَّ] تمہیں ضرور موت آئے گی
[لَتُجْزَوُنَّ] تمہیں ضرور بدلہ دیا جائے گا۔
[اَبَدًا] ہمیشہ

تبصرہ: اس خطبے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہل و عیال کو آخرت کے بارے میں آگاہ کیا۔ ہم اس خطبے میں یہ خصوصیات دیکھتے ہیں۔

۱۔ اختصار
۲۔ آسان الفاظ
۳۔ تشبیہ: موت کو نیند سے اور دوبارہ زندہ ہونے کو جاگنے سے تشبیہ دی ہے۔
۴۔ اسلوب تاکید: اپنی بات پر زور دینے کے لیے تاکید کا اسلوب اختیار فرمایا۔ تم ضرور مرو گے۔ وغیرہ۔
آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبے کے شروع میں حمد وثنا کا رواج ڈالا۔

خطبۂ حجۃ الوداع

يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ لَا نَبِيَّ بَعْدِي وَلَا أُمَّةَ بَعْدَكُمْ ۝ أَلَا فَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ ۝ وَصَلُّوْا خَمْسَكُمْ ۝ وَصُوْمُوْا شَهْرَكُمْ وَأَدُّوْا زَكَاةَ أَمْوَالِكُمْ طَيِّبَةً بِهَا أَنْفُسُكُمْ ۝ وَتَحُجُّوْنَ بَيْتَ رَبِّكُمْ ۝ وَأَطِيْعُوْا وُلَاتَ أَمْرِكُمْ ۝ تَدْخُلُوْا جَنَّةَ رَبِّكُمْ ۝

ترجمہ: اے لوگو! نہ تو میرے بعد کوئی پیغمبر ہے اور نہ تمہارے بعد کوئی امت پیدا ہونے والی ہے۔ خبردار! پس اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور اپنی پنجگانہ نماز ادا کرو، اور روزے رکھو اپنے مہینے (رمضان) کے، اور زکوٰۃ ادا کرو اپنے مالوں کی خوش دلی کے ساتھ، اور حج ادا کرو اپنے رب کے گھر کا، اور اپنے حکام کی اطاعت کرو، اپنے پروردگار کے جنت میں داخل ہو گے۔
(ابن جریر، ابن عساکر عن ابی امامہ)

مشکل الفاظ اور معنی:

[لَا نَبِيَّ بَعْدِي] میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔
[وُلَاتَ] والی کی جمع (حکام)
[أَلَا] خبردار
[تَدْخُلُوْا] داخل ہو جاؤ
[أَدُّوْا] ادا کرو
[بَيْتَ] گھر

أُوْصِيْكُمْ عِبَادَ اللهِ بِتَقْوَى اللهِ وَأَحُثُّكُمْ عَلَى طَاعَتِهِ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ إِلَى أَنْ تَلْقَوْا رَبَّكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هَذَا فِي شَهْرِكُمْ هَذَا فِي بَلَدِكُمْ هَذَا فَمَنْ كَانَتْ عِنْدَهُ أَمَانَةٌ فَلْيُؤَدِّهَا إِلَى الَّذِي ائْتَمَنَهُ عَلَيْهَا وَإِنَّ رِبَا الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعٌ وَإِنَّ أَوَّلَ رِبًا أَبْدَأُ عَمِّي الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ وَإِنَّ دِمَاءَ الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعَةٌ وَإِنَّ أَوَّلَ دَمٍ أَبْدَأُ بِهِ عَامِرِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ (سنن ابی داؤد: ۳۳۳۴)

ترجمہ: اے اللہ کے بندو! میں تمہیں اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اور تمہیں اس کی اطاعت کی ترغیب دیتا ہوں۔ اے لوگو! بے شک تمہارے خون اور تمہارے مال تمہارے رب سے ملاقات تک اسی طرح حرام ہیں جیسے آج کے دن، آج کے مہینے اور آج کے شہر کی حرمت ہے۔ جس کے پاس امانت ہو تو وہ اس کو لوٹا دے جس نے اس کو امانت دی اور بے شک جاہلیت کا سود ختم ہے اور میں اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کے سود سے ابتداء کرتا ہوں۔ جاہلیت کے خون ختم ہیں اور سب سے پہلے میں عامر بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب کے خون سے ابتداء کرتا ہوں۔

مشکل الفاظ اور معنی:

[أُوْصِيْكُمْ] میں تمہیں وصیت کرتا ہوں۔
[أَحُثُّكُمْ] میں تمہیں ترغیب دیتا ہوں۔
[دماء] دمٌ کی جمع خون
[تَلْقَوْا] تم ملو
[شهر] مہینہ
[فَلْيُؤَدِّهَا] پس اسے ادا کرے

تبصرہ:

یہ اقتباس خطبہ حجۃ الوداع سے لیا گیا ہے۔
اس خطبے میں درج ذیل خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

۱۔ الفاظ کی سادگی۔
۲۔ تشبیہ: انسانی خون اور مال کی حرمت کو عرفہ کے دن اور ذی الحجہ کے مہینے اور مکہ معظمہ کی حرمت سے تشبیہ دی۔
۳۔ اِنَّ کے استعمال سے کلام میں تاکید پیدا کی۔
۴۔ نامانوس اور مشکل الفاظ سے اجتناب کیا۔ یہ عربی زبان وادب کا شاہکار ہے۔
۵۔ اساسی عقیدہ یعنی ختم نبوت اور فرائض کا اختصار اور جامعیت سے بیان جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت جوامع الکلم کا بہترین نمونہ ہے۔

awazeinqilab.com

۶۔ نظام ریاست اور مدنی سیاست کے مرکز و محور کی نشاندہی یعنی اولی الامر کی اطاعت کا حکم۔
۷۔ مخلوق کو خالق سے جوڑنے اور محبت کا رشتہ مضبوط کرنے کے لئے ہر حکم میں ''کم'' کی ضمیر لانا۔
۸۔ امور بالا پر عمل کے نتیجے میں دخول جنت کی عظیم بشارت دی گئی ہے۔

خلفائے راشدین کے چند خطوط کا مطالعہ

عربی ادب میں خطبوں کے ساتھ ساتھ خطوط کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہاں ہم خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کے چند خطوط کا مطالعہ کریں گے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اہلِ یمن کو خط جس میں آپ نے انہیں جہاد روم کے لیے ترغیب دلائی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِO

مِنْ خَلِيْفَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلِّمْ إِلٰى مَنْ قُرِیءَ عَلَيْهِ كِتَابِىْ هٰذَا مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ مِنْ اَهْلِ الْيَمَن. سَلَامٌ عَلَيْكُمْ، فَاِنِّى أَحْمَدُ إِلَيْكُمُ اللّٰهَ الَّذِىْ لَآاِلٰهَ اِلَّا هُوَ.
اَمَّا بَعْدُ! فَاِنَّ اللّٰه كَتَبَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ الْجِهَادَ وَاَمَرَهُمْ اَنْ يَّنْفِرُوْا خِفَافاً وَثِقَالًا وَيُجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِى سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْجِهَادُ فَرِيْضَةٌ مَّفْرُوْضَةٌ، وَالثَّوَابُ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ، وَقَدِ اسْتَنْفَرْنَا الْمُسْلِمِيْنَ اِلٰى جِهَادِ الرُّوْمِ بِالشَّامِ، وَقَدْ سَارَعُوا إِلٰى ذٰلِكَ وَقَدْ حَسُنَتْ فِى ذَالِكَ نِيَّتُهُمْ، وَعَظُمَتْ حِسْبَتُهُمْ، فَسَارِعُوْا عِبَادَ اللّٰهِ إِلٰى مَا سَارَعُوا اِلَيْهِ، وَلْتُحْسَنْ نِيَّتُكُمْ فِيْهِ، فَاِنَّكُمْ إِلٰى إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ: إِمَّا الشَّهَادَةَ وَإِمَّا الْفَتْحَ وَالْغَنِيْمَةَ. فَاِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى لَمْ يَرْضَ مِنْ عَبَادِهٖ بِالْقَوْلِ دُوْنَ الْعَمَلِ، وَلَا يَزَالُ الْجِهَادُ لِاَهْلِ عَدَاوَتِهٖ حَتّٰى يَدِيْنُوا بِدِيْنِ الْحَقِّ وَيَقِرُّوْا لِحُكْمِ الْكِتَابِ.
حَفِظَ اللّٰهُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ، وَهَدٰى قُلُوْبَكُمْ، وَزَكّٰى اَعْمَالَكُمْ وَرَزَقَكُمْ اَجْرَ الْمُجَاهِدِيْنَ الصَّابِرِيْنَ

ابنِ عساکر: تاریخ دمشق (2/65,66)

ترجمہ: اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلیفہ کی جانب سے یمن کے ہر اس مسلمان اور مومن کی طرف جسے میرا یہ خط پڑھ کر سنایا جائے۔ تم پر سلامتی ہو۔ پس میں تمہاری طرف اللہ کی حمد کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اما بعد! پس بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جہاد فرض کیا ہے اور انہیں حکم دیا ہے کہ ہر حال میں اللہ کے راستے میں نکلیں اور اپنے مال و جان سے جہاد کریں اور جہاد فرض کیا گیا فریضہ ہے اور اس کا ثواب اللہ کے ہاں عظیم ہے اور ہم نے مسلمانوں سے شام میں جہادِ روم کے لیے نکلنے کا مطالبہ کیا تو وہ اس طرف چل پڑے اور اس عظیم عمل میں ان کی نیتیں اچھی ہیں اور ان کی اللہ سے اجر کی توقع بھی عظیم ہے۔ پس اللہ کے بندو تم بھی اسی طرف چل پڑو جس طرف وہ چلے ہیں اور اپنی نیتوں کو درست کر لو۔ پس تم دو میں سے ایک نیکی کی طرف جا رہے ہو یا تو شہادت یا فتح اور مالِ غنیمت۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ عمل کے بغیر اپنے بندوں کے قول سے راضی نہیں ہوتا۔ اور اللہ کے دشمنوں کے ساتھ اس وقت تک جہاد جاری رہے گا جب تک وہ دینِ حق قبول نہیں کر لیتے۔
اللہ تعالیٰ تمہارے دین کی حفاظت فرمائے اور تمہارے دلوں کی رہنمائی فرمائے اور تمہارے اعمال پاکیزہ کرے اور تمہیں ثابت قدم رہنے والے مجاہدین کا اجر عطا فرمائے۔

لغوی وضاحت

[کَتَبَ] فرض کیا
[عظمت حسبتهم] حسبۃ کا مطلب اللہ سے اجر کی توقع رکھنا۔
[استنفرنا] ہم نے (اللہ کے راستے میں) نکلنے کا مطالبہ کیا۔
[یَدِیْنُوْا] دین اختیار کرلیں
[سَارَعُوا] وہ چلے
[یقرّوا] اقرار کرلیں

تبصرہ: یہ خط حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اہلِ یمن کو اس وقت لکھا جب آپ رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے ایک لشکر روم کی فوجوں سے لڑنے کے لیے شام روانہ فرمایا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے انہیں جہاد کی ترغیب جس انداز میں دی اس کا اندازہ اس خط کو پڑھ کر ہو جاتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کے اس خط کی زبان انتہائی سادہ ہے۔ اسلام کے بعد خطوں کے لکھنے کے انداز میں یہ تبدیلی آئی کہ شروع میں بسم اللہ لکھنے لگے۔ اور قرآن مجید سے اقتباس کرنے لگے۔

امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِO

مِنْ عَبْدِ اللّٰهِ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِلٰى عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ قَيْسٍ (أَبِىْ مُوْسٰى الْأُشْعَرِىِّ) سَلَامٌ عَلَيْكَ

awazeinqilab.com

اَمَّا بَعۡدُ! فَاِنِ الۡقَضَاءَ فَرِیۡضَةٌ مُحۡکَمَةٌ وَ سُنَّةٌ مُتَّبَعَةٌ فَافۡهَمۡ اِذَا اَدۡلَی اِلَیۡکَ، فَاِنَّهٗ لَایَنۡفَعُ تَکَلُّمٌ بِحَقٍّ لَا نَفَاذَ لَهٗ، آسِ بَیۡنَ النَّاسِ فِیۡ وَجۡهِکَ وَعَدۡلِکَ وَمَجۡلِسِکَ، حَتّٰی لَا یَطۡمَعَ شَرِیۡفٌ فِیۡ حَیۡفِکَ وَلَا یَیۡأَسَ ضَعِیۡفٌ مِنۡ عَدۡلِکَ

اَلۡبَیِّنَةُ عَلٰی مَنۡ ادَّعَی، وَالۡیَمِیۡنُ عَلٰی مَنۡ اَنۡکَرَ؛ وَالصُّلۡحُ جَائِزٌ بَیۡنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ، اِلَّا صُلۡحاً اَحَلَّ حَرَاماً، اَوۡ حَرَّمَ حَلَالًا وَلَا یَمۡنَعُکَ قَضَاءٌ قَضَیۡتَهٗ بِالۡاَمۡسِ فَرَاجَعۡتَ فِیۡهِ عَقۡلَکَ وَهُدِیۡتَ لِرُشۡدِکَ اَنۡ تَرۡجِعَ اِلَی الۡحَقِّ، فَاِنَّ الۡحَقَّ قَدِیۡمٌ وَمُرَاجَعَةُ الۡحَقِّ خَیۡرٌ مِنَ التَّمَادِیۡ فِی الۡبَاطِلِ

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کے بندے عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب امیر المومنین کی طرف سے عبد اللہ بن قیس (ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ) کی طرف۔ آپ پر سلامتی ہو۔

اما بعد! بے شک فیصلہ کرنا پکا فریضہ ہے اور واجب الاتباع سنت ہے تو سمجھ لو کہ جب تمہارے پاس کوئی دعویٰ آئے تو ایسی حق گوئی جس کی تعمیل نہ ہو فائدہ نہیں دیتی۔ اپنے ملنے میں، عدل میں اور مجلس میں لوگوں سے مساویانہ سلوک کرو۔ حتیٰ کہ کوئی عزت دار تمہارے ظلم وستم کی طمع نہ کرے اور کوئی کمزور تمہارے عدل سے نا امید نہ ہو۔ دلیل لانا مدّعی کے ذمہ ہے اور جو انکار کرے اس کے ذمّہ قسم ہے اور مسلمانوں کے درمیان صلح کرانا جائز ہے مگر وہ صلح (جائز نہیں) جو حرام کو حلال کر دے اور حلال کو حرام کر دے اور کل کا کیا ہوا کوئی فیصلہ تجھے نہ روکے کہ تو اپنی عقل سے اس میں غور و فکر کرے اور صحیح بات تک پہنچ جائے، اور پھر تو حق کی طرف لوٹ آئے بیشک حق قدیم ہے اور حق کی طرف رجوع کرنا باطل میں حد سے تجاوز کرنے سے بہتر ہے۔

لغوی وضاحت

[القضاء] فیصلہ کرنا
[محکمة] پکا
[متبعة] جس کی اتباع کی جائے
[ادلی] دعویٰ کرنا
[نفاذ] تعمیل
[اس] برابر رکھنا، ہر ایک کے ساتھ مساویانہ سلوک کرنا
[حَیف] ظلم وستم
[البینة] دلیل، ثبوت
[الیمین] قسم
[التمادی] حد سے تجاوز کرنا

تبصرہ:

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عدل میں ضرب المثل ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک قاضی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو یہ خط ان کے عہدے کی ذمہ داریوں سے آگاہ کرنے کے لیے لکھا۔ اس خط میں بھی ہمیں نامانوس الفاظ کم ملیں گے۔ لیکن الفاظ وہ استعمال کیے گئے جو اپنے مقصود کو پورا کرتے ہیں۔ اسلوب استثناء کو احسن طریقے سے استعمال کیا ہے جیسے والصُّلح جائز بین المسلمین اِلّا صلحاً جملوں میں توازن ہے۔

امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے عمال کو خط

اَمَّا بَعۡدُ! فَاِنَّ اللّٰهَ اَمَرَ الۡاَئِمَّةَ اَنۡ یَکُوۡنُوۡا رُعَاةً وَّلَمۡ یَتَقَدَّمۡ اِلَیۡهِمۡ اَنۡ یَّکُوۡنُوۡا جُبَاةً وَاِنَّ صَدۡرَ هٰذِهِ الۡاُمَّةِ خُلِقُوۡا رُعَاةً، وَلَمۡ یُخۡلَقُوۡا جُبَاةً وَلَیُوۡشِکَنَّ اَئِمَّتُکُمۡ اَنۡ یَّصِیۡرُوۡا جُبَاةً وَلَا یَکُوۡنُوۡا رُعَاةً، فَاِذَا عَادُوۡا کَذٰلِکَ انۡقَطَعَ الۡحَیَاءُ وَالۡاَمَانَةُ وَالۡوَفَاءُ، اَلَا وَ اِنَّ اَعۡدَلَ السِّیۡرَةِ اَنۡ تَنۡظُرُوۡا فِیۡ اُمُوۡرِ الۡمُسۡلِمِیۡنَ وَ فِیۡمَا عَلَیۡهِمۡ. فَتُعۡطُوۡهُمۡ مَالَهُمۡ وَتَاۡخُذُوۡهُمۡ بِمَا عَلَیۡهِمۡ ثُمَّ تُثَنُّوۡا بِالذِّمَّةِ فَتُعۡطُوۡهُمُ الَّذِیۡ لَهُمۡ وَ تَاۡخُذُوۡهُمۡ بِالَّذِیۡ عَلَیۡهِمۡ ثُمَّ الۡعَدُوُّ الَّذِیۡ تَنۡتَابُوۡنَ فَاسۡتَفۡتَحُوۡا عَلَیۡهِمۡ بِالۡوَفَاءِ.

(الطبری، تاریخ الامم والملوک (4/244,245)

ترجمہ: اما بعد! پس اللہ نے اماموں (یعنی امراء و رؤساء) کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ نگران بنیں اور ان سے پہلے ایسے نہیں ہوا کہ وہ مال جمع کرنے والے بنے ہوں اور اس امت کے پہلے لوگ نگران بنائے گئے تھے مال جمع کرنے والے نہیں بنائے گئے تھے۔ اور قریب ہے کہ تمہارے (امراء و رؤساء) ضرور مال جمع کرنے والے بن جائیں گے اور وہ نگران نہیں رہیں گے۔ پس جب وہ ایسے ہو جائیں گے تو ان میں حیا، امانتداری اور وفا داری ختم ہو جائے گی اور بے شک سب سے زیادہ عادلانہ کردار یہ ہے کہ تم مسلمانوں کے معاملات کی دیکھ بھال کرو اور جو ان کے

awazeinqilab.com

ذمہ ہے۔ پس جو ان کا ہے وہ انہیں دے دو اور جو ان کے ذمہ ہے ان سے لے لو پھر تم ذمّیوں کی طرف توجہ کرو پس جو ان کا ہے انہیں دے دو اور جو ان کے ذمہ ہے (جزیہ وغیرہ) ان سے لے لو پھر دشمن وہ ہے جس سے تمہارا بار بار واسطہ پڑتا ہے تو تم ان پر ایفائے عہد سے غلبہ مانگو۔

لغوی وضاحت

[رُعَاۃٌ] راعی کی جمع ہے نگران

[جُبَاۃٌ] جابی کی جمع مال جمع کرنے والے

[عَادُوْا] بار بار کرنا

[وَلَیُوشَکَنَّ] یہ افعال مقاربہ میں سے ہے۔ (یہ کسی فعل کے عنقریب واقع ہونے کا معنی دیتے ہیں) اس کے ساتھ لام تاکید اور نون ثقیلہ لگنے سے معنی میں تاکید پیدا ہو جاتی ہے کہ یہ کام ضرور بضرور ہوگا۔

[اَعْدَلَ] اسم تفضیل ہے بہت زیاد عدل کرنا

[ثَنُّوا] تم دوگنا کردو

[تَنْتَابُوْنَ] تمہاری آمد و رفت رہتی ہے بار بار آتے جاتے ہو۔

تبصرہ:

یہ پہلا خط تھا جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلیفہ بننے کے بعد اپنے عمال کو لکھا۔

اس میں سجع بھی نظر آتی ہے۔ جباۃ، رعاۃ۔

تحریر میں زور موجود ہے۔ تاکیدی اسلوب اختیار کیا گیا۔ عمال کو ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا گیا ہے کہ تمہارے ذمہ جو عوام کے حقوق ہیں انہیں پورا کرو ان کی ضروریات اور مسائل کا خیال رکھو اور جو ان کے ذمہ زکوٰۃ ٹیکس وغیرہ ہے ان سے وصول کرو اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حفظ مراتب کا خیال رکھا پہلے مسلمانوں کے حقوق کی بات کی پھر ذمیوں کے حقوق کی بات کی۔

امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کا خلیفہ بننے کے وقت عام مسلمانوں کو خط

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مِنْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلِیٍّ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ، سَلَامٌ عَلَیْکُمْ، فَاِنِّیْ اَحْمَدُ عَلَیْکُمُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ.

اَمَّا بَعْدُ! فَاِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ بِحُسْنِ صُنْعِہٖ وَتَقْدِیْرِہٖ وَتَدْبِیْرِہٖ اِخْتَارَ الْاِسْلَامَ دِیْناً لِنَفْسِہٖ وَمَلَائِکَتِہٖ وَرُسُلِہٖ، وَبَعَثَ بِہٖ الرُّسُلَ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ اِلٰی عِبَادِہٖ وَخَصَّ بِہٖ مَنِ انْتَخَبَ مِنْ خَلْقِہٖ وَکَانَ مِمَّا اَکْرَمَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ بِہٖ ھٰذِہِ الْاُمَّۃَ، وَخَصَّھُمْ بِہٖ مِنَ الْفَضِیْلَۃِ اَنْ بَعَثَ اِلَیْھِمْ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فَعَلَّمَھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ وَالْفَرَائِضَ وَالسُّنَّۃَ لِکَیْمَا یَھْتَدُوْا وَجَمَعَھُمْ لِکَیْمَا لَا یَتَفَرَّقُوْا وَزَکَّاھُمْ لِکَیْمَا یَتَطَھَّرُوْا وَرَفَّھَھُمْ لِکَیْمَا لَا یَجُوْرُوْا فَلَمَّا قَضٰی مِنْ ذٰلِکَ مَا عَلَیْہِ قَبَضَہُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ صَلَوٰاتُ اللّٰہِ عَلَیْہِ وَرَحْمَتُہٗ وَبَرَکَاتُہٗ ثُمَّ اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ اسْتَخْلَفُوْا بِہٖ اَمِیْرَیْنِ صَالِحَیْنِ، عَمِلَا بِالْکِتَابِ وَالسُّنَّۃِ ثُمَّ تَوَفَّاھُمَا اللّٰہُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا ثُمَّ وَلِیَ بَعْدَھُمَا وَالٍ فَاَحْدَثَ اَحْدَاثاً فَوَجَدَتِ الْاُمَّۃُ عَلَیْہِ مَقَالًا فَقَالُوْا ثُمَّ نَقَمُوْا عَلَیْہِ فَغَیَّرُوْا ثُمَّ جَاؤُوْنِیْ فَبَایَعُوْنِیْ فَاَسْتَھْدِی اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ بِالْھُدٰی وَاَسْتَعِیْنُہٗ عَلَی التَّقْوٰی.......

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اللہ کے بندے علی امیر المومنین والمسلمین کی طرف سے تم پر سلامتی ہو۔ پس اللہ کی حمد وثنا کرتا ہوں تم پر جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اما بعد! بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے بہترین کاریگری اور تقدیر اور تدبیر سے اسلام کو اپنے لیے اور اپنے فرشتوں اور رسولوں کے لیے دین منتخب کیا اور اسی کے ساتھ رسولوں کو اپنے بندوں کی طرف مبعوث فرمایا اور اپنی مخلوق میں سے جسے منتخب کیا اس کو بھی اسی (دین) کے ساتھ مخصوص کیا اور جو اللہ تعالیٰ نے اس امت پر انعام واکرام کیا اور انہیں اس فضیلت کے ساتھ خاص کیا کہ ان کی طرف اپنے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا پس آپؐ

نے انہیں کتاب وحکمت اور فرائض وسنت کی تعلیم دی تاکہ وہ ہدایت پائیں اور انہیں مجتمع کیا تاکہ متفرق نہ ہوں اور انہیں پاک کیا تاکہ پاکیزہ ہو جائیں اور انہیں آسودہ حال کیا تاکہ وہ ظلم و زیادتی نہ کریں۔ پس جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلوات اللہ علیہ و رحمتہ وبرکاتہ کو اپنے پاس بلا لیا۔ پھر مسلمانوں نے دو نیک امیروں کو خلیفہ بنایا ان دونوں نے کتاب اور سنت پر عمل کیا اور بہترین حسنِ سلوک کیا اور سنت سے دور نہ ہوئے پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو بلا لیا رضی اللہ عنہما۔ پھر انکے بعد ایک والی بنے پھر واقعات رونما ہوئے پس امت نے ان پر الزام لگانا چاہا اور الزام لگائے پھر ان کو ناپسند کیا پس ان کو تبدیل کر دیا پھر وہ میرے پاس آئے اور میری بیعت کی پس میں اللہ تعالیٰ سے ہدایت طلب کرتا ہوں اور تقویٰ کے لیے اس سے مدد مانگتا ہوں۔

لغوی وضاحت

[اختار] منتخب کیا	[بعث] بھیجا
[خصّ] خاص کیا	[رفقهم] انہیں خوشحال کیا
[لا یجوروا] وہ ظلم نہ کریں	[استخلفوا] انہوں نے خلیفہ بنایا
[لم یبعدوا] دور نہ ہوئے۔	[فوددت] چاہا
[مقالا] الزام لگانا	[نقموا] ناپسند کرنا
[فبایعونی] انہوں نے میری بیعت کی	

تبصرہ

یہ خط حضرت علی بن ابی طالب کرّم اللہ وجہہٗ نے خلیفہ بننے کے بعد مصر کے لوگوں کو لکھا۔ اس وقت حالات انتہائی خراب تھے اور مسلمان دو گروہوں میں بٹ چکے تھے۔ چنانچہ اس تناظر میں اس خط کے اندر زورِ بیاں بھی ہے اور اس امت کی فضیلت کو بیان کیا گیا ہے۔

کنز الدقائق

یہ فقہ حنفی کتاب ہے اور امام حافظ الدین النسفی کی تالیف ہے۔

باب شروط الصلوٰۃ

هِیَ طَهَارَةُ بَدَنِهِ مِنْ حَدَثٍ وَخُبْثٍ وَ ثَوْبِهِ وَمَكَانِهِ وَسَتْرُ عَوْرَتِهِ وَهِیَ مَا تَحْتَ سُرَّتِهِ اِلٰی تَحْتَ رُكْبَتِهِ وَبَدَنُ الْحُرَّةِ كُلُّهَا عَوْرَةٌ اِلَّا وَجْهَهَا وَكَفَّيْهَا وَقَدَمَيْهَا وَكَشْفُ رُبْعِ سَاقِهَا يَمْنَعُ وَكَذَا الشَّعْرُ وَالْبَطْنُ وَالْفَخِذُ وَالْعَوْرَةُ الْغَلِيْظَةُ وَالْاَمَةُ كَالرَّجُلِ فَظَهْرُهَا وَبَطْنُهَا عَوْرَةٌ وَلَو وَجَدَ ثَوْباً رُبْعُهُ طَاهِرٌ وَصَلّٰى عَارِياً لَمْ يَجُزْ وَخُيِّرَ اِنْ طَهُرَ اَقَلَّ مِنْ رُبْعِهِ وَلَو عَدِمَ ثَوْباً صَلّٰى قَاعِدًا مُوْمِياً بِرُكُوْعٍ وَسُجُوْدٍ وَهُوَ اَفْضَلُ مِنَ الْقِيَامِ بِرُكُوْعٍ وَسُجُوْدٍ وَالنِّيَّةُ بِلَا فَاصِلٍ وَالشَّرْطُ اَنْ يَعْلَمَ بِقَلْبِهِ اَیَّ صَلَاةٍ يُصَلِّیْ وَيَكْفِيْهِ مُطْلَقُ النِّيَّةِ لِلنَّفْلِ وَالسُّنَّةِ وَالتَّرَاوِيْحِ وَلِلْفَرْضِ شَرْطُ تَعْيِيْنِهِ كَالْعَصْرِ مَثَلاً وَالْمُقْتَدِیْ يَنْوِی الْمُتَابَعَةَ اَيْضاً وَلِلْجَنَازَةِ يَنْوِی الصَّلَاةَ لِلّٰهِ وَالدُّعَاءَ لِلْمَيِّتِ وَاِسْتِقْبَالُ الْقِبْلَةِ فَلِلْمَكِّیْ فَرْضُهُ اِصَابَةُ عَيْنِهَا وَلِغَيْرِهِ اِصَابَةُ جِهَتِهَا وَالْخَائِفُ يُصَلِّیْ اِلٰی اَیِّ جِهَةٍ قَدَرَ وَمَنِ اشْتَبَهَتْ عَلَيْهِ الْقِبْلَةُ تَحَرّٰی وَاِنْ اَخْطَأَ لَمْ يُعِدْ فَاِنْ عَلِمَ بِهِ فِی صَلَاتِهِ اسْتَدَارَ.

ترجمہ: شرائطِ نماز یہ ہیں ناپاکی اور نجاست سے جسم، کپڑے اور جگہ کی پاکیزگی اور سترعورت (شرمگاہ کا چھپانا) ہے اور یہ (ستر) ناف کے نیچے سے لے کر گھٹنوں کے نیچے تک ہے اور آزاد عورت کا پورا جسم عورت ہے سوائے اس کے چہرے اور دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کے۔ اور پنڈلی کا چوتھائی حصہ کھولنا منع ہے اسی طرح بالوں کا، پیٹ کا اور ران کا (چوتھائی حصہ کھولنا بھی منع ہے) اور اصلی شرمگاہ کھولنا بھی منع ہے اور باندی کا حکم مرد کی طرح ہے پس اسکی کمر اور پیٹ عورت ہے اور اگر کسی کو چوتھائی کپڑا پاک ملا اور اس نے ننگے نماز پڑھی تو جائز نہیں اور اگر چوتھائی سے کم پاک ہو تو اختیار ہے (کہ ننگے نماز پڑھے یا کپڑے پہن کر)۔ اور اگر کپڑے نہ ملے تو بیٹھ کر رکوع

awazeinqilab.com

اور سجدہ اشارے سے کرتے ہوئے نماز پڑھے۔ یہ کھڑے ہو کر رکوع اور سجدے کے ساتھ پڑھنے سے افضل ہے۔ اور بغیر وقفے کے یعنی متصل نیت کرنا اور شرط یہ ہے کہ اچھی طرح جان لے کہ کون سی نماز پڑھ رہا ہے اور نفل اور سنت اور تراویح کے لیے مطلق نیت کافی ہے۔ اور فرض نماز کے لیے اس کا تعین کرنا بھی ضروری ہے مثلاً عصر کی نماز (پڑھ رہا ہے) اور مقتدی امام کے پیچھے پڑھنے کی نیت بھی کرے اور جنازہ میں اللہ کے لیے نماز اور میت کے لیے دعا کی نیت کرے۔ اور قبلہ کی طرف منہ کرنا۔ پس مکہ میں رہنے والے کے لیے خاص کعبہ کی طرف رخ کرنا فرض ہے اور باہر والوں کے لیے صرف قبلہ کی سمت رخ کرنا فرض ہے اور جو نمازِ خوف پڑھتا ہے وہ جس سمت میں بھی قدرت رکھتا ہو نماز پڑھ لے اور جس پر قبلہ کی سمت کا شبہ ہو تو وہ تحقیق کرے (کہ کس سمت قبلہ ہے) اور اگر سمت غلط ثابت ہوجائے تو نماز نہ لوٹائے اور اگر نماز کے دوران معلوم ہو جائے تو اسی طرف گھوم جائے۔

لغوی وضاحت

[حدث] ناپاکی — [خبث] نجاست

[ستر] چھپانا — [سُرّۃ] ناف

[رکبۃ] گھٹنا — [کشف] کھلنا

[الفخذ] ران — [ربع] چوتھائی حصہ

[خُیّر] اختیار ہے — [مُؤمِیًا] اشارہ کرتے ہوئے

[ینوی] نیت کرے — [استقبال القبلۃ] قبلہ کی طرف منہ کرنا

تبصرہ:

اس باب میں نماز کی شرائط کا بیان ہے۔ نماز کی شرائط یہ ہیں۔

۱۔ طہارتِ جسم ۲۔ طہارتِ لباس ۳۔ طہارت جگہ ۴۔ سترِ عورت

۵۔ نیت کرنا ۶۔ قبلہ کی طرف منہ کرنا ۷۔ وقت ہونا

اس عبارت میں ہمیں مشکل یا اجنبی لفظ کم ملیں گے اسلوب عام فہم ہے کیونکہ فقہ کی کتاب ہے تاکہ ہر شخص اس کو سمجھ سکے۔

القانون فی الطب

یہ کتاب ابنِ سینا کی تصنیف ہے۔ آپ کا نام حسین بن عبداللہ بن علی بن سینا ہے۔ کنیت ابوعلی ہے بہت بڑے فلسفی تھے اور طبیب تھے۔ مغربی دنیا میں Avicenne کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ان کی کتاب کا نام لاطینی میں Cannonmedicina ہے۔ آپ بخارا میں پیدا ہوئے۔ سن 428 ہجری میں فوت ہوئے۔ آپ نے تقریباً (100) سو کتابیں لکھیں۔

الفصل السادس: فی منفعة الصلب (Backbone)

(ریڑھ کی ہڈی کے فائدے)

اَلصُّلْبُ مَخْلُوْقٌ لِمَنَافِعَ أَرْبَعَ أَحَدُهَا: لِيَكُوْنَ مَسْلَكًا لِلنُّخَاعِ الْمُحْتَاجِ إِلَيْهِ فِيْ بَقَاءِ الْحَيْوَانِ لِمَانَذْكُرُه مِنْ مَنْفَعَةِ النُّخَاعِ فِيْ مَوْضِعِهِ بِالشَّرْحِ. وَأَمَّا هٰهُنَا فَنَذْكُرُ مِنْ ذٰلِكَ أَمْراً مُجْمَلاً وَهُوَ اَنَّ الْاَعْصَابَ لَوْ نَبَتَتْ كُلُّهَا مِنَ الدِّمَاغِ لَاُحْتِيْجَ اَنْ يَكُوْنَ الرَّأْسُ اَعْظَمَ مِمَّاهُوَ عَلَيْهِ بِكَثِيْرٍ، وَلَثَقُلَ عَلَى الْبَدَنِ حَمْلُهُ وَأَيْضاً لَاحْتَاجَتِ الْعَصَبَةُ إِلٰى قَطْعِ مَسَافَةٍ بَعِيْدَةٍ حَتّٰى تَبْلُغَ أَقَاصِي الْأَطْرَافِ فَكَانَتْ مُتَعَرِّضَةً لِلْآفَاتِ وَالْإِنْقِطَاعِ، وَكَانَ طُوْلُهَا يُوْهِنُ قُوَّتَهَا فِيْ جَذْبِ الْاَعْضَاءِ الثَّقِيْلَةِ إِلٰى مَبَادِيْهَا، فَأَنْعَمَ الْخَالِقُ عَزَّاسْمُهُ بِاِصْدَارِ جُزْءٍ مِنَ الدِّمَاغِ وَهُوَ النُّخَاعُ إِلٰى أَسْفَلِ الْبَدَنِ كَالْجَدْوَلِ مِنَ الْعَيْنِ، لِيُوَزِّعَ مِنْهُ قِسْمَةَ الْعَصَبِ فِيْ جَنْبَاتِهِ وَآخِرُهُ يَحْسَبُ مُوَازَاتُهُ وَمُصَاقَبَتُهُ لِلْاَعْضَاءِ، ثُمَّ جُعِلَ الصُّلْبُ مَسْلَكًا حَرِيْزاً لَهُ والثانية: ان الصُّلْبَ وِقَايَةٌ وَجُنَّةٌ لِلْاَعْضَاءِ الشَّرِيْفَةِ الْمَوْضُوعَةِ قُدَامَهُ، وِلِذٰلِكَ خُلِقَ لَهُ شَوْكٌ وَسَنَاسِنُ....

(القانون فی الطب. صفحه:47)

ترجمہ: ریڑھ کی ہڈی چار فائدوں کے لیے بنائی گئی ہے۔ ان میں سے پہلا یہ ہے کہ یہ حرام مغز کا راستہ بنے۔ حیوان کی بقا اسی کی محتاج ہے جس کا ذکر ہم حرام مغز کے فوائد میں اس کے مقام پر وضاحت سے کریں گے۔ جب کہ یہاں اس کا اجمالاً ذکر کریں گے۔ اور وہ یہ کہ اگر تمام اعصاب دماغ سے پیدا ہوتے ہیں تو اس بات کی ضرورت ہوتی کہ سر جتنا اب ہے اس سے کافی بڑا ہوتا اور جسم پر اس کا اٹھانا بھاری ہوتا اور اس طرح عصبہ کو دور دراز کے کناروں تک پہنچنے کے لیے کافی مسافت طے کرنا پڑتی۔ تو آفات اور کٹنے پھٹنے کا ڈر تھا اس کی لمبائی بھاری اعضاء کو سکیڑنے اور

پھیلانے میں اسکی طاقت کو کمزور کر دیتی۔ پس خالق (عزّ اسمہ) نے دماغ کا ایک حصہ یعنی حرام مغز جسم کے نچلے حصے تک نکال کر انعام فرمایا۔ جیسے چشمے سے نہر نکالی جاتی ہے۔ تاکہ وہ اعصاب کو جسم کے اطراف اور آخری حصوں میں مناسب طور پر تقسیم کر سکے اور اعضاء سے بھی اعصاب کا چشمہ قریب رہے۔ پھر ریڑھ کی ہڈی کو اس کا محفوظ راستہ بنایا۔ اور (ریڑھ کی ہڈی کا) دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ریڑھ کی ہڈی اپنے سامنے رکھے ہوئے بڑے اعضا کے لیے بچاؤ اور ڈھال ہے۔ اسی لیے اس کے کانٹے اور مہروں کے کنارے بنائے گئے ہیں۔

لغوی وضاحت

[الصلب] ریڑھ کی ہڈی	[مسلک] راستہ
[النخاع] حرام مغز	[اقاص الاطراف] دور دراز کے کنارے
[متعرضه] رکاوٹ	[یوهن] کمزور کرنا
[جذب] کھینچنا	[جدول] نہر یا ندی
[حریزا] محفوظ	[جنة] ڈھال
[شوک] کانٹے	[سناسن] ریڑھ کی ہڈی کے مہروں کے کنارے

[الاعضاء الشریفه] بڑے اعضا، جیسے جگر، پھیپھڑے، دل وغیرہ

تبصرہ

القانون طب کی بڑی کتابوں میں مانی جاتی ہے جدید طبی تحقیق اسی کتاب کی مرہونِ منت ہے۔ ابنِ سینا نے اس کتاب میں انسانی جسم اور بیماریوں کے متعلق مکمل معلومات فراہم کی ہیں۔ منتخب اقتباس میں ریڑھ کی ہڈی کے فوائد ذکر کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کی عبارت انتہائی سہل ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ

یہ کتاب برصغیر کے مشہور بزرگ اور ترجمان قرآن حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ آپ کا نام احمد بن عبد الرحیم بن وجیہ الدین العمری الدہلوی ہے۔ آپ کا لقب قطب الدین ہے۔ آپ کی ولادت سن 1114ھ بمطابق 1704 عیسوی میں ہوئی۔ اور آپ کی وفات محرم کے مہینے میں 1176 ہجری میں ہوئی۔ آپ نے قرآن مجید کا

پہلی دفعہ ترجمہ کیا۔ اس سے پہلے قرآنِ مجید کا کسی اور زبان میں ترجمہ نہیں ہوا تھا۔ آپ کی تصنیفات بہت سی ہیں۔ زیرِ نظر کتاب اسرارِ شریعت کے موضوع پر لکھی گئی ہے۔

بَابُ ذِكْرِ سُنَّةِ اللّٰهِ الَّتِىْ أُشِيْرَ اِلَيْهَا فِىْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى "وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا"

اللہ تعالیٰ کے اس سنت (طریقہ) کا ذکر جس کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے

إِعْلَمْ أَنَّ بَعْضَ أَفْعَالِ اللّٰهِ يَتَرَتَّبُ عَلَى الْقُوَى الْمُوْدَعَةِ فِى الْعَالَمِ بِوَجْهٍ مِن وُجُوهِ التَّرَتُّبِ، شهد بِذٰلِكَ النَّقْلُ وَالْعَقْلُ قَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ: "اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ مِنْ قُبْضَةٍ قَبَضَهَا مِنْ جَمِيْعِ الْاَرْضِ، فَجَاءَ بَنُوْ آدَمَ عَلٰى قَدَرِ الْاَرْضِ، مِنْهُمُ الْاَحْمَرُ وَالْاَبْيَضُ وَالْاَسْوَدُ، وَبَيْنَ ذٰلِكَ، وَالسَّهْلُ وَالْحَزْنُ، وَالْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ، وَسَأَلَهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ مَا يَنْزِعُ الْوَلَدَ إِلٰى أَبِيْهِ أَوْ إِلٰى أُمِّهٖ؟ فَقَالَ: إِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ الْمَرْأَةِ نَزَعَ الْوَلَدَ وَإِذَا سَبَقَ مَاءُ الْمَرْأَةِ مَاءَ الرَّجُلِ نَزَعَتْ"

وَلَا أَرَى أَحَداً يَشُكُّ فِىْ أَنَّ الْإِمَاتَةَ تُسْتَنَدُ إِلَى الضَّرْبِ بِالسَّيْفِ أَوْ أَكْلِ السَّمِّ، وَأَنَّ خَلْقَ الْوَلَدِ فِى الرَّحِمِ يَكُوْنُ عَقِيْبَ صَبِّ الْمَنِيِّ، وَأَنَّ خَلْقَ الْحُبُوْبِ وَالْأَشْجَارِ يَكُوْنُ عَقِيْبَ الْبَذْرِ وَالْغَرْسِ، وَالسَّقْيِ وَلِأَجْلِ هٰذِهِ الْإِسْتِطَاعَةِ جَاءَ التَّكْلِيْفُ، وَأُمِرُوْا، وَنُهُوْا وَجُوْزُوْا بِمَا عَمِلُوْا، فَتِلْكَ الْقُوٰى مِنْهَا خَوَاصُّ الْعَنَاصِرِ وَطَبَائِعِهَا، وَمِنْهَا الْاَحْكَامُ الَّتِىْ اَوْدَعَهَا اللّٰهُ فِىْ كُلِّ صُوْرَةٍ نَوْعِيَّةٍ، وَمِنْهَا اَحْوَالُ عَالَمِ الْمِثَالِ وَالْوُجُوْدِ الْمَقْضِيِّ بِهٖ هُنَالِكَ قَبْلَ الْوُجُوْدِ الْأَرْضِيِّ وَ مِنْهَا اَدْعِيَةُ الْمَلَأِ الْأَعْلٰى بِجُهْدِ هِمْ لِمَنْ هَذَّبَ نَفْسَهٗ أَوْ سَعٰى فِىْ إِصْلَاحِ النَّاسِ

(حجة الله البالغة: صفحه 35-36)

ترجمہ: جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے بعض افعال دنیا میں بھیجی ہوئی قوتوں پر مرتب ہوتے ہیں۔ اس کی گواہی نقلی اور عقلی علوم دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو

awazeinqilab.com

تمام زمین سے جمع کی گئی مٹھی بھر مٹی سے تخلیق کیا۔ پس آدم علیہ السلام کی اولاد زمین کی مناسبت سے آئی ان میں سرخ بھی ہیں، سفید بھی ہیں اور سیاہ بھی ہیں اور اس کے درمیان بھی۔ اور اس میں سخت مزاج بھی ہیں اور نرم مزاج بھی اور خبیث بھی ہیں اور پاک بھی۔ تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: لڑکے کو کیا چیز اس کے والد یا والدہ سے مشابہ کرتی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب مرد کا نطفہ عورت کے نطفہ پر سبقت لے جاتا ہے تو اس کی مشابہت لڑکے سے ہوتی ہے اور جب عورت کا نطفہ مرد کے نطفہ پر سبقت لے جاتا ہے تو اس کی مشابہت لڑکی سے ہوتی ہے۔

اور مجھے ایسا کوئی نہیں معلوم کہ جو اس میں شک کرے کہ موت کا سبب تلوار کی ضرب ہے، یا زہر کھانا ہے اور یہ کہ رحم مادر میں بچے کی تخلیق منی گرنے کے بعد ہوتی ہے۔ اور بیجوں اور درختوں کی تخلیق بیج بونے، پودا لگانے اور پانی دینے کے بعد ہوتی ہے۔ اور اس استطاعت کے لیے ذمہ داری آئی ہے اور وہ حکم دیے گئے ہیں اور منع کیے گئے ہیں اور عمل کے اوپر بدلہ دیے گئے ہیں۔ پس ان قوتوں میں سے (جن پر اللہ کے افعال مرتب ہوتے ہیں) عناصر کے خواص اور اس کے مزاج ہیں اور ان میں سے احکام ہیں جو اللہ نے ہر قسم کی شکل میں رکھے ہیں ان میں سے عالم مثال اور وجود کے حالات جن کے بارے میں زمین کے وجود سے پہلے وہاں فیصلہ کیا گیا ہے اور ان میں سے ملاء اعلیٰ کی دعائیں ہیں جو ان کی پوری کوشش سے ہوئیں ان کے لیے جس نے اپنے نفس کو مہذب بنایا (یعنی تزکیہ نفس کیا) یا لوگوں کی اصلاح کی کوشش کی۔

لغوی وضاحت:

[النقل] اس سے مراد آسمانی علوم ہیں جیسے قرآن وحدیث وغیرہ

[العقل] اس سے مراد دنیاوی علوم ہیں۔	[قبضة] مٹھی بھر
[ینزع] مشابہت کرنا، کھینچنا	[عقیب] بعد میں
[الحبوب] دانے، بیج	[البذر] بیج بونا
[الغرس] پودا لگانا	[السقی] پانی دینا

تبصرہ:

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس اقتباس میں اس موضوع پر بحث کی ہے کہ اللہ کی سنت تبدیل نہیں ہوتی۔ بچے کی ولادت مرد عورت کے ملاپ سے ہی ہوتی ہے۔ درخت اور پودا بیج ڈالنے کے بعد ہی پیدا ہوتا ہے۔

مقدمہ ابنِ خلدون

آپ کا نام عبد الرحمٰن بن محمد بن خلدون ہے۔ آپ 807ہجری میں پیدا ہوئے۔ آپ کی اصل تصنیف تاریخ اقوام پر ہے مگر اس کا مقدمہ تاریخ سے زیادہ مشہور ہوا۔ آپ نے اسمیں تمام علوم وفنون کا تعارف کرایا ہے۔

فَصْلٌ فِیْ اَنَّ الْعِلْمَ وَالتَّعْلِیْمَ طَبِیْعِیٌّ فِی الْعُمْرَانِ الْبَشَرِیِّ
تعمیر انسانیت میں علم وتعلیم واقعی طبیعی چیز ہے

وَذٰلِکَ أَنَّ الْاِ نْسَانَ قَدْ شَارَکَتْہُ جَمِیْعُ الْحَیْوَانَاتِ فِیْ حَیْوَانِیَّتِہٖ مِنَ الْحِسِّ وَالْحَرَکَۃِ وَالْغِذَاءِ وَالسَّکَنِ وَغَیْرِ ذٰلِکَ وَإِنَّمَا تَمَیَّزَ عَنْھَا بِالْفِکْرِ الَّذِیْ یَھْتَدِیْ بِہٖ لِتَحْصِیْلِ مَعَاشِہٖ وَالتَّعَاوُنِ عَلَیْہِ بِأَبْنَاءِ جِنْسِہٖ وَالْاِجْتِمَاعِ الْمُھَیِّءِ لِذَالِکَ التَّعَاوُنِ وَقَبُوْلِ مَا جَاءَ تْ بِہِ الْاَنْبِیَاءُ عَنِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْعَمَلِ بِہٖ وَاتِّبَاعِ صَلَاحِ أُخْرَاہُ فَھُوَ مُفَکِّرٌ فِیْ ذٰلِکَ کُلِّہٖ دَائِمًا لَا یَفْتُرُ عَنِ الْفِکْرِ فِیْہِ طَرْفَۃَ عَیْنٍ، بَلْ اِخْتِلَاجُ الْفِکْرِ أَسْرَعُ مِنْ لَمْحِ الْبَصَرِ، وَعَنْ ھٰذَا الْفِکْرِ تَنْشَأُ الْعُلُوْمُ وَمَا قَدَّمْنَاہُ مِنَ الصَّنَائِعِ. ثُمَّ لِأَجْلِ ھٰذَا الْفِکْرِ وَمَا جَبَلَ عَلَیْہِ الْاِنْسَانُ بَلِ الْحَیْوَانُ مِنْ تَحْصِیْلِ مَا تَسْتَدْعِیْہِ الطَّبَائِعُ فَیَکُوْنُ الْفِکْرُ رَاغِبًا فِیْ تَحْصِیْلِ مَا لَیْسَ عِنْدَہٗ مِنَ الْاِدْرَاکَاتِ فَیَرْجِعُ إِلٰی مَنْ سَبَقَہٗ بِعِلْمٍ أَوْ زَادَ عَلَیْہِ بِمَعْرِفَۃٍ أَوْ اِدْرَاکٍ أَوْ أَخَذَہٗ مِمَّنْ تَقَدَّمَہٗ مِنَ الْاَنْبِیَاءِ الَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَہٗ لِمَنْ تَلَقَّاہُ فَیُلَقِّنُ ذٰلِکَ عَنْھُمْ وَیَحْرُصُ عَلٰی أَخْذِہٖ وَعِلْمِہٖ...

(مقدمہ ابن خلدون)

ترجمہ: یہ کہ انسان محسوس کرنے، حرکت، غذا اور گھر وغیرہ کے اعتبار سے حیوانیت میں تمام حیوانات کے ساتھ شریک ہے لیکن سوچنے کی قوت کی وجہ سے ان سے ممتاز ہے۔ جس سے روزی کے حصول کے لیے رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ اور اس پر اپنے ہم جنس لوگوں کے تعاون اور اس تعاون کے لیے آمادگی کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے اور دوسروں کی خیرخواہی کی رہنمائی حاصل کرتا ہے اور وہ اس تمام میں غور وفکر کرتا رہتا ہے۔ اور پلک جھپکنے کے لیے بھی اس غور وفکر سے غافل نہیں ہوتا بلکہ اختلاج فکر پلک

جھپکنے سے بھی زیادہ تیز ہے اور اس غور وفکر کی وجہ سے علوم وفنون پیدا ہوتے ہیں جن کا ہم نے پہلے ذکر کیا۔ پھر انسان اس فکر کی وجہ سے اور نہ صرف انسان بلکہ حیوان بھی اپنے پیدائشی اور طبعی مرغوبات حاصل کرنے کی طرف راغب ہوتے ہیں جوان کو میسر نہیں۔ پس قوت فکر اپنے پاس غیر موجود علوم کے حصول کی طرف راغب ہوتی ہے۔ اور تو اپنے سے زیادہ علم اور معرفت والوں کی طرف رجوع کرتا ہے یا جنہوں نے سابق انبیاء سے علم حاصل کیا ہوتا ہے اور جو حاصل شدہ علم کی تبلیغ انہیں کی طرف منسوب کر کے کرتے ہیں اور اس کے حصول اور علم کا حریص ہوتا ہے۔

لغوی وضاحت

[اَلسَّکَنُ] گھر، مسکن، پناہ گاہ

[اِخْتِلَاجُ الْفِکْرِ] سوچ کی تشویش

[لَمْحُ الْبَصَرِ] پلک جھپکنے کی دیر

[اَلْاِدْرَاکَات] علوم

[اَلْمُھَیَّءُ] آمادہ

[أَسْرَعُ] زیادہ تیز ہے

[تَسْتَدْعِیُ] چاہنا، خواہش رکھنا

[تَلَقَّاہُ] اسے حاصل کیا ہو

تبصرہ

علامہ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں بہت سے علوم کو جمع کیا ہے۔ زیرِ نظر اقتباس مقدمے کے چھٹے باب سے لیا گیا ہے۔ علم حاصل کرنا اور تعلیم دینا انسانی فطرت کا حصہ ہے۔ اس میں انہوں نے بتایا کہ انسان دوسرے حیوانات سے فکری استدلال کی وجہ سے ممتاز ہے اور وہ ہمیشہ اپنی اس قوت فکر کو استعمال کرتا ہے۔ روزگار کا حصول کیسے کرے؟ علم کیسے حاصل کرے؟ جن چیزوں کا اس کو علم نہیں ہے ان کا علم حاصل کرنے کے لیے وہ اپنے سے زیادہ علم والوں کی طرف رجوع کرتا ہے۔ علامہ ابنِ خلدون عمرانیات کے موجد ہیں۔ انہوں نے سب سے پہلے اس کے اصول وضع کیے۔ ان کے اسلوب میں سلاست و روانی ہے۔

عوارف المعارف

یہ کتاب شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کی لکھی ہوئی ہے۔ یہ تصوف کے موضوع پر لکھی گئی کتاب ہے۔ آپ کا نام شیخ شہاب الدین ابوحفص عمر بن محمد السہر وردی ہے۔ آپ رحمتہ اللہ علیہ 529 ہجری میں سہرورد میں پیدا ہوئے۔ آپ کی صحبت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ رہی۔

بَابٌ فِیْ ذِکْرِ الْأَدَبِ وَ مَکَانِهٖ مِنَ التَّصَوُّفِ

یہ باب ادب کے تذکرے اور تصوف میں اس کے مقام کے بارے میں ہے۔

رُوِیَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ (اَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَأَحْسَنَ تَأْدِیْبِیْ) فَالْأَدَبُ: تَهْذِیْبُ الظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ فَإِذَا تَهَذَّبَ ظَاهِرُ الْعَبْدِ وَبَاطِنُهٗ صَارَ صُوْفِیًّا أَدِیْبًا وَإِنَّمَا سُمِّیَتِ الْمَأْدُبَةُ مَأْدُبَةً لِاجْتِمَاعِهَا عَلٰی اَشْیَاءَ وَلَا یَتَکَامَلُ الْأَدَبُ فِی الْعَبْدِ اِلَّا بِتَکَامُلِ مَکَارِمِ الْأَخْلَاقِ وَ مَکَارِمُ الْأَخْلَاقِ مَجْمُوْعُهَا مِنْ تَحْسِیْنِ الْخُلُقِ فَالْخَلْقُ صُوْرَةُ الْاِنْسَانِ وَالْخُلُقُ مَضَاهُ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: اَلْخُلُقُ لَاسَبِیْلَ إِلٰی تَغْیِیْرِهٖ کَالْخَلْقِ وَقَدْوَرَدَ (فَرَغَ رَبُّکُمْ مِنَ الْخَلْقِ وَالْخُلُقِ وَالرِّزْقِ وَالْأَجَلِ) وَقَدْ قَالَ تَعَالٰی (لَاتَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ) وَالْأَصَحُّ اَنَّ تَبْدِیْلَ الْاَخْلَاقِ مُمْکِنٌ "مَقْدُوْرٌ" عَلَیْهِ بِخَلَافِ الْخَلْقِ وَقَدْ رُوِیَ عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ (اَحْسِنُوْا اَخْلَاقَکُمْ) وَذٰلِکَ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی خَلَقَ الْاِنْسَانَ وَهَیَّأَهٗ لِقَبُوْلِ الصَّلَاحِ وَالْفَسَادِ جَعَلَهٗ اَهْلًا لِلْأَدَبِ وَمَکَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَوُجُوْدِ اَهْلِیَّةٍ فِیْهِ کَوُجُوْدِ النَّارِ فِی الزِّنَادِ وَوُجُوْدِ النَّخْلِ فِی النَّوٰی (عوارف المعارف)

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میرے رب نے مجھے اخلاق کی تعلیم دی پس میری عمدہ تربیت کی"۔ پس ادب ظاہر اور باطن کی اصلاح اور شائستگی کا نام ہے پس جب بندے کا ظاہر اور باطن درست ہو جاتا ہے تو صوفیاء ادیب (یعنی شائستہ ہر آلائش سے پاک) بن جاتے ہیں اور ماٗدبۃ کو ماٗدبۃ اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس میں چیزیں جمع ہوتی ہیں۔ اور ایک بندے میں ادب اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک مکارِم اخلاق مکمل نہ ہوں اور مکارمِ اخلاق اچھے اخلاق کا مجموعہ ہے۔ پس خَلق انسان کی صورت ہے اور خُلق کا معنی ہے جیسے بعض نے کہا: خُلق خَلق (یعنی تخلیق) کی طرح تبدیل نہیں ہوسکتا اور ذکر ہے کہ (تمہارا رب خَلق، خُلق اور رزق اور موت کے وقت سے فارغ ہو گیا) اور اللہ نے فرمایا: کہ اللہ کی تخلیق میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ تخلیق کے مقابلے میں اخلاق میں تبدیلی ممکن ہے اور وہ بس کی بات ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا گیا ہے (کہ اپنے اخلاق بہتر کرو) اور اللہ تعالیٰ نے انسان کو تخلیق کیا اور اسے اصلاح اور بگاڑ قبول کرنے کے لیے تیار کیا۔ اسے ادب اور مکارمِ اخلاق کا اہل بنایا۔ اور اس میں اہلیت موجود ہونا ایسے ہی ہے جیسے چقماق (ایک قسم کا پتھر جس سے آگ کی چنگاریاں نکلتی ہیں) میں آگ کا موجود ہونا اور گٹھلی میں کھجور کے درخت کا موجود ہونا۔

awazeinqilab.com

لغوی وضاحت

[تھذیب] اصلاح، شائستگی	[المأدبة] دعوت طعام
[یتکامل] مکمل ہونا	[ھیاہ] اسے تیار کیا
[الصلاح] درستگی	[الفساد] بگاڑ
[الزناد] چقماق	[النوی] گٹھلی

تبصرہ:

اس اقتباس میں حضرت سہروردی رحمۃ اللہ علیہ ادب کی تعلیم دے رہے ہیں کہ تصوف میں ادب نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ خَلق اور خُلق کا فرق بیان کیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اخلاق بہتر کیے جاسکتے ہیں۔ نیز انسان میں اخلاق کی بہتری اور بگاڑ کو قبول کرنے کی اہلیت رکھی گئی ہے۔ اس پیرائے میں دلائل میں وزن ڈالنے کے لیے احادیث سے اقتباس لیا گیا ہے۔ تشبیہات کا استعمال کیا گیا ہے۔ زورِ بیان اور سلاست اس پیرائے کی خصوصیات ہیں۔

مروج الذهب

یہ کتاب مسعودی رحمۃ اللہ علیہ نے تاریخ پر لکھی ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کا نام ابو الحسن علی بن الحسین المسعودی تھا۔ ابن الندیم نے کہا ہے کہ آپ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔

وَفَاةُ الْفُضَيْلِ بْنِ عَيَاضٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى
فضیل بن عیاضؒ کی وفات

وَ فِيْ هٰذِهِ السَّنَةِ سَبْعٍ وَّ ثَمَانِيْنَ وَمِائَةٍ تُوُفِّيَ الْفُضَيْلُ بْنُ عَيَاضٍ (رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى) وَيُكْنٰى أَبَا عَلِيٍّ وَكَانَ مَوْلِدُهُ بِخُرَاسَانَ وَقَدِمَ الْكُوْفَةَ وَسَمِعَ مِنَ الْمَنْصُوْرِ بْنِ الْمُعْتَمِرِ وَغَيْرِهٖ ثُمَّ تَعَبَّدَ وَانْتَقَلَ إِلٰى مَكَّةَ فَأَقَامَ بِهَا إِلٰى أَنْ مَاتَ.

حَدَّثَ سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ قَالَ: دَعَانَا الرَّشِيْدُ فَدَخَلْنَا عَلَيْهِ وَدَخَلَ الْفُضَيْلُ آخِرَنَا مُقْنِعاً رَاْسَهٗ بردَائِهِ فَقَالَ لِيْ: يَا سُفْيَانُ أَيُّهُمْ أَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ؟ فَقُلْتُ: هٰذَا، وَأَوْمَأْتُ إِلَى الرَّشِيْدِ، فَقَالَ لَهٗ: أَنْتَ يَا

حَسَنَ الْوَجْهِ الَّذِيْ أَمْرُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ فِيْ يَدِكَ وَ عُنُقِكَ، لَقَدْ تَقَلَّدْتَّ أَمْراً عَظِيْماً فَبَكَى الرَّشِيْدُ، ثُمَّ أُتِيَ كُلُّ رَجُلٍ مِنَّا بِبَدْرَةٍ، فَكُلٌّ قَبِلَهَا إِلَّا الْفُضَيْلُ، فَقَالَ لَهُ الرَّشِيْدُ: يَا أَبَا عَلِيٍّ، إِنْ لَمْ تَسْتَحِلَّهَا فَأَعْطِهَا ذَادَيْنٍ، وَأَشْبِعْ بِهَا جَائِعاً وَاكْسِ بِهَا عُرْيَاناً، فَاسْتَعْفٰى مِنْهَا، فَلَمَّا خَرَجْنَا قُلْتُ لَهٗ: يَا أَبَا عَلِيٍّ، أَخْطَأْتَ، أَلَّا أَخَذْتَهَا وَصَرَفْتَهَا فِيْ أَبْوَابِ الْبِرِّ، فَأَخَذَ بِلِحْيَتِيْ ثُمَّ قَالَ: يَا أَبَا مُحَمَّدٍ، أَنْتَ فَقِيْهُ الْبَلَدِ وَ الْمَنْظُوْرُ إِلَيْهِ وَتَغْلَطُ مِثْلَ هٰذَا الْغَلَطِ؟ لَوْ طَابَتْ لِأُولٰئِكَ لَطَابَتْ لِيْ.

(2/6)

ترجمہ: اور اس سال 187 ہجری میں حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فوت ہوئے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کی کنیت ابو علی تھی اور آپ کی جائے پیدائش خراسان میں تھی اور کوفہ تشریف لائے اور منصور ابن معتمر وغیرہ سے سماع کیا۔ پھر عبادت گزار بن گئے اور مکہ چلے گئے اور وفات تک وہیں قیام کیا۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا اور کہا: ہمیں خلیفہ ہارون الرشید نے دعوت دی پس ہم اس کے دربار میں داخل ہوئے اور فضیل سب سے آخر میں داخل ہوئے۔ انہوں نے اپنے سر کو اپنی چادر سے ڈھانپا ہوا تھا۔ پس مجھے کہا: اے سفیان ان میں سے امیر المومنین کون ہے؟ میں نے کہا: یہ ہیں، اور میں نے ہارون الرشید کی طرف اشارہ کیا۔ تو انہوں نے ان سے کہا: اے اچھے چہرے والے! جس کے ہاتھ اور گردن میں اس امت کی باگ ڈور ہے تم نے بہت بڑے کام کی ذمہ داری لی تو خلیفہ ہارون الرشید رو پڑے۔ پھر ہر ایک شخص کو دس ہزار درہم کی ایک تھیلی دی پس فضیل کے علاوہ سب نے اسے قبول کر لیا تو ہارون الرشید نے کہا: اے ابو علی اگر آپ اسے اپنے لیے حلال نہیں سمجھتے تو یہ کسی قرض دار کو دے دیں اور کسی بھوکے کو پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیں یا کسی ننگے کو کپڑے پہنا دیں تو انہوں نے اس کو لینے سے معذرت کی۔ پھر جب ہم نکلے تو میں نے کہا: اے ابو علی آپ نے غلطی کی، اگر آپ اسے لے لیتے اور نیکی کے کاموں میں خرچ کر دیتے (تو بہتر تھا) تو انہوں نے میری ڈاڑھی کو پکڑا پھر کہا: اے ابو محمد آپ شہر کے فقیہ ہیں اور لوگ آپ کی طرف دیکھتے ہیں۔ اور آپ ایسی غلطی کرتے ہیں اگر یہ ان لوگوں کے لیے حلال ہوئی تو میرے لیے بھی حلال ہوگی۔

awazeinqilab.com

لغوی وضاحت:

[مولدہ] جائے پیدائش
[مقنعاً] ڈھانپا ہوا
[تقلّدت] تو نے ذمہ داری لی
[ذَادَيْنٍ] قرض دار
[طَابَتْ] حلال ہونا

[تَعَبَّدَ] عبادت گزار بنا
[أَوْمَأْتُ] میں نے اشارہ کیا
[بَدْرَةً] دس ہزار درہم کی تھیلی
[فَاسْتَعْفٰى] معذرت کی

تبصرہ

مروج الذہب مسعودی نے تاریخ پر لکھی ہے۔ یہ اقتباس حضرت فضیل عیاض رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں ہے جو اللہ والے ہو گزرے ہیں۔ اہلِ تقویٰ لوگ دنیا اور دولت سے بے رغبتی اختیار کرتے ہیں۔ یہ اقتباس کہانی کے انداز میں لکھا ہوا ہے۔ ادبی خوبیوں سے بھرپور ہے نیز اسکی زبان سادہ اور عام فہم ہے۔

فتوح البلدان للبلاذری

یہ کتاب بلاذری نے لکھی۔ آپ کا نام احمد بن یحیٰی بن جابر بن داؤد بلاذری رحمتہ اللہ علیہ ہے۔ بغداد میں تیسری صدی ہجری میں پیدا ہوئے۔

حَدَّثَنِیْ عَمْرُو بْنُ مُحَمَّدٍ النَّاقِدِ وَأَحْمَدُ بْنُ هِشَامِ بْنِ بَهْرَامَ قَالاَ: حَدَّثَنَا وَكِيْعُ بْنِ الْجَرَّاحِ قَالَ: اَخْبَرَنَا رَبِيْعَةُ بْنُ عُثْمَانَ عَنْ عِمْرَانَ بْنِ أَبِیْ أَنَسٍ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: اِخْتَلَفَ رَجُلاَنِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فِی الْمَسْجِدِ الَّذِیْ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى، فَقَالَ أَحَدُهُمَا. هُوَ مَسْجِدُ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَقَالَ الْآخَرُ: هُوَ مَسْجِدُ قُبَا فَأَتَيَا النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ فَسَأَلاَهُ فَقَالَ هُوَ مَسْجِدِیْ هٰذَا.

صحیح ابن حبان (1604)

ترجمہ: مجھ سے عمرو بن محمد ناقد اور احمد بن ہشام بن بہرام نے بیان کیا اور کہا کہ ہم سے وکیع بن الجراح نے بیان کیا اور کہا کہ ہمیں ربیعہ بن عثمان نے خبر دی عمران بن ابوانس کے حوالے سے انہوں نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کے حوالے سے کہا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد میں دو آمیوں کا اس مسجد کے بارے میں اختلاف ہو گیا جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔

تو ان میں سے ایک نے کہا وہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

اور دوسرے نے کہا: وہ مسجد قبا ہے

تو وہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا وہ میری یہ مسجد ہے۔ یعنی مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

لغوی وضاحت:

[اختلف] اختلاف کیا
[فاتیا] پس وہ دونوں آئے
[فسألا] پس ان دونوں نے پوچھا

تبصرہ

فتوح البلدان اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہے۔ اس میں مختلف مقامات کا ذکر ہے۔ اس اقتباس میں دو آمیوں کے اختلاف کا ذکر ہے۔ اصل میں قرآن مجید میں اس واقعے کا ذکر ہے کہ منافقین نے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ ایک مسجد بنالی جس سے فتنے کا اندیشہ ہوا تو اللہ نے مسلمانوں کو اس مسجد میں نماز کی ادائیگی کا حکم فرمایا جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ یہ واقعہ اس کے بعد کا ہے جو یہاں ذکر ہے کہ یہ دو لوگ اس بارے میں جھگڑا کر رہے تھے کہ وہ مسجد نبویؐ کے بارے میں ہے یا مسجد قبا کے بارے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی وضاحت فرمادی۔ منافقین کی مسجد کو اللہ نے مسجد ضرار کا نام دیا۔ فتوح البلدان میں تاریخی مقامات کا تذکرہ ہے۔

awazeinqilab.com

مشق

سوال1: درج ذیل سوالات کے تفصیلی جواب لکھیں۔

i- نصاب میں موجود سورتوں کے حوالے سے قرآن مجید کے ادبی پہلو پر روشنی ڈالیے۔

ii- حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خطبات عربی ادب کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ تبصرہ کیجیے۔

iii- خلفائے راشدین کے خطوط کے اسلوب اور ادبی محاسن پر نوٹ لکھیں۔

سوال2: درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

i- قرآن مجید کے متعلق عرب کیا کہتے تھے؟

ii- سورۃ الفاتحہ کے دو نام لکھیں۔

iii- سورۃ الفاتحہ میں ادبی لحاظ سے کونسا اسلوب پایا جاتا ہے؟

iv- سورۃ الفاتحہ کی کن آیات میں سجع پائی جاتی ہے؟

v- تجر کے لغوی معنی کی وضاحت کریں۔

vi- ارم کون تھا؟

vii- سورۃ الضحیٰ میں اللہ تعالیٰ نے کیا نصیحت فرمائی ہے؟

viii- اسلام آنے کے بعد خطبے میں کیا تبدیلی آئی؟

ix- کنز الدقائق کی روشنی میں نماز کی شرائط لکھیں۔

x- ابنِ سینا کا پورا نام لکھیں۔

xi- عوارف المعارف کس موضوع پر لکھی گئی؟

xii- مروج الذھب کس کی تصنیف ہے؟

سوال3: کالم (ب) میں سے کالم (الف) کے معانی چنیں اور کالم (ج) میں لکھیں۔

کالم الف	کالم ب	کالم ج
i. الدین	i- مہینہ	
ii. الشفع	ii- ڈھانپا ہوا	
iii. الضحیٰ	iii- زہر	
iv. ابداً	iv- جزا	
v. شھر	v- ناف	
vi. کَتَبَ	vi- جفت	
vii. مُقَنَّعًا	vii- فرض کیا	
viii. سرّۃ	viii- ریڑھ کی ہڈی	
ix. الصلب	ix- چاشت کا وقت	
x. السم	x- ہمیشہ	

سوال4: درج ذیل میں سے درست جواب کا انتخاب کر کے خالی جگہ پر کریں۔

i- الضآلین سے مراد ____________ ہیں۔
(مسلمان ۔ یہود ۔ نصاریٰ ۔ مشرکین)

ii- حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رومیوں کی فوجوں سے لڑنے کے لیے لشکر ____________ روانہ فرمایا۔
(شام ۔ فارس ۔ روم ۔ مصر)

iii- حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے میں ____________ میں سب سے زیادہ فصیح ہوں۔
(لوگوں ۔ عربوں ۔ پیغمبروں ۔ مخلوقات)

iv- حضرت علی بن ابی طالب کرّم اللہ وجہہٗ نے خط ____________ کے لوگوں کو لکھا۔
(مدینہ ۔ شام ۔ کوفہ ۔ مصر)

v- کنز الدقائق ____________ کی تصنیف ہے۔
(ابن سینا ۔ ابنِ خلدون ۔ حافظ الدین النسفی ۔ شاہ ولی اللہ)

vi- مروج الذھب ____________ پر لکھی ہوئی کتاب ہے۔
(تاریخ ۔ تصوف ۔ طب ۔ فقہ)

awazeinqilab.com

مومن تو آپس میں بھائی ہیں۔
پس اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو
اور اللہ سے ڈرتے رہو
تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔
(سورۃ الحجرات: ۱۰)

مصنفین کا تعارف

ا۔ احمد سعید

آپ نے ایم اے عربی اور ایم اے اسلامیات اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور سے امتیازی نمبروں کے ساتھ پاس کیا۔ ایم فل عربی بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد سے کیا۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کے ماتحت عرصہ دس سال تک عربی اساتذہ کو تربیت دیتے رہے۔ اس کے علاوہ گذشتہ 16 برس سے درس و تدریس کے شعبے سے وابستہ ہیں۔ تصنیف و تالیف سے گہرا لگاؤ ہے۔

۲۔ ڈاکٹر شفقت علی جنجوعہ

ڈاکٹر شفقت علی جنجوعہ کا تعلق ضلع قصور سے ہے۔ آپ نے بی اے تک کی تعلیم پتوکی ضلع قصور سے ہی حاصل کی۔ اس کے بعد گورنمنٹ ایجوکیشن کالج فارمن لوئر مال لاہور سے بی ایڈ کا امتحان پاس کیا۔ وہیں پر آپ کو اردو زبان و ادب سے گہرا لگاؤ ہوا اور آپ نے تدریسِ اردو و انگریزی کے مضامین اختیار کر کے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ادارہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور سے علوم اسلامیہ میں ایم اے کیا اور پھر ادارہ تعلیم و تحقیق پنجاب یونیورسٹی سے ایم ایڈ کا امتحان پاس کیا۔ آپ نے عملی زندگی کا آغاز بطور معلم اسلام آباد کے ایک ماڈل ادارے سے کیا۔ آپ نے ثانوی سطح پر تدریسِ اردو میں نام پیدا کیا جس کی وجہ سے آپ کو اردو زبان کا بہترین ٹیچر قرار دیا گیا۔ آپ فیڈرل پبلک سروس کمیشن کے ذریعے منتخب ہو کر شعبۂ نصاب وزارتِ تعلیم میں بطور ایجوکیشن آفیسر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آپ کو نیشنل ایجوکیشن اسیسمنٹ سسٹم وزارتِ تعلیم کی طرف سے اردو زبان میں ''بہترین آئٹم رائٹر'' بھی قرار دیا گیا۔ آپ نے اردو زبان کی تدریس کے کئی کورسز کیے۔ شعبۂ نصاب میں تعیناتی کے دوران آپ نے اضافہ آبادی اور تعلیم پر مختلف عنوانات پر ماڈیول تیار کیے جسے بے حد سراہا گیا اور پورے ملک میں اشاعت کے لیے منظور کر لیے گئے۔ آپ اردو کی چار درسی کتابوں کے مصنف بھی ہیں اور قومی اخبارات میں آپ کے لکھے ہوئے کئی مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ ۲۰۰۵ میں آپ فیڈرل پبلک سروس کمیشن کے ذریعے فیڈرل ڈائریکٹوریٹ آف اسلام آباد کے تحت چلنے والے اداروں کے لیے بطور وائس پرنسپل منتخب ہو گئے۔ آجکل آپ اسلام آباد ماڈل کالج فار بوائز جی 6/2 میں بطور وائس پرنسپل تعینات ہیں۔

۳۔ نیاز محمد

نیاز محمد ایک سرگرم ماہر تعلیم ہیں۔ آپ کا تعلق سربند پشاور سے ہے۔ آپ نے شیخ زید اسلامک سنٹر سے بی۔ اے آنرز کے ساتھ ساتھ پشاور یونیورسٹی سے ایم اے اسلامیات اور ایم۔ اے عربی کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ آپ عرصہ دراز سے ایک سرکاری ادارے میں اسلامیات اور عربی کی درس و تدریس کے شعبہ سے وابستہ ہیں۔

awazeinqilab.com